PLEASE DO NOT REMOVE
CARDS OR SLIPS FROM THIS POCKET

UNIVERSITY OF TORONTO LIBRARY

PK 1974 H37
Haq, Abdul, maulvi
Urdū qavā'id

Haq, Abdul, maulvi

Urdū qavā'id

اُردو قواعد

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قیمت پانچ روپے

تعداد پانچ سو

ناشر

تاج پبلشرز۔ دہلی

PK
1974
H37

LIBRARY
APR 4 1963
UNIVERSITY OF TORONTO

834985

فہرست

مقدمہ	۹
قواعدِ اُردو	۳۳
فصلِ اوّل۔ ہجا	۳۷
اعراب (یا حرکات وسکنات)	۴۳
فصلِ دوم۔ حرف	۵۳
۱۔ اسم	۵۵
اسم خاص	۵۵
اسم کیفیت	۵۶
اسم جمع	۵۷
لوازم اسم	۵۸
جانداروں کی تذکیر وتانیث	۶۱
تعداد وحالت	۸۱
اسماء کی تصغیر وتکبیر	۸۹
۲۔ صفت	۹۲
صفت ذاتی	۹۲
صفت نسبتی	۹۵

صفت عددی
صفت مقداری ۹۶
صفت ضمیری ۱۰۱
۳ ضمیر ۱۰۲
ضمیر موصولہ ۱۰۵
ضمائر استفہامیہ ۱۱۰
ضمیر اشارہ ۱۱۲
ضمائر تنکیر ۱۱۳
صفات ضمیری ۱۱۳
ضمائر کے ماخذ ۱۱۴
۴-۰ فعل ۱۱۶
فعل حال ۱۱۹
فعل مستقبل ۱۲۷
فعل کی گردان ۱۳۱
حالت ۱۳۳
گردان افعال ۱۳۴
طور مجہول ۱۳۵
مرکب افعال ۱۴۱
اسماء وصفات کی ترکیب سے ۱۵۰
۵۔ تمیز
حروف ۱۶۱
حروف ربط ۱۶۵
حروف عطف ۱۶۵

حروف تخصیص	۱۶۹
حروف فجائیہ	۱۷۲
فصل سوم - مشتق اور مرکب الفاظ	۱۷۵
فصل چہارم - نحو	۱۹۸
نحو تفصیلی جنس	۱۹۸
تعداد	۲۰۰
حالت	۲۰۵
فاعلی حالت	۲۰۷
"نے" علامت فاعل	۲۰۸
ندائی حالت	۲۱۴
مفعولی حالت	۲۱۴
خبری حالت	۲۱۸
اضافی حالت	۲۱۹
ظروری حالت	۲۲۵
صفت	۲۲۸
صفات عددی	۲۳۲
ضمائر	۲۳۵
فعل	۲۴۵
حالیہ	۲۴۷
اسم فاعل	۲۵۴
زمانہ	۲۵۴
امر	۲۵۹
مستقبل	۲۶۰

فعل حال ۲۶۱
ماضی احتمالی ۲۶۵
ماضی شرطیہ ۲۶۶
افعال مجہول ۲۶۸
تعدیہ افعال ۲۶۸
افعال مرکب ۲۶۹
تمیز ۲۷۲
حروف ۔ حروف ربط ۲۸۱
"سے" ۲۸۳
"تک" ۲۸۵
"پر" ۲۸۶
"آگے" ۲۸۷
"ساتھ" ۲۸۸
"حروف عطف ۲۸۹
شرط ۲۹۰
استدراک ۲۹۱
استثنا ۲۹۱
علت ۲۹۲
مقابلہ ۲۹۲
بیانیہ ۲۹۳
حروف تخصیص ۲۹۵
تکرار الفاظ ۳۰۳
نحو ترکیبی ۔ مفرد جملے ۔ جملے کے اجزا ۔

مثالیں	۳۰۴
مبتدا کی توسیع	۳۰۶
خبر کی توسیع	۳۰۷
مطابقت	۳۰۸
مرکب جملے۔	۳۱۸
ہم رتبہ جملے	۳۱۸
تابع جملے	۳۲۱
جملے میں الفاظ کی ترتیب	۳۲۲
رموز اوقاف	۳۲۸
علامتوں کا محل استعمال۔ سکتہ	۳۲۹
وقفہ	۳۴۳
رابطہ	۳۴۵
تفصیلیہ	۳۴۶
ختمہ	۳۴۹
واوین	۳۵۰
فجائیہ	۳۵۰
سوالیہ	۳۵۱
خط	۳۵۱
قوسین	۳۵۱
زنجیرہ	۳۵۲
عروض۔	۳۵۸
وزن	۳۵۸
بحر	

ارکان بحر	۳۵۸
تقطیع	۳۵۸
اجزائے ارکان	۳۵۹
ارکان	۳۵۹
اسماد۔شمار۔بحور	۳۶۰
زحاف	۳۶۱
خاص زحاف	۳۶۲
عام زحاف	۳۶۲
بحریں۔بحر ہزج	۳۷۰
۲۔ بحر رجز	۳۷۲
۳۔ بحر رمل	۳۷۲
۴۔ بحر کامل	۳۷۳
۵۔ بحر متدارک	۳۷۴
۶۔ بحر متقارب	۳۷۴
مرکب بحریں۔ بحر خفیف	۳۷۶
۲۔ بحر سریع	۳۷۷
۳۔ بحر مجتث	۳۷۷
۴ مضارع	۳۷۸
۵ منسرح	۳۷۹
۶۔ بحر مقتضب	۳۷۹
اوزان رباعی	۳۸۰

مقدمہ

اردو زبان دنیا کی جدید زبانوں میں سے ہے اور ابھی ابھی اس نے اپنے بل بوتے پر کھڑا ہونا سیکھا ہے۔ زبان نہ کسی کی ایجاد ہوتی ہے اور نہ کوئی اُسے ایجاد کر سکتا ہے۔ جس اصول پر بیج سے کونپل پھوٹتی، پتے نکلتے، شاخیں پھیلتی، پھل پھول لگتے ہیں اور ایک دن وہی ننھا سا پودا ایک تناور درخت ہو جاتا ہے۔ اُسی اصول کے مطابق زبان پیدا ہوتی، بڑھتی اور پھیلتی پھولتی ہے۔ اردو اس زمانے کی یادگار ہے۔ جب مسلمان فاتح ہندوستان میں داخل ہوئے اور اہل ہند سے انکا میل جول روز بروز بڑھتا گیا۔ اُس وقت ملک کی زبان میں خفیف سا تغیر پیدا ہوتا چلا، جس نے آخر ایک نئی صورت اختیار کی۔ جس کا ان میں سے کسی کو سان گمان بھی نہ تھا۔ مسلمان فارسی بولتے آئے تھے اور ایک زمانے تک ان کی زبان فارسی ہی رہی۔ دربار و دفاتر میں بھی اُسی کا سکہ جاری تھا۔ ہندوؤں نے بھی اُسے شوق سے سیکھا۔ اُس زمانے میں فارسی لکھنا پڑھنا تہذیب میں داخل تھا۔ فارسی کے علاوہ عربی مسلمانوں کی مذہبی اور علمی زبان تھی۔ دستار فضیلت کا ملنا بغیر تحصیل زبان عربی نامکمل تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کے علوم و فنون کا خزانہ اُسی زبان میں

مدفون ہے۔ ادھر ملک میں جو زبان (قدیم ہندی) یا پراکرت رائج تھی اُسے بھی مسلمانوں نے سیکھا۔ عوام وہی زبان بولتے تھے۔ چنانچہ اس مخلوط زبان میں بڑے بڑے شاعر ہوئے۔ مسلمان شاہی درباریوں اور علماء اور شعراء نے بھی یہ زبان سیکھی اور اس میں تالیف و تصنیف بھی (جو زیادہ تر نظم تھی) کی۔ غرض ہندوستانیوں کے اس میل جول اور خلا ملا سے ایک نئی زبان نے جنم لیا جس کا نام بعد میں اردو رکھا گیا۔ اردو کے معنی لشکر کے ہیں اور لشکری زبان جیسی ہوتی ہے ظاہر ہے۔ یعنی آدھا تیتر آدھا بٹیر، اس لئے اوّل اول ثقہ لوگ اس کے استعمال سے بچتے رہے اور اس کے لکھنے پڑھنے کو عار سمجھتے رہے لیکن رفتہ رفتہ اس کے قدم جمتے گئے اور مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں شعرا نے اس بچے کو اپنے سایۂ عاطفت میں لیا اور پال پوس بڑا کیا۔ بہت کچھ صفائی پیدا کی اور نئی تراش خراش سے آراستہ کیا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال پر سمندر کے راستے ایک نئی قوم ہندوستان پر مسلط ہوئی جو ہندو مسلمانوں سے بالکل غیر تھی۔ اس قوم نے اس کی انگلی پکڑی۔ اس نے انگلی پکڑتے اُن کا پہنچا پکڑا اور دربار سرکار میں اس کی رسائی ہوگئی اور رفتہ رفتہ دفاتر سے فارسی کو نکال باہر کیا اور خود اُس کی کرسی پر جلوہ گر ہوئی۔ آخر ہندوستان کی قدیم راجدھانی اس کا جنم بھوم اور دور دور اب اس کا وطن ہوا۔ اب دُور دُور پھیل چلی ہے اور ہندوستان کے اس سرے سے اُس سرے تک چلے جایئے۔ ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے بلکہ ہندوستان کے باہر تک جا پہنچی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ تین مختلف جلیل القدر قوموں کی یعنی ہندو، مسلمانوں اور انگریزوں کی چہیتی ہے اور ان تینوں کی متفقہ کوششوں کی عظیم الشان یادگار ہے۔ تینوں نے اسے سیکھا، پڑھا، لکھا۔ تینوں نے اس کی ترقی میں مقدور

بھر کوشش کی اور اب تینوں کی بدولت اس رُتبے کو پہنچی کہ دنیا کی جدید زبانوں میں شمار کئے جانے کے قابل ہوئی۔

اردو ہندی نژاد ہے اور قدیم ہندی یا پراکرت کی آخری اور سب سے شائستہ صورت ہے۔ ہندی بولی اور فارسی کے میل سے بنی ہے۔ اس میں جو سنسکرت اور پراکرت کے الفاظ ہیں وہ زمانہ دراز کے استعمال اور زبانوں پر چڑھ جانے سے ایسے ڈھل گئے ہیں کہ اصل الفاظ میں جو بھدا پن اور کرختگی اور تلفظ اور لہجے کی دقت تھی بالکل جاتی رہی۔ اور چھٹ چھٹا کر پاک صاف سیدھے سادے رہ گئے ہیں۔ جس سے زبان میں لوچ، گھلاوٹ اور صفائی پیدا ہو گئی۔ اردو کے ہندی نژاد ہونے میں کچھ شبہ نہیں کیونکہ بیرونی زبانوں کا اثر صرف اسماء و صفات میں ہوا ہے۔ ورنہ زبان کی بنیاد یہیں کی زبان پر ہے۔ تمام حروف فاعلی، مفعولی، اضافت، نسبت، ربط وغیرہ ہندی ہیں۔ ضمیریں سب کی سب ہندی ہیں۔ افعال سب ہندی ہیں۔ لیکن عربی فارسی الفاظ کے اضافے نے مختلف صورتوں میں اس کی اصلی خوبی میں اضافہ کر دیا ہے۔ ہندی الفاظ میں دل نشینی کا خاص اثر ہے اور عربی فارسی الفاظ میں شان و شوکت، اور زبان کے لئے ان دونوں عنصروں کا ہونا ضروری ہے۔ عربی فارسی الفاظ نے نہ صرف لغت اور نحو میں بلکہ خیالات میں بھی وسعت پیدا کر دی ہے۔ جس سے اس کا حسن دوبالا ہو گیا اور وہ زیادہ وسیع اور کارآمد بن گئی مگر اصل بنیاد جس پر وہ قائم ہے ہندی ہی ہے۔ محض غیر زبانوں کے اسماء و صفات کے اضافے سے اس کے ہندی ہونے میں مطلق فرق نہیں آ سکتا۔ مثلاً آج کل بہت سے انگریزی لفظ داخل ہوتے جاتے ہیں لیکن اس سے زبان کی اصلیت و ماہیت پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔ ایک دوسری بات اردو زبان میں یہ ہے کہ

اس اصول پر قائم ہے کہ جو تمام جدید زبانوں میں اس وقت پایا جاتا ہے۔ یعنی صورت ترکیبی سے حالت تفصیلی کی طرف اس کا رجحان ہے۔ قدیم زبانوں میں یہ بڑی دقت تھی کہ ایک ہی لفظ کو ذرا ذرا سے فرق اور پھیر سے مختلف صورتوں میں لے آتے تھے۔ اب دوسرے الفاظ کی مدد سے مرکب صورتیں پیدا ہو گئی ہیں اور وہ دقتیں جاتی رہی ہیں۔ اردو کو بھی اس قید سے آزادی مل گئی ہے۔ غرض یہ زبان مختلف حیثیتوں سے ایسی قبول صورت ہو گئی ہے کہ اس کی ترقی میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی صفائی، فصاحت اور صلاحیت اور ہندی، فارسی، عربی اور انگریزی کے مختلف مفید اثرات اس امر کا یقین دلاتے ہیں کہ وہ دنیا کی ہونہار زبانوں میں سے ہے اور ایشیا میں ایک روز اس کا ستارہ چمکے گا۔

مجھے خوب یاد ہے کہ کئی سال کا عرصہ ہوا کہ میرے ایک دوست نے جلسے میں تذکرتاً میری کتاب صرف و نحو اردو کے متعلق کہا کہ انجمن ترقی اردو (حیدرآباد دکن) اسے چھپوا دے تو بہت اچھا ہو۔ اس پر ہمارے ایک عالم دوست نے فرمایا کہ صرف و نحو کی کتابیں بچوں کے لئے ہوتی ہیں۔ انجمن کی طرف سے ایسی کتابوں کا طبع ہونا ٹھیک نہیں۔ مجھے اس میں کلام ہے کہ صرف و نحو کی کتابیں بچوں کے لئے مخصوص ہیں بلکہ میری رائے میں انھیں اپنی زبان کی صرف و نحو پڑھانا مضر ہے۔ البتہ یہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ایک زندہ اور جدید زبان کے لئے گریمر (صرف و نحو) کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی لیکن سوال یہ ہے کہ آخر گریمر کی ضرورت پڑی کیوں؟ جب ہم دنیا کی مختلف زبانوں پر نظر ڈالتے ہیں اور اُن کے ادب کی تاریخ بغور پڑھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں گریمر کی ضرورت اس وقت واقع ہوئی جبکہ ایک زبان والوں

نے دوسری زبان کے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اوّل اوّل خود اہل زبان کو کبھی اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ مثل دوسرے علوم و فنون کے ضرورت نے اسے بھی ایجاد کیا۔ اور زبان کے سب سے پہلے علمی نحوی وہ لوگ تھے جنھوں نے سب سے اوّل علمی طور پر زبانوں کی تعلیم دی۔ صرف و نحو کے قواعد کی تدوین انھیں معلمین السنہ کا کام تھا۔

زبانوں کا سیکھنا سکھانا نسبتاً جدید زمانے کی ایجاد ہے جو آج کل خاص عام پیشہ ہوگیا ہے۔ قدیم زمانے میں لوگ غیر زبانوں کے سیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ مثلاً کسی قدیم یونانی یا عرب کو کسی دوسری زبان کے سیکھنے کا کبھی خیال نہیں آتا تھا اور وہ کیوں سیکھتا؟ اس لئے کہ یونانی سوائے یونانیوں کے اور عرب سوائے عربوں کے سب کو وحشی خیال کرتا تھا۔ غیروں کی زبان سیکھنا، ان کے ادب و اطوار کا اختیار کرنا اس کے لئے عار اور موجب ذلت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی غیر اقوام کو ایکسا لوسائی یعنی بے زبان، عرب اور دوسروں کو عجم یعنی گونگے اور پول اپنے پڑوسی اہل جرمن کو نیمیا یعنی گونگے بہرے اور ہندو اپنے سوا دوسروں کو ملیکھ (ملیچھ) کہتے تھے۔ ملیکھ یعنی ملیچھ کے اصل معنی ایسے شخص کے ہیں جسے صاف طور پر بولنا نہیں آتا۔

جب یونانیوں کو دوسری قوم سے سابقہ پڑا اور ان سے بات چیت کی ضرورت ہوئی تو بڑی دقت پیش آئی۔ اگر ہر شخص اپنی ہی زبان بولنے پر اصرار کرے تو دوسرے کی کیونکر سمجھے۔ اُن کے لئے غالباً غیر زبانوں کے سیکھنے کی پہلی محرک تجارت ہوئی اور دوسری محرک اسکندر کی فتوحات۔ ایران اور ہندوستان کی فتوحات نے یونانیوں پر ثابت کر دیا کہ دوسری قومیں بھی زبان رکھتی ہیں لیکن طرہ یہ ہے کہ بہ نسبت یونانیوں کے دوسری اقوام میں جنھیں

یونانی وحشی کہتے تھے زبانیں سیکھنے کی زیادہ صلاحیت تھی۔ اسکندر کی فتوحات نے باہمی میل جول کا راستہ کھول دیا تھا۔ اور اسکندریہ مختلف اقوام مختلف زبانیں بولنے والوں اور مختلف مذاہب کے لوگوں کا سنگم ہو گیا۔ گو ابتدائی تعلق تجارتی تھا لیکن فرصت کے اوقات میں دوسرے معاملات اور مباحث بھی خود بخود زیر بحث آ گئے۔ علاوہ اس کے خود یونانی بھی اسکندریہ میں موجود تھے جو قدیم حالات کی تحقیق میں مصروف تھے اور اسی طرح مصریوں ایرانیوں اور یہودیوں کے علم و ادب و معتقدات بحث میں آئے۔ اگرچہ اسکندریہ میں دوسرے اقوام کے علم ادب کے متعلق ایک دلچسپی پیدا ہو گئی تھی لیکن زبان کی تحقیق و تنقید دوسری زبانوں کے مطالعہ سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ خود یونانی زبان کی مختلف شاخوں پر غور کرنے سے اس کا آغاز ہوا اور سب سے بڑی وجہ اس کی ہومر کی کتاب ہوئی۔ سب سے اول ان علماء نے زبان کی تنظیم کی طرف توجہ کی جو قدیم اساتذہ اور خاص کر ہومر کی تصانیف کو صحت اور تنقید کے ساتھ شائع کرنے کا کام کر رہے تھے مختلف نسخے اسکندریہ اور پرگامس میں یونان کے مختلف حصّوں سے وصول ہوئے جن میں آپس میں بہت کچھ اختلاف تھا اور اس لئے ان علما کو مجبوراً یونانی گریمر کی صحیح صورت قائم کرنے پر متوجہ ہونا پڑا۔ اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں نے اوّل یونانی زبان کا تنقیدی نظر سے مطالعہ کیا اور اس کی تنظیم کی اور مختلف اجزائے کلام کا امتیاز قائم کیا اور الفاظ کے مختلف عملوں کے لئے اصطلاحی الفاظ گھڑے لیکن تاہم حقیقی اور ابتدائی گریمر ابھی تک نہیں لکھی گئی تھی۔ پہلا حقیقی نحوی ڈائونی سی آس تھریکس تھا۔

یہ شخص جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے تھریس کا باشندہ تھا لیکن

وہ اسکندریہ میں رہتا تھا۔ بعد ازاں وہ روما گیا۔ اس نے یونانی زبان کی تعلیم دینی شروع کی اور معلّمی پیشہ اختیار کیا اور اپنے رومن شاگردوں کے لئے زبان کی پہلی گرامر لکھی۔ اگرچہ گرامر کا ڈھانچہ پہلے سے موجود تھا لیکن اس نے پہلے کے فلسفیوں اور نقادوں کے نتائج سے فائدہ اُٹھا کر یہ کتاب مرتب کی، یونانیوں کے لئے نہیں، کیونکہ انھیں ضرورت نہ تھی۔ وہ اپنی زبان سے خود واقف تھے بلکہ اہل روما کی تعلیم کے لئے، اس شخص کے بعد اور لوگ پہنچے اور معلّمی یا مترجمی کا پیشہ کرنے لگے۔ یہ پیشہ وہاں اچھا خاصا اور معزز سمجھا جاتا تھا کیونکہ رومن نوجوانوں کو یونانی پڑھنے لکھنے اور بولنے کا ایسا ہی شوق اور خبط تھا۔ جیسا آج کل ہندی نوجوانوں کو انگریزی پڑھنے لکھنے اور بولنے کا ہے، یہاں تک کہ بچوں کو اوّل یونانی پڑھائی جاتی تھی اور بعد میں لاطینی۔ یونانی ادب و تہذیب کا اختیار کرنا اور یونانی جاننا شرافت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ بعینہ جیسے ہمارے ہاں آج کل انگریزی پہناوے، انگریزی بات چیت۔ انگریزی طرز معاشرت باعث فخر خیال کی جاتی ہے۔ گو روما نے یونان کو فتح کیا تھا لیکن علمی لحاظ سے وہ خود اس کا مفتوح ہو گیا۔ غرض یونانی زبان کے سیکھنے اور یونانی کتابوں کے ترجمے کا عام رواج ہو گیا اور اسی وجہ سے یونانی گرامروں کی ضرورت ہوئی اور جب لاطینی گرامر لکھی گئی تو یونانی اصطلاحات لاطینی لباس میں ترجمہ ہو کر داخل ہو گئیں اور اس جدید لباس میں یہ گرامر دو ہزار سال سے یورپ پر چھائی ہوئی ہے بلکہ آج اس کا اثر ہندوستانی مدارس اور ہندوستانی زبانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

جب ہم عربی زبان کی صرف و نحو کی ابتدا پر نظر ڈالتے ہیں تو بعینہ یہی صورت وہاں بھی پیش آئی۔ جس طرح ہومر کی کتاب کی درستی اور صحت کے

لیے اوّل اوّل نحو کے ابتدائی اصول پر نظر گئی۔ اسی طرح قرآن پاک کے الفاظ کی صحت قائم رکھنے کے لیے سب سے پہلے زبان کی نحو کی طرف مجبوراً توجہ کرنی پڑی سب سے پہلا شخص ابوالاسود دؤلی تھا جسے ایک قاری کو قرآن کی آیت غلط پڑھتے ہوئے سن کر یہ خیال ہوا کہ اگر خدانخواستہ یہ حالت رہی تو اندیشہ ہے کہ قرآن پاک کے معانی کچھ کے کچھ ہو جائیں گے۔ ابتدا میں عربی رسم الخط ایسا تھا کہ اس میں نقطے اور اعراب نہ تھے۔ اور اس لیے اعراب اور نقطے ایجاد کرنے پڑے صرف و نحو کا خیال بھی اسی قسم کے واقعات سے پیدا ہوا خصوصاً جب اہل عجم مذہب اسلام میں داخل ہوئے اور عربی زبان کا اثر وسیع ہونے لگا تو عجمی زبان کے بولنے میں طرح طرح کی غلطیاں کرنے لگے۔ زبان کے خراب اور مسخ ہونے کا اندیشہ ہوا۔ اس سے ابوالاسود کی تحریک پر حضرت علی نے نحو کا پہلا قاعدہ بتایا کہ "سارا کلام اس سے خالی نہیں کہ یا تو اسم ہوگا یا فعل یا حرف" چنانچہ اس پر سے ابوالاسود نے اوّل اوّل قواعد فن لسان کی تدوین کی۔ جب عربوں کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور عربی زبان کی روشنی بھی ساتھ ساتھ پھیلنی شروع ہوئی تو قواعد زبان کی ضرورت روز نہ بروز بڑھنے لگی۔ کوفہ و بصرہ میں نحویین کے دو الگ مذہب قائم ہو گئے، جن کے مباحث پر اس وقت نظر ڈالنا ہمارے مقصد سے خارج ہے۔ غرض ہوتے ہوتے نوبت یہ پہنچی کہ نحو یا تو زبان سیکھنے کا آلہ تھی یا خود ایک مستقل فن ہو گئی اور ایک نحوی کی اتنی ہی عزت ہونے لگی جیسے کسی عالم فاضل کی عربی صرف و نحو کی تدوین میں عجمیوں نے بہت بڑا حصہ لیا (کیونکہ ضرورت زیادہ انہیں کو تھی) اور بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھیں اور ایسی ایسی وہ بحثیں اور نکتے پیدا کیے کہ یہ فن خاصا فلسفہ ہو گیا۔ اور اس کے پڑھنے پڑھانے

میں مبالغہ کے ساتھ بڑے بڑے اہتمام ہونے لگے جس کا اثر اب تک باقی ہے۔ عربی زبان اور صرف نحو کا اثر فارسی، ترکی، اُردو زبانوں پر بہت کچھ ہوا ہے اور اب تک عربی اصطلاحات صرف و نحو ان زبانوں کی قواعد میں برابر جاری ہیں۔ بلکہ فارسی اُردو کی صرف و نحو عربی کی صرف و نحو کی نقل ہے، اور نقل کیا کی ہے منہ چڑایا ہے۔ غرض کہنے کی یہ ہے کہ عربی صرف و نحو کو زیادہ رونق اور عروج عجمی علما کی بدولت ہوا ہے۔

موجودہ زبان فارسی کو دیکھا جائے تو اس کی صرف و نحو بہت صاف اور سیدھی اور مختصر ہے اور اس میں مطلق وہ پیچیدگیاں نہیں جو قدیم زبانوں یا اردو زبان میں ہیں لیکن یار لوگوں نے عربی کے تتبع میں اس کی بھی خوب مٹی خراب کی۔ زبان کچھ کہتی ہے اور گریمر کچھ اور۔ بعینہ یہ مثل صادق آتی ہے۔

من چہ سرایم و طنبورۂ من چہ سراید

لیکن تاہم بُری بھلی جو کتابیں فارسی صرف و نحو، تنقید زبان، صنائع بدائع اور لغت پر لکھی گئی ہیں وہ سب زیادہ تر تو اہل ہند یا بعض اور بیرونی لوگوں کی تصنیف سے ہیں۔ اہل زبان نے کبھی قلم اُٹھانے کی زحمت گوارا نہیں کی اور حقیقت بھی یہ ہے کہ انھیں اپنی زبان کی صرف و نحو لکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی اور نہ کبھی انہیں اس کا خیال آیا وہ ان کی مادری زبان تھی۔ پیدا ہوتے ہی وہی آوازیں ان کے کانوں میں پڑتی تھیں اور ہوش سنبھالتے ہی وہی زبان جو سنتے تھے بولتے تھے۔ صرف و نحو تو وہ پڑھے جس کی مادری زبان نہ ہو اور یہی وجہ ہے کہ فارسی کی صرف و نحو غیروں نے لکھی۔

اس کے بعد جب ہم اُردو زبان پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کی حالت سب سے عجیب و غریب ہے۔ اس کی صرف و نحو کی طرف ابتدا میں نہ صرف کسی اہل ہند

بلکہ ایشیا بھر میں کسی شخص کا خیال نہ گیا۔ اور خیال کیا تو غیروں نے اور غیر بھی کیسے بات چیت اور زبان ہی میں غیر نہیں بلکہ صورت شکل، عادات و اطوار، طریق ماند و بود، طرز خیال، غرض گفتار، رفتار وکردار میں بھی غیر ہیں۔ اور ایسے غیر کہ باوجودیکہ دو سو ڈیڑھ سو برس ایک سرزمین میں ایک ساتھ رہتے گزر گئے ہیں مگر اب تک غیریت نہیں گئی۔ میرا مطلب ان اہلِ فرنگ سے ہے جو آگ لینے آئے تھے اور گھر کے مالک بن بیٹھے۔ اہل یورپ کے آنے سے اس ملک کو اگر کچھ فوائد پہنچے ہیں تو ان میں سے بلاشبہہ ایک یہ بھی ہے کہ انھیں نے ایک ایسی زبان کی سرپرستی اور تقویت میں ہاتھ بٹایا جو ملک کی مختلف اقوام کی متحدہ اور مشترکہ زبان تھی۔ اگرچہ اس میں اُن کی ذاتی غرض پنہاں تھی کیونکہ بغیر ایک ایسی زبان سیکھے ان کو اپنی اغراض میں کامیابی نہیں ہو سکتی تھی مگر ذاتی اغراض کے ساتھ ملکی اغراض بھی خود بخود انجام پا گئے۔ ان لوگوں کے، اس زبان پر توجہ کرنے اور سیکھنے سے بھی یہ صاف عیاں ہے کہ یہ زبان ملک کی عام زبان تھی۔ ان حضرات کو ملک کی کسی زبان سے نہ الفت تھی نہ نفرت۔ وہ ایسی زبان سیکھنی چاہتے تھے۔ جو ہر جگہ کارآمد ہو اور ان کے کاروبار اور معاملات میں سہولت پیدا کرے اور وہ سوائے اردو کے کوئی دوسری زبان نہ تھی۔ لہٰذا اس کی تحصیل میں انھوں نے کوشش کی اور بے شک یہ ان کے اغراض کے لئے مفید بھی ثابت ہوئی۔

جہاں تک تحقیق کی گئی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلا یورپین جس نے ہندوستانی زبان کے قواعد لکھے وہ جان جوشوا کیٹلر تھا جو پرشیا کے شہر ایلبنجن میں پیدا ہوا۔ مذہب میں یہ لوتھر کلیسیر و تھا۔ یہ شخص شاہ عالم بادشاہ (سنہ ۱۷۰۸–۱۷۱۲ء) اور جہاں دار شاہ بادشاہ (سنہ ۱۷۱۲ء) کے دربار

میں بطور ڈچ سفیر کے حاضر ہوا۔ سنہ ۱۷۱۱ء وہ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ناظم تجارت بہ مقام سورت مقرر ہوا۔ وہ لاہور سے آتے اور جاتے وقت براہ دہلی آگرے سے گزرا۔ لیکن یہ بالیقین نہیں کہا جا سکتا کہ وہ وہاں ٹھیرا بھی یا نہیں اگرچہ وہاں اہل ڈچ کا ایک کارخانہ سورت کے تحت میں موجود تھا۔ اس کا مشن لاہور کے قریب ۱۰ دسمبر سنہ ۱۷۱۱ء کو پہنچا اور جہاندار شاہ کے ہمراہ دہلی واپس ہوا اور آخر کار اس مقام سے ۱۴ اکتوبر سنہ ۱۷۱۲ء کو روانہ ہو کر ۲۰ اکتوبر کو آگرے پہنچا اور پھر آگرے سے سورت واپس چلا گیا۔ سنہ ۱۷۱۶ء تک وہ تین سال سورت میں ڈچ کمپنی کا ناظم (ڈائرکٹر) رہا۔ اس کے بعد وہ ایران کا سفیر مقرر ہوا اور بٹاویا سے جولائی ۱۷۱۶ء میں روانہ ہوا۔ اس وقت اسے ایسٹ انڈیا میں ڈچ کی ملازمت کرتے ہوئے تیس سال ہو گئے تھے۔ اور اصفہان سے واپس ہوتے وقت خلیج فارس کے مقام گمبرون میں بہ علالت بخار انتقال کیا۔

اس نے ہندوستانی زبان کے قواعد اور لغت پر کتاب لکھی جو ڈیوڈ ملز نے سنہ ۱۷۴۳ء میں چھاپ کر شائع کی۔ قیاس یہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس نے ۱۷۱۵ء کے لگ بھگ تالیف کی ہوگی۔ یہ لیٹن زبان میں ہے لیکن ہندوستانی الفاظ اور عبارتیں رومن حروف میں ہیں۔ البتہ حروف کے پیٹوں میں ہندوستانی الفاظ بعینہ لکھے ہیں اور ان الفاظ کا تلفظ ڈچ زبان کے طریقے پر ہے۔ ایک بات اس قواعد میں قابل لحاظ یہ ہے کہ حرف فاعلی "نے" کا کہیں ذکر نہیں ہے اور علاوہ ہم کے وہ آپ کو بھی جو (جو گجراتی زبان میں استعمال ہوتا ہے) جمع متکلم کی ضمیر بتاتا ہے۔

کیٹلر کی گرامر کے طبع ہونے کے دوسرے سال مشہور مشنری شلز کی کتاب

ہندوستانی زبان اردو کے قواعد پر شائع ہوئی (سنہ طبع ۱۷۴۴ء) یہ صاحب کٹیلر کی گریمر سے واقف تھے اور اپنی کتاب کے دیباچے میں اس کا ذکر بھی کیا ہے۔

شلز کی گریمر بھی لیٹن میں ہے مگر ہندوستانی الفاظ فارسی عربی خط میں ہیں اور ان کا تلفظ بھی ساتھ ساتھ لاطینی میں دیا ہے۔ ناگری حروف کی بھی تشریح کی ہے مگر بعض حروف بالکل ترک کر دیئے ہیں۔ وہ ضمائر شخصی کے واحد و جمع سے واقف ہے لیکن افعال متعدی کے زمانۂ ماضی کے ساتھ "نے" کے استعمال سے واقف نہیں اور یہ اسی پر موقوف نہیں بلکہ اکثر قدیم کتب قواعد میں "نے" نظر انداز کر دیا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ پرانی اردو میں "نے" کا استعمال بالالتزام نہیں ہوتا تھا۔

ہیڈلے کی گرمر سنہ ۱۷۷۲ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد متعدد کتابیں ہندوستانی زبان کے قواعد کے متعلق لکھی گئیں جن میں سے زیادہ مشہور پرتگیز گرمٹیکا اندوستان ہے جو لزبن میں سنہ ۱۷۷۸ء میں شائع ہوئی اس کے بعد کا وہ زمانہ ہے جبکہ جان گلگرسٹ نے ہندوستانی زبان کی خدمت شروع کی لیکن جان گلگرسٹ کی خدمات کا ذکر کرنے سے قبل ہم ایک شخص بے لی ٹوٹ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے اپنے حالات خود اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ یہ شخص مدراس میں سنہ ۱۷۸۵ء میں آیا اور غالباً ہیڈ ماسٹری کی خدمت پر مامور رہا۔ وہاں دو سال قیام کرنے کے بعد کلکتہ چلا آیا۔ وہاں اس کی ملاقات ایک پنڈت سے ہوئی جس سے اس نے سنسکرت بنگالی اور ہندوستانی (جسے وہ ہندوستان کی مخلوط زبان کہتا ہے) پڑھنی شروع کی۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے دو ناٹکوں کا ترجمہ بنگالی میں کیا اور اس کے

اپنے بیان کے بموجب ان میں سے ایک ناٹک عام طور پر پبلک میں پسند کیا گیا اور اس کی بہت تعریف ہوئی۔ ایڈلنگ لکھتا ہے کہ اس کے بعد وہ مغل بادشاہ کے ہاں تھیٹر کا منتظم ہو گیا اور آخر مشرق میں بیس سال کے قیام کے بعد انگلستان واپس چلا گیا۔ لندن میں اس نے اپنی گرمیر شائع کی اور روسی سفیر ڈون زو سے ملاقات پیدا کی، اُس نے اسے روس بھیج دیا۔ جہاں وہ فارن آفس میں ملازم ہو گیا۔ اور سرکار کی طرف سنسکرت کا مطبع قائم کرنے کے لئے اسے بہت کچھ رقم دی گئی لیکن اس کی ہندوستانی گرمر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید بہ نسبت ہندوستانی زبان کے اس کا علم بنگالی اور سنسکرت میں زیادہ ہو۔ کیونکہ اس نے ہندوستانی گرمر میں نہ صرف الفاظ کا تلفظ غلط لکھا ہے بلکہ قواعد کے بیان کرنے میں بھی بہت سی صریح غلطیاں کی ہیں۔[1]

ڈاکٹر جان گلکرسٹ کا نام اردو کے محسنوں میں نہایت ممتاز ہے اور اردو زبان کا مؤرخ ان کا ذکر بغیر احسان مندی اور شکر گزاری کے نہیں کر سکتا۔ انھوں نے نہ صرف زبان اور قواعد زبان اور لغت پر اعلیٰ درجے کی کتابیں لکھیں، بلکہ چند خاص اہل زبان حضرات کو جمع کر کے ان سے ایسی کتابیں لکھوائیں جن میں سے بعض ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ ڈاکٹر صاحب نے اردو کی خدمت کا کام سنہ ۱۷۸۷ء میں شروع کیا اور فورٹ ولیم کالج اُردو زبان کی تالیف و تصنیف کا مرکز انیسویں صدی کے ابتدائی دس سال تک رہا۔ اگرچہ اصل مقصد اس کا یہ تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی میں جو انگریز ملازم ہو کر آتے تھے ان کو اردو سکھانے کے لئے مناسب کتابیں

---

[1] دیکھو لنگوسٹک سروے آف انڈیا جلد ۹

لکھوائی جائیں تاکہ وہ آسانی سے اس ملک کی زبان کو جو ہر جگہ بولی یا سمجھی جاتی ہے سیکھ سکیں۔ لیکن اس پردے میں بعض بے مثل کتابیں لکھی گئیں اور آئندہ اس ڈھنگ کی تالیف کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ خود گلکرسٹ صاحب نے متعدد کتابیں اردو زبان میں اور اس کی لغت اور قواعد پر لکھی ہیں۔ ان کی کتاب قواعد اردو سنہ ۱۸۰۹ء میں چھپ کر شائع ہوئی۔ اگرچہ ان کی دو ایک کتابیں جو اس سے چند سال قبل طبع ہوئی تھیں ان میں بھی اردو زبان کے قواعد کا کچھ کچھ حصہ شریک تھا۔

مسٹر جان شیکسپیر کی اردو گریمر لندن میں اوّل اوّل سنہ ۱۸۱۲ء میں شائع ہوئی۔ دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۸۱۸ء میں تیسرا سنہ ۱۸۲۶ء میں، چوتھا ایڈیشن جس میں دکنی زبان کی مختصر سی گریمر بھی اضافہ کی ہے سنہ ۱۸۴۳ء میں اور اس کے بعد ایک ایڈیشن سنہ ۱۸۵۵ء میں شائع ہوا۔

سنہ ۱۸۲۰ء میں اردو رسالہ گلگرسٹ کے نام سے ایک کتاب کلکتے میں شائع ہوئی اور اس کے کئی ایڈیشن سنہ ۱۸۳۱ء سنہ ۱۸۴۶ء میں کلکتے میں اور سنہ ۱۸۴۸ء میں آگرے میں چھپے۔ یہ رسالہ دراصل گلگرسٹ کی گریمر کا ملخص ہے۔

ولیم ئیٹ نے ایک کتاب مقدمۂ زبان ہندوستانی کے نام سے تالیف کی جو تین حصوں پر منقسم تھی، یعنی گریمر، لغت اور اسباق زبان دانی۔ اوّل بار کلکتے میں سنہ ۱۸۲۷ء میں طبع ہوئی۔ دوسری بار سنہ ۱۸۲۴ء میں اور تیسری بار سنہ ۱۸۲۳ء میں چھپی۔

گلگرسٹ صاحب کے بعد اُردو کا دوسرا یوروپین محسن فرانسیسی عالم موسیو گارساں دتاسی تھا۔ اس نے اصول زبان ہندوستان پر ایک کتاب لکھی جو پیرس میں سنہ ۱۸۲۹ء میں طبع ہوئی اور صرف اردو قواعد اردو پر ایک بڑا مضمون

جنرل ایشیاٹک سوسائٹی بابت سنہ ۱۸۳۸ء میں لکھا۔ اس کے علاوہ موصوف نے "تاریخ شعرائے اردو" تین جلدوں میں لکھی جو بہت کارآمد کتاب ہے۔
ان کی تصنیف سے متعدد رسالے اردو زبان اور اردو مصنفین پر ہیں۔
ان کے سالانہ لکچر (اردو زبان کی سالانا ترقی واشاعت پر) بہت مفید معلومات سے مملو ہیں۔

مسٹر ایس ڈبلیو بری ٹن نے ہندوستانی زبان کے قواعد پر ایک کتاب تالیف کی جو لندن میں سنہ ۱۸۳۰ میں طبع ہوئی۔

اس کے ایک سال بعد یعنی سنہ ۱۸۳۱ء مسٹر سیٹفورڈ ارنا ٹ کی کتاب بنام "جدید خود آموز قواعد زبان ہندستانی" جو برٹش انڈیا کی نہایت کارآمد اور عام زبان ہے، شائع ہوئی، یہ کتاب فارسی اور رومن حروف میں ہے اور اس کے ساتھ بطور ضمیمے کے لغت مشقی اسباق زبان دانی بھی اضافہ کئے گئے ہیں۔ لندن میں اول بار سنہ ۱۸۳۱ء میں اور دوسری بار سنہ ۱۸۴۴ء میں طبع ہوئی۔

سنہ ۱۸۴۲ء میں ایک کتاب انگریزی اور ہندستانی افعال بے قاعدہ پر اور مقدمہ قواعد ہندستانی برائے افادہ طلبہ مدراس میں طبع ہوئی۔ مولف کا نام تحریر نہیں ہے۔

ہندستانی زبان کے قواعد مشرقی اور رومن حروف میں مع آسان انتخابات بغرض تحصیل زبان دانی، فارسی، عربی اور دیوناگری حروف میں مولفہ ایس ارناٹ بہ اضافہ فرہنگ وحواشی از مسٹر ڈن کن فاربس مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۴۴ء

اسی سال مسٹر جیمس آر بالن ٹائن کی گرامر لندن میں طبع ہوئی اور غالباً

یہی کتاب بعد ترمیم اضافہ سنہ ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی۔

سنہ ۱۸۴۷ء میں ہندستانی زبان کی ایک گریمر لندن میں طبع ہوئی اس کے مؤلف ریورنڈ جی اسمال تھے۔ اس میں کچھ انتخابات اردو ادب کے بھی شریک ہیں۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۵۸ء میں شائع ہوا۔

جرمنی کے ایک عالم جے دت لوپر اختو نے بھی ہندستانی زبان کے قواعد پر ایک کتاب لکھی تھی جو برلن میں سنہ ۱۸۵۲ء میں طبع ہوئی۔

سر مونیرہ لیمس نے سنسکرت اور اردو زبان کی جو خدمت کی ہے وہ محتاج تعریف نہیں۔ ایک زمانہ اس سے واقف ہے۔ صاحب موصوف نے ہندستانی زبان کی ابتدائی کتاب لکھی اور اس میں علاوہ روزمرہ کے استعمال کے الفاظ و محاورات و قصص کے مبتدیوں کے لیے صرف و نحو کے قواعد بھی درج کئے۔ اس کے سوا ہندستانی گریمر مؤلفہ کاٹن ماتھر مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۶۲ء کو مرتب کیا جو ۱۸۷۶ء میں شائع ہوئی۔

سنہ ۱۸۷۲ء میں مسٹر جان ڈوسن نے اردو زبان کی ایک گریمر تالیف کی۔

مسٹر جان پلیٹ کی قواعد اردو لندن میں سنہ ۱۸۷۴ء میں طبع ہوئی۔ یہ کتاب درحقیقت اچھی لکھی گئی ہے۔

کسی یورپین صاحب نے دکنی گریمر پر ایک رسالہ لکھا تھا لیکن اس پر مولف کا نام نہیں۔ یہ رسالہ سنہ ۱۸۷۸ء میں ستارے میں طبع ہوا۔

پامر صاحب کی ہندستانی فارسی و عربی گریمر ۱۸۸۲ء میں بمقام لندن طبع ہوئی۔

سنہ ۱۸۸۲ء و سنہ ۱۸۸۳ء میں مسٹر ڈبلیو کیگر نے زبان ہندستان کی گریمر

لکھی۔ ان صاحب کا تعلق مدراس سے معلوم ہوتا ہے۔

سنہ ۱۸۸۳ء میں پروفیسر فان کیوپ نے ہندوستانی زبان کے قواعد مرتب کئے۔ یہ کتاب نیپلز میں طبع ہوئی۔

اسی سال مسٹر جے ڈن سن نے بھی اردو گرامر تالیف کی۔

جرمن عالم اے سی ڈل نے ایک کتاب اردو زبان کے قواعد پر تالیف کی جس کا نام اس نے ہندوستانی گرامر قیاسی و عملی رکھا۔ یہ کتاب سنہ ۱۸۹۳ء میں بمقام لپ زک طبع ہوئی۔ سنہ ۱۸۹۴ء میں شلز کی گرامر پھر لپ زک میں طبع ہوئی۔

یہ فہرست صرف اردو صرف و نحو کی ایسی کتابوں کی ہے جو اہل یورپ نے تالیف کی ہیں۔ لغت و ادب وغیرہ پر جو کتابیں ان لوگوں نے لکھی ہیں ان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہاں ان کا ذکر خارج از بحث ہے۔ اس سے میرے اس بیان کی تصدیق ہوگی کہ اردو زبان کی صرف و نحو پر پہلے پہل غیروں نے توجہ کی۔

اہل ہند میں سب سے اوّل اس مضمون پر اُردو کے مشہور شاعر میر انشاء اللہ خاں انشاء دہلوی نے قلم اُٹھایا۔ ان کی کتاب دریائے لطافت (سنہ ۱۲۲۲ ہجری سنہ ۱۸۰۲) بعہد نواب سعادت علی خان بہادر لکھی گئی۔ اس میں علاوہ قواعد صرف و نحو کے عورتوں کے محاورات، مختلف قوموں کی بولیاں اور گفتگوئیں اور طرح طرح کی نظم و نثر بھی شریک ہے۔ بعض محاورات و الفاظ کی تحقیق بھی خوب کی ہے۔ باوجودیکہ اس کتاب کو تالیف ہوئے مدت گزر چکی ہے لیکن اس وقت بھی وہ بے مثل اور قابل قدر کتاب ہے اور اردو زبان کے ادب میں ہمیشہ وقعت کی نظر سے دیکھی جائے گی۔ یہ کتاب اول اول مرشدآباد

میں سنہ ۱۸۴۸ء میں طبع ہوئی۔

غالباً ناظرینِ کتاب کو یہ پڑھ کر حیرت ہوگی کہ سر سید احمد خاں مرحوم نے بھی اردو صرف و نحو پر ایک رسالہ تالیف کیا تھا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کی حالی لائبریری میں موجود ہے۔ کاتب نے کتاب کے آخر میں ۱۲۵۶ھ ہجری مطابق سنہ ۱۸۴۰ء تحریر کیا ہے۔ اگرچہ یہ سنہ کتابت ہے لیکن سن تالیف بھی اسی کے لگ بھگ ہوگا۔ اس میں صرف و نحو کے معمولی قواعد ہیں۔ زیادہ تر مصادر سے بحث کی گئی ہے۔ اگرچہ یہ کتاب کچھ ایسی قابلِ لحاظ نہیں لیکن اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مرحوم کو اردو زبان سے کس قدر دلچسپی تھی۔

اس کے بعد مولوی احمد علی دہلوی نے ایک ابتدائی رسالہ صرف و نحو اُردو پر لکھا جو دہلی میں سنہ ۱۸۴۵ء میں طبع ہوا۔ اس کتاب کا نام "فیض کا چشمہ" ہے۔ غالباً یہ تاریخی نام ہے اور اس سے سنہ تالیف سنہ ۱۲۵۹ ہجری نکلتا ہے۔

مولوی امام بخش صاحب صہبائی دہلوی فارسی کے مشہور منشی اور ادیب گزرے ہیں اور دہلی کالج میں پروفیسر بھی تھے انھوں نے بھی اُردو صرف و نحو پر ایک کتاب تالیف کی تھی جو دہلی میں سنہ ۱۸۴۹ء میں طبع ہوئی۔ یہ کتاب بھی اچھی ہے۔ اس کے آخر میں بہ ترتیب حروف ابجد اردو کے محاورات اور کہیں کہیں ضرب الامثال بھی درج ہیں۔

ان کے علاوہ بھی اسی زمانہ میں دو ایک کتابیں اور لکھی گئیں۔ مثلاً ایک صاحب مرزا محمد صالح نے ایک گرامر ہندستانی، فارسی اور عربی زبان کی لکھی اور اس میں فارسی گفتگو کا بھی ایک حصہ اضافہ کیا اور

ایک یورپین صاحب نے اس کا انگریزی ترجمہ بھی کیا جو اصل کے ساتھ تھا، یہ کتاب بمقام لندن سنہ ۱۸۲۳ء میں طبع ہوئی یا ایک دوسری کتاب بمبئی کے محمد ابراہیم صاحب مقبہ نے تحفہ الفنسٹن کے نام سے تالیف کی جو بمبئی میں سنہ ۱۸۲۳ء میں طبع ہوکر شائع ہوئی۔ یہ کتاب الفنسٹن صاحب گورنر بمبئی کے نام سے موسوم کی گئی تھی لیکن یہ کتابیں کچھ زیادہ قابل لحاظ و قابلِ ذکر نہیں ہیں۔

زمانۂ حال میں متعدد کتابیں اس مبحث پر مدارس کے طلبہ وغیرہ کے لئے پنجاب و ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں تالیف ہوئی ہیں جن میں کم و بیش عربی صرف و نحو کا تتبع کیا گیا ہے۔ البتہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے جو دو مختصر رسالے طلبائے مدارس کے لئے لکھے ہیں، ان میں انھوں نے تقلید سے الگ ہو کر جدت سے کام لیا ہے لیکن یہ رسالے بہت مختصر ہیں اور صرف ابتدائی مدارس کے طالب علموں کے لئے کار آمد ہو سکتے ہیں۔

میں اس سے قبل اس امر کا اعتراف کر چکا ہوں کہ ایک زندہ زبان کے لئے قواعد کی چنداں ضرورت نہیں اور میں نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ عموماً و اکثر کسی زبان کی صرف و نحو اس وقت لکھی گئی جبکہ کسی غیر قوم کو اس زبان کی تحقیق یا اس کے سیکھنے کی ضرورت واقع ہوئی اور صرف و نحو کی ابتدا یا اس کے متعلق جد و جہد ہمیشہ غیر قوم والوں کی طرف سے ہوئی کیونکہ اہلِ زبان اس سے مستغنی ہوتے ہیں۔ یہی حال اردو زبان کا ہوا۔ اس کی صرف و نحو اور لغت کی طرف اول اول اہل یورپ نے بہ ضرورت توجہ کی۔ اس کے بعد جب اہل ملک نے یہ دیکھا کہ ان لوگوں کو اردو پڑھنے کا شوق ہے تو ان کی دیکھا دیکھی یا ان کے فائدے کی غرض سے خود بھی کتابیں لکھنی شروع

کیں۔ بعد ازاں جب یہ زبان مدارس میں بھی پڑھائی جانے لگی تو صرف طلباء کے لئے لکھی جانے لگیں۔ چناں چہ آج کل جس قدر کتابیں لکھی گئیں ان کی اصل غرض یہی تھی لیکن سوائے اس کے اب ایک ضرورت اور داعی ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ اردو زبان اب ملک کی عام اور مقبول زبان ہو گئی ہے اور ملک میں اکثر جگہ بولی جاتی ہے اور ہر جگہ سمجھی جاتی ہے۔ ملک کی دوسری زبانیں خاص خاص خطوں میں محدود اور مخصوص ہیں۔ نیز اس زبان کو کچھ ایسے مقامات کے لوگ بھی پڑھتے اور سیکھتے ہیں جن کی یہ مادری زبان نہیں اس لئے یہ ضرورت واقع ہوئی کہ اس زبان کے قواعد منضبط کئے جائیں اور مستند کتابیں لغت پر لکھی جائیں تاکہ زبان بگڑنے سے محفوظ رہے۔ میں نے اس خیال کو مدِ نظر رکھا ہے اور صرف طلبائے مدارس کی ضروریات کا لحاظ نہیں کیا ہے بلکہ زیادہ تر یہ کتاب ان حضرات کے لئے ہے جو زبان کو نظرِ تحقیق سے دیکھنا چاہتے ہیں۔

ہمارے ہاں اب تک جو کتابیں قواعد کی رائج ہیں ان میں عربی صرف و نحو کا تتبع کیا گیا ہے۔ اردو خالص ہندی زبان ہے اور اس کا شمول آریاوی السنہ میں ہے، بخلاف اس کے عربی زبان کا تعلق سامی السنہ سے ہے۔ لہٰذا عربی زبان کی صرف و نحو لکھنے میں عربی زبان کا تتبع کسی طرح جائز نہیں۔ دونوں زبانوں کی خصوصیات بالکل الگ ہیں جو غور کرنے سے صاف معلوم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگرچہ اردو ہندی نژاد ہے اور اس کی بنیاد قدیم ملکی زبان پر ہے، افعال جو زبان کا بہت بڑا جز ہیں۔ نیز ضمائر اور اکثر حروف سب کے سب ہندی ہیں، صرف اسما، و صفات عربی فارسی کے داخل ہو گئے ہیں، اور چند گنتی کے مصادر جو عربی فارسی الفاظ سے بن گئے ہیں، ۔ مثلاً بخشنا، بدلنا،

قبولنا، تجویز نا وغیرہ کسی شمار میں نہیں بلکہ بعض ثقات بزعم خود انفیس فصیح بھی نہیں خیال کرتے ۔ تاہم اردو زبان کی صرف ونحو میں سنسکرت کے قواعد کا تتبع بھی نہیں کیا جا سکتا ۔ اس کے متعلق چند موٹی موٹی باتیں یہاں لکھی جاتی ہیں ۔

(۱) ہر اسم کے سنسکرت میں تین حصے کئے گئے ہیں ۔ مادہ، حرف بعد مادہ اور حرف آخر ۔ موجودہ ہندی یا اردو میں حرف آخر اڑ گیا ہے ۔

(۲) سنسکرت میں اسم کی مختلف حالتیں (فاعلی، مفعولی، اضافی وغیرہ) صرف حرف آخر کے تغیر سے بنتی ہیں جو اکثر قدیم زبانوں میں پایا جاتا ہے اور ہندی یا اردو میں الگ حروف بڑھانے سے بنتی ہیں ۔ اور تمام جدید زبانوں کا میلان اسی طرف ہے ۔

(۳) سنسکرت اور پراکرت میں جنس کی تعداد تین ہے یعنی نر، مادہ اور بے جان ۔ موجودہ ہندی یا اردو میں صرف دو ہیں ۔

(۴) سنسکرت کا فعل بہت دقیق اور پیچیدہ ہے اور ایک زمانے سے اس میں اصلاح ہوتے ہوتے موجودہ ہندی بن کر صاف اور سادہ ہوا ہے تثنیہ کا صیغہ سنسکرت میں ہے، ہندی میں نہیں ۔

ہندی میں ہر فعل کی چھ صورتیں، تیرہ شقیں اور نو جنسی حالتیں ہیں یعنی کل صیغے سات سو دو ہوتے ہیں اور یہ سب ایک ہی لفظ کے ہیر پھیر سے بنتے ہیں ۔ موجودہ زبان میں یہ بھی آسانی ہے کہ اکثر افعال امدادی افعال کی اعانت سے بنائے جاتے ہیں اور بہت سے مصادر فارسی اور عربی اسما وصفات کے آگے ہندی مصادر مثلاً دینا، کرنا وغیرہ بڑھا کر بنائے جاتے ہیں ۔

ایسی صورت میں اردو کی صرف ونحو میں عربی یا سنسکرت کا تتبع کرنا

اُلٹی گنگا بہانا ہے۔ البتہ اصطلاحات عربی سے لی گئی ہیں کیونکہ وہ زمانۂ دراز سے رائج ہیں۔ اور اس لئے اس سے گریز نہیں۔ اردو زبان میں تقریباً کل علمی اصطلاحات عربی سے لی گئی ہیں جیسے انگریزی زبان میں لاطینی اور یونانی سے تاہم یہ خیال رکھا گیا ہے کہ ثقیل اور طویل اصطلاحات نہ آنے پائیں۔

میں اس موقع پر اردو ہندی کے جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتا کیونکہ یہ بحث میرے خیال میں بالکل بے سُود ہے۔ اول تو اس لئے کہ صرف و نحو میں اس بحث کا کوئی موقع نہیں خصوصاً اس خیال سے کہ اس امر میں تقریباً دونوں ایک ہیں اور سوائے بعض جزوی اختلافات کے کوئی زیادہ فرق نہیں۔ دوسرے جو شخص اس ملک کی مختلف زبانوں کی تاریخ کو غور سے دیکھے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ فریقین نے محض سخن پروری اور ہٹ دھرمی سے کام لیا ہے۔ دراصل جھگڑے کی کوئی بات نہیں، قدرتی اثرات اور رجحانات کا روکنا اپنے ہاتھوں سے اپنی ترقی کو روکنا ہے۔

بات یہ ہے کہ جب آریا لوگ اس ملک میں داخل ہوئے تو انھوں نے یہاں ایک دوسری قوم کو آباد دیکھا، جن کی زبان ان کی زبان سے بالکل مختلف تھی۔ ملک کی اصل قوم ان قوی آریاؤں کے حملوں کی تاب نہ لا سکی اس لئے کچھ تو ان میں سے شمالی پہاڑوں میں پناہ گزین ہوئے اور بہت سے جنوبی اور وسطی ہند کے پہاڑوں اور جنگلوں میں جا بسے لیکن پھر بھی بہت سے ایسے تھے جنھیں اپنے عزیز وطن کی جدائی گوارا نہ تھی۔ اگرچہ وطن دوسروں کے ہاتھوں میں تھا اور اس لئے نئے حملہ آوروں کی غلامی میں بسر کرنے لگے ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ مغلوب دیا ئمال کی زبان کیا باقی رہ سکتی ہے

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ان کی زبان نے آریاؤں کی زبان یعنی سنسکرت پر کچھ نہ کچھ اثر ضرور کیا اور اس لئے یہ کہنا غلطی نہ ہوگا کہ قدیم ہندی بولیاں جو پراکرت (یعنی عوام کی بولی) کے نام سے مشہور ہیں اس اثر کا نتیجہ تھیں اور انھیں پراکرت بولیوں سے ہندوستان کی موجودہ آریاوی زبانیں پیدا ہوئیں۔ ان کا تعلق سنسکرت سے ایسا ہی ہے جیسے یورپ کی موجودہ رومانی السنہ کو لاطینی سے، ان زبانوں کی تعداد عموماً سات شمار کی جاتی ہے، یعنی پنجابی سندھی گجراتی، مرہٹی، ہندی، اڑیا اور بنگالی

ان سب میں ہندی بلحاظ قدامت واہمیت کے سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے لیکن ابتدا ہی سے اس پر غیروں کی نظریں پڑنی شروع ہوئیں۔ مسلمان جو شمال کی طرف سے اس ملک میں آنے شروع ہوئے اس کو اپنی زبان سے متاثر کئے بغیر نہ رہ سکے اور جو اثر بارہویں صدی سے پڑنا شروع ہوا انقلاب وہ آخر ایک نئی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ اور یہی اردو (لشکری زبان) کی اصل ہے۔ یہ دراصل کسی پراکرت یا ہندی کی بگڑی ہوئی صورت نہیں بلکہ ہندی کی آخری اور شائستہ صورت ہے۔ اور اس وقت ہندوستان کی عام ملکی زبان مانی جاتی ہے۔ یہ نہ کسی خاص شخص یا فریق کی ایجاد ہے اور نہ کسی خاص مصلحت اور منشا سے بنائی گئی ہے بلکہ جس طرح اس ملک کی معاشرت و سیاست میں وقتاً فوقتاً مختلف قدرتی اسباب سے تغیرات پیدا ہوئے اور آج انھیں اثرات کی وجہ سے جدید حالت نظر آتی ہے۔ اسی طرح زبان میں بھی قدرتی اثرات اور رجحانات اور مختلف واقعات سے تغیرات ظہور میں آئے، اور اس وقت جو ہم خاص مصلحت کی وجہ سے پرانی سے کو نئی سمجھ کے چوکے ہوئے ہیں صرف ایک دھوکا ہے اب اتنی مدت کے بعد ان باتوں پر جھگڑا کرنا گویا

صدیوں کے واقعات کو جھٹلانا اور قدرتی اثرات اور رجحانات کو الٹالے جانا ہے۔ دنیا میں کوئی چیز ایک حالت پر نہیں رہتی۔ اور جب ہم ہی ایک حالت پر نہ رہے تو ہماری زبان کیوں رہنے لگی۔ اور کچھ نہیں تو اگر صرف اس زبان کے الفاظ ہی کو سرسری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی کتنی قوموں نے بغیر کسی خاص ارادے کے محض قدرتی اثرات کی وجہ سے اس کے بنانے میں حصہ لیا ہے تو کیا ایک ایسی یادگار کو بگاڑنے کی کوشش کرنا ایک نہایت دردناک فعل نہ ہوگا؟ خصوصاً ایسے عہد میں جب کہ زمانۂ قدیم کے ایک ایک پتھر اور اینٹ کو سینت سینت کے رکھا جاتا ہے۔

اس نہایت مختصر ذکر سے میرا مقصد یہ تھا کہ اردو کی صرف ونحو کو سنسکرت زبان کے قواعد سے اسی قدر مغائرت ہے جتنی عربی زبان کی صرف ونحو سے میرا خیال یہ ہے کہ کسی زبان کے قواعد لکھتے وقت اس کی خصوصیات کو کبھی نظرانداز نہ کیا جائے اور محض کسی زبان کی تقلید میں اس پر زبردستی قواعد اور اصول کے نام سے ایسا بوجھ نہ ڈال دیا جائے جس کی وہ متحمل نہ ہو سکے۔ میں نے حتی الامکان اسی اصول کو مدِّ نظر رکھا ہے اور اس امر کی کوشش کی ہے کہ جدھر زبان کا رجحان ہے ادھر اس کا ساتھ دیا جائے لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی ہے۔ بہرحال مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور اس کے ساتھ ہی مجھے اس کا بھی یقین ہے کہ کتاب اسقام سے خالی نہیں اور اس لئے میں ہر ایک مشورے اور اختلاف کو نہایت شکر و احسان کے ساتھ سننے اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کرنے کے لئے تیار ہوں۔

عبدالحق

قواعد اردو

زبان کیا ہے ؟ زبان بھی ایک اِنسانی عمل یا سعی ہے۔ اس کے دو رُخ ہیں ایک طرف تو یہ عمل اس شخص کی طرف سے ہے جو اپنے دل کی بات دوسرے کو سمجھانا چاہتا ہے۔ دوسری طرف اس شخص کی جانب سے ہے جو دوسرے کے دل کی بات سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ دو شخص ہیں جن ایک بولنے والا دوسرا سننے والا۔ اگر ہم زبان کی فطرت یا زبان کے اس حِصّے کو صحیح طور پر سمجھنا چاہتے ہیں جس کا بیان زبان کے قواعد میں ہوتا ہے تو ہمیں یہ دو شخص اور ان کا باہمی تعلق پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔

ہم نے جو دو شخصوں یعنے قائل (بولنے والے) اور سامع (سننے والا) کا ذکر کیا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ زبان کی ابتدائی صورت یہ ہے کہ وہ بات چیت جو بولنے اور سننے میں آتی ہے۔ اس کے بعد دوسرا درمیان شکلوں کا ہے جو تحریر میں اور پڑھنے میں آتی ہیں۔ جو بول سننے اور بولنے میں آتے ہیں اُن کو اُن اشکال پر جو لکھنے اور پڑھنے میں استعمال ہوتی ہیں تقدیم اور فوقیت حاصل ہے کیوں کہ تحریر کا فن صدہا بلکہ ہزارہا سال کے بعد ایجاد ہوا ہے۔ ایجاد کے بعد بھی زمانہ دراز تک تحریر خاص طبقے میں محدود رہی اور اب بھی جبکہ دنیا میں روزانہ بے شمار کتابیں، اخبار اور رسالے شائع ہوتے ہیں۔ لکھنے والوں کے مقابلے میں بولنے والوں کی تعداد کہیں

زیادہ ہے۔ اگر ہم اپنے خیال میں سب سے مقدم بولنے اور سننے کے عمل کو نہیں رکھیں گے اور اس حقیقت کو بھلا دیں گے کہ تحریر تقریر کی قائم مقام ہے تو ہم اس امر کے سمجھنے کے اہل نہیں ہو سکتے کہ زبان کیا ہے اور اس کی نشوونما کیوں کر ہوئی۔ تحریری لفظ جامد اور بے حس ہیں اور جب تک کوئی ان میں اپنے دماغی عمل سے رُوح نہ پھونکے یہ مُردہ رہیں گے۔

تحریر میں لفظ ایک ہی صورت اور ایک ہی حالت میں رہتا ہے لیکن بول چال میں لہجے اور موقع کے لحاظ سے ایک لفظ کی کئی کئی صورتیں ہو جاتی ہیں۔ مثلاً "یہ" کا لفظ ہے۔ یہ لکھنے میں ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا اور ایک ہی لفظ ہے لیکن بولنے میں لہجے اور موقع کی مناسبت سے دو لفظ ہیں جیسے ان دو جملوں میں: "یہ کون شخص ہے؟" "اُس کی میز کے نیچے سے یہ بڑا سانپ نکلا!"

اس لئے زندہ زبان کے قواعد نویس کو سب سے اول بول چال کا خیال رکھنا چاہیئے اور اُسی سے قاعدے بنانے چاہئیں۔ قواعد میں اوّل درجہ آواز کا ہے اور اس کے بعد حروف کا۔ پہلے بول چال ہے اور بعد تحریر۔ اس اصول کے لحاظ سے ہمیں قواعد بول چال کے کم سے کم جز یعنی جملے سے شروع کرنی چاہیئے۔ کیوں کہ اسی سے ایک شخص دوسرے شخص کے دل کی بات سمجھتا ہے کوئی شخص کتنی ہی کم سے کم بھی بات کرنا چاہے تو بھی وہ جملے سے کم نہ ہوگی۔ یعنی اتنی بات کہ جس سے دوسرا آدمی اس کا مطلب سمجھ جائے۔ جملے سے الگ خالی لفظ کوئی خاص معنے نہیں رکھتا۔ اس کا صحیح مفہوم اُسی وقت معلوم ہوگا جب وہ کسی بات (یا جملے) میں آئے گا۔ ورنہ ایک لفظ کئی معنوں کے لئے آسکتا ہے لیکن قواعد نویسوں نے آسانی کے خیال سے جملے کے ٹکڑے

کر لیے ہیں۔ پہلے ان سے بحث کرتے ہیں بعد جملوں سے، اس کے انھوں نے تین حصے کئے ہیں۔

پہلا حصّہ:۔ سادہ آوازیں اور ان کی تحریری نقل یا علامتیں، جن کا نام ہجا ہے۔

دوسرا حصّہ:۔ ایک سے زیادہ ملی ہوئی آوازیں جن کی تحریری علامتیں الفاظ کہلاتی ہیں۔ اُن کی تقسیم اور ایک دوسرے کے ساتھ آنے سے جو ان میں تغیّر و تبدل ہوتا ہے یا ان میں کچھ اضافے سے جو نئی صورت پیدا ہوتی ہے یعنی الفاظ کی تقسیم گردان اور اشتقاق سے بحث ہوتی ہے۔ اس کا نام صرف ہے۔

تیسرا حصّہ:۔ بات چیت یا جملے میں لفظوں کا ایک دوسرے سے اور جملوں کا باہمی تعلق۔ اسے نحو کہتے ہیں۔

جس طرح ہر شے کا ظاہر اور باطن ہوتا ہے اسی طرح الفاظ کا بھی ظاہر باطن ہوتا ہے۔ ظاہر وہ ہے جس کا تعلق صرف سے ہے یعنی اس میں صرف صورت کی تبدیلی وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے اور لفظ کا باطن اس کا مفہوم اور معنے ہیں۔ اس کی بحث نحو میں ہوتی ہے۔ اس میں زیادہ تر بحث لفظ کے باطن یعنے اس کے معنی کے لحاظ سے کی جاتی ہے۔

فصل اوّل

ہجا

سادہ آوازوں کو تحریری علامات میں لانے کا نام حرف ہے۔
ہجا میں حرف کی آواز اور ان کی حرکات و سکنات سے بحث کی جاتی ہے۔ حروف کے مجموعہ کو ابجد کہتے ہیں۔
(ابجد کا لفظ ابتدائی حروف ا ب ج د سے بنا ہے)
چونکہ اُردو زبان ہندی فارسی اور عربی سے مل کر بنی ہے۔ لہٰذا اس میں ان سب زبانوں کے حروف موجود ہیں۔
خاص عربی حروف یہ ہیں۔
ث، ح، ذ، ص، ض، ط، ظ، ع، ق۔
یہ حروف قدیم فارسی اور ہندی یا سنسکرت میں نہیں پائے جاتے لیکن ذ قدیم فارسی میں بھی پائی جاتی ہے اور اب بھی بعض فارسی الفاظ ذ سے لکھے جاتے ہیں۔
ٹ، ڈ، ڑ خالص ہندی ہیں۔ عربی فارسی میں نہیں آتے۔
ز، ف، خ، غ کی آوازیں ہندی میں نہیں۔ عربی فارسی دونوں میں ہیں۔

ژ خاص فارسی حرف ہے۔ ہندی عربی میں نہیں آتا۔

علاوہ ان تین حرف (ٹ، ڈ، ڑ) کے چند اور حرف بھی ہیں جو خاص ہندی ہیں۔ اور عربی فارسی میں نہیں آتے۔ اب تک اُردو میں یہ سادہ حروف نہیں سمجھے جاتے تھے بلکہ ان میں کا ہر حرف دو حرفوں کے میل سے ایک مرکب آواز خیال کی جاتی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدا میں ہم نے اپنی بول چال فارسی حروف میں لکھنی شروع کی، فارسی عربی میں یہ آوازیں نہیں اور نہ ان کے لئے حروف ہیں، ضرورت کے لئے ان آوازوں کو دو دو حرفوں کے ذریعہ سے ظاہر کرنا پڑا۔ یوں تو یہ دو سادہ آوازیں ہیں مگر مل کر ایک ہو گئی ہیں۔ وہ حروف یہ ہیں۔

بھ، پھ، تھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، ڑھ، کھ، گھ۔

ان کے علاوہ اردو میں رھ، لھ، مھ، نھ کی آوازیں بھی ہیں۔ ہندی میں ان آوازوں کے لئے کوئی حروف نہیں۔ مثالیں ان کی یہ ہیں۔ تیرھواں کولھو، ملھو، نمھارا:۔ ننھا۔ چونکہ ان حروف میں پہلی سادہ آواز (ہ) کی آواز کے ساتھ مل کر آتی ہے۔ اس لئے معمولی ہ سے امتیاز کرنے کے لئے دوچشمی ھ سے لکھتے ہیں۔ مثلاً کھا اور کہا دو علاحدہ لفظ ہیں۔ تلفظ میں بھی اور معنوں میں بھی۔ لہٰذا املا میں بھی فرق کرنا چاہیئے۔ یہ امتیاز بہت ضروری ہے۔ اس حساب سے اردو زبان میں کل حروف تہجی پچاس ہوتے ہیں۔

یہ حرف جو ہر ملک کے ساتھ مخصوص کئے گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آوازیں آب و ہوا وغیرہ کے اثر سے اس ملک والوں کے گلوں سے بہ آسانی نکلتی ہیں مگر دوسرے ممالک کے لوگ اسی وجہ سے ان کو ادا نہیں کر سکتے یا بدقت ادا کرتے ہیں۔ انسان کا گلا آلۂ موسیقی کے اصول پر بنا ہوا ہے

اور اسی طور پر اس میں تار بھی بندھے ہوئے ہیں۔ سانس کے ہوا میں ملنے سے زبان، تالو، ہونٹ، دانت اور خلائے دہن کی مدد سے آوازیں مختلف قسم کی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اُردو، فارسی، عربی، حروف پر اگر نظر ڈالی جائے تو گو وہ دیکھنے میں مختلف آوازوں کی علامتیں ہیں لیکن ان حرفوں کے ناموں سے کوئی سادہ آواز پیدا نہیں ہوتی بلکہ وہ خاصے الفاظ ہیں۔ مثلاً الف عین ج وغیرہ حروف نہیں بلکہ پورے لفظ ہیں۔ ان سے سادہ آوازوں کا کچھ بھی خیال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک ایک حرف کئی کئی آوازں سے مرکب ہے۔ اس کی وجہ بلاشبہ یہ ہے کہ یہ اُس زمانے کی یادگار ہیں جب کہ اس قسم کی تحریر ایجاد نہیں ہوئی تھی جو ہم آج کل استعمال کرتے ہیں بلکہ لوگ اپنے خیالات تصویریں بنا بنا کر ظاہر کرتے تھے۔ اوّل اوّل تو جس شے کا بیان کرنا مقصود ہوتا تھا۔ اس کی پوری تصویر بنا دیتے تھے۔ مثلاً گائے یا عورت کا بتانا مقصود ہے تو وہ گائے یا عورت کی تصویر کھینچ دیتے تھے۔

دوسرے دور میں یہ اصلاح ہوئی کہ شے سے اس کا فعل ظاہر کرنے لگے۔ آنکھ سے نظر یا دو ٹانگوں سے رفتار مراد لینے لگے۔

تیسرے دور میں یہ ہوا کہ شے سے اس کی ممتاز خصائص یا ظاہری علامت سے اصل شے مراد لی جانے لگی۔ مثلاً لومڑی کی تصویر سے مکاری یا تخت سے سلطنت مقصود ہوتی تھی۔

چوتھے دور میں ایک شے کے اظہار میں یہ ترکیب کرنے لگے کہ اس شے کے بولنے میں جو آوازیں پیدا ہوتی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک سے جو مفہوم پیدا ہوتا اس کی ایک ایک تصویر بنا دیتے تھے۔ مثال کے لئے فرض کیجئے

کہ تحریر میں کرنال ظاہر کرنا مقصود ہے تو پہلے ہاتھ کی تصویر بنائیں گے کیونکہ کر کے معنے ہاتھ کے ہیں، اس کے بعد نال کی۔

بعد ازاں یہ ہوا کہ یہی تصویریں مختلف اصوات کی قائم مقام ہو گئیں اور انھیں تصویروں کی یادگار یہ حرف ہیں جو اب بھی کسی قدر ان سے مشابہ ہیں۔ مثلاً الف کے معنی بیل کے سر کے ہیں۔ چونکہ ا کی آواز اس لفظ کے آغاز میں تھی تو اس آواز کے ظاہر کرنے کے لئے گائے کا سر بنا دیتے تھے (عربی الف کی تحریر میں اب بھی اصل سے خفیف سی مشابہت باقی ہے، بعد ازاں خود یہ لفظ بجائے الف کی پہلی آواز کے تحریر میں ایک حرف قرار پایا۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی، عربی، عبرانی زبانوں کے حروف درحقیقت الفاظ ہیں یا ہر حرف کئی آوازوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں دو اصلاحیں عمل میں آئیں۔ تصویر رفتہ رفتہ مختصر سی صورت میں رہ گئی۔ نام اس کا اگرچہ قریب قریب وہی رہا مگر وہ مختصر صورت اب نام کی بجائے نہیں بلکہ اس نام میں جو آواز پہلے نکلتی ہے۔ اس کی بجائے ہے مثلاً الف کو لیجئے۔ اس کی صورت گائے کا سر مختصر ہو کر (ا) رہ گئی ہے اور الف کے بولنے میں جو سب سے پہلے سادہ آواز نکلتی ہے اس جگہ استعمال ہوتی ہے۔

اسی طرح ب درحقیقت بیت ہے جس کی ابتدائی شکل ایک مستطیل مکان کی سی تھی اور اس کے نیچے نقطہ ایک شخص تھا جو مکان کے دروازے کے سامنے بیٹھا تھا۔ اب رفتہ رفتہ اس کی شکل ایک پڑی لکیر ہو گئی اور وہ آدمی نقطہ رہ گیا۔

ج جمل یعنی اونٹ ہے۔ اگر کوئی شخص اونٹ پر سوار ہو اور اس کی نکیل زور سے کھینچے تو اس کے سر اور گردن کی شکل بعینہ ج کی سی ہو جائیگی

پ (ف) عبرانی میں منہ کے معنی میں ہے۔
د (عبرانی دالت) دروازہ۔
ہ دریچہ۔
ع (عین) کے معنی آنکھ کے ہیں۔ چناں چہ (ع) کا سرا بالکل آنکھ کے مشابہ ہے۔
ن (نون) مچھلی۔ مشابہت ظاہر ہے۔
ک (کاف، ہتھیلی) اگر ہتھیلی پھیلائی جائے تو انگلیاں انگوٹھے کے ساتھ مل کر بالکل (ک) کی صورت بن جاتی ہیں۔
م (میم، پانی کی لہر) صورت سے ظاہر ہے۔
س۔ عبرانی میں دانت کو کہتے ہیں (س) کا دندانہ بالکل دانت کے مشابہ ہے۔
و (واؤ) کے معنی آنکڑے کے ہیں جس کی صورت و سے ملتی ہے۔

غرض اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ہمارے حروف دراصل الفاظ ہیں، جو دو یا دو سے زائد آوازوں سے مرکب ہیں اور ہر ایک بہ لحاظ اپنی اوّل سادہ آواز کے ایک علامت مقرر کر لیا گیا ہے۔ مثلاً الف میں تین آوازیں ا، ل، ف کی ہیں مگر اب اُس کے بولنے میں جو آواز پہلے نکلتی ہے اُس کی بجائے مقرر کر لیا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے حروف کے متعلق قیاس کر لیا جائے۔ ابتدا میں اس سادہ آواز کے لئے اس شے کی تصویر کھینچ دی جاتی تھی مگر اب ایک چھوٹی سی علامت جو کسی قدر اصل کے مشابہ ہے بجائے اس آواز کے مستعمل ہے اور نام اُن کے قریب قریب وہی ہیں جو اصل اشیاء کے تھے یہی وجہ ہے کہ ہمارے حروف تہجی بولنے میں درحقیقت الفاظ ہیں

اُردو حروف (تہجی) کل ملا کر پچاس ہیں اور ان میں ہر قسم کی آواز کے ادا کرنے کی گنجائش ہے اور اس خیال سے اردو ابجد کو دنیا کی بہت سی زبانوں پر ایک طرح کا تفوق حاصل ہے مگر دنیا کی کوئی ابجد کامل نہیں ہے۔ ایک نہ ایک نقص ضرور رہ جاتا ہے۔ یا تو کل سادہ آوازوں کے ادا کرنے لئے کافی حروف نہیں ہوتے یا ایک ہی آواز کے لئے کئی کئی حروف ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اردو زبان بھی اس سے خالی نہیں۔ چناں چہ یہ آخری نقص اردو زبان میں بھی پایا جاتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ اردو کو علاوہ فارسی ہندی کے عربی سے بھی تعلق ہے۔ اس لئے کثرت سے اس کے الفاظ زبان میں موجود ہیں اور اس کی وجہ سے لامحالہ اس کے تمام حروف بھی اُردو ابجد میں آ گئے، ورنہ عربی الفاظ کی صحت تحریر میں قائم نہ رہتی۔ چناں چہ ز، ذ، ض، ظ چار الگ حروف ہیں جن کی آواز قریب قریب یکساں معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح س، ث اور ص، ط اور ت، ہ اور ح ہا گو عرب کا باشندہ یا وہ شخص جو تلفظ کی صحت کا خاص طور پر خیال رکھتا ہے ان حروف کے تلفظ میں فرق کر سکے مگر ہر ایک کے لئے اس کا امتیاز دشوار ہے، اور بول چال میں عام طور پر ان حروف کے تلفظ میں کچھ زیادہ فرق نہیں پایا جاتا۔

اعراب (یا حرکات و سکنات)

سادہ آوازوں کو ہم بلا تکلف ہونٹ اور زبان کی امداد سے ملا کر مرکب کر لیتے ہیں اور اس طرح فراٹے سے باتیں کرتے چلے جاتے ہیں جیسے کسی نے کل کوک دی۔ زبان اور لب کی ذرا سی جنبش سے آواز کی مختلف صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ آواز کا پھیلنا، تند ہونا، بڑھنا، گھٹنا، گھومنا، گول ہو جانا سب اسی پر منحصر ہے۔ ان تمام آوازوں کو صفائی کے ساتھ تحریر میں لانا نہایت مشکل ہے۔ اگرچہ بہت کوشش کی گئی لیکن اب تک پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ بعض زبانوں مثلاً سنسکرت، انگریزی وغیرہ میں سادہ آوازوں کے مرکب کرنے کے لئے جو جنبش لب و زبان کو ہوتی ہے اس کے لئے بعض حروف مناسب قرار دیئے ہیں۔ اور جہاں دو یا دو سے زیادہ حروف کا ملانا منظور ہوتا ہے وہاں ان میں سے بہ لحاظ آواز کے ایک نہ ایک حرف ضرور آتا ہے۔ اس لئے اس قسم کی ہر زبان میں حرف کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ ایک وہ حروف جو دوسرے حروف کو ملا کر آواز قائم کرنے کے لئے آتے ہیں جنھیں عربی میں حروف علت کہتے ہیں اور دوسرے جو بغیر ان حروف کے آپس میں مل کر آواز پیدا نہیں کر سکتے۔ وہ حروف صحیح کہلاتے ہیں۔

اردو میں مثل عربی کے حروف علت دو قسم کے ہیں۔ ایک محض علامات (یا اعراب) دوسرے اصل حروف ا، و، ی اعرابی علامات بھی درحقیقت

انھیں حروف کی مختصر صورتیں ہیں۔

زبر (جسے عربی میں فتح کہتے ہیں، جس کے معنی کھلنے کے ہیں یعنی آواز کھل کر نکلتی ہے) زبر کے معنی اوپر کے ہیں۔ چوں کہ یہ علامت حروف کے اوپر آتی ہے اس لئے زبر کہتے ہیں۔ اس آواز کو لمبا کرنے سے زبر کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ الف کی خفیف آواز زبر ہے جیسے مرا اور مارہ۔

زیر (جسے عربی میں کسرہ کہتے ہیں، جس کے معنی توڑنے کے ہیں کیونکہ اس کے آنے سے آواز میں ایک قسم کی شکن پیدا ہوتی ہے) زیر کے معنے نیچے کے ہیں کیونکہ یہ حرف کے نیچے لگایا جاتا ہے۔ اس کی آواز خفیف ی کی سی ہوتی ہے لیکن ی کے ساتھ آنے میں دو قسم کی آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک زیادہ باریک اور طویل اور دوسری کسی قدر واضح اور کھلی ہوئی۔ جیسے بیر (پھل کا نام) اور بیر (بہادر) یہاں ی کی دو حالتیں ہیں۔ پہلی حالت میں یائے خفی (مجہول[1]) ہے اور دوسری حالت میں یائے جلی (معروف)۔ یائے معروف گول (ی) لکھی جاتی ہے اور یائے مجہول لمبی پڑی ہوئی (ے) یائے مجہول اور یائے معروف جب کسی لفظ کے بیچ میں آتی ہیں تو اُن کی صورت ایک سی ہوتی ہے۔ اس لئے امتیاز کے لئے یائے معروف کے نیچے زیر دے دیتے ہیں اور یائے مجہول خالی رہتی

---

[1] یائے مجہول اور واؤ مجہول کی آواز عربی میں نہیں آتی۔ اس لئے عربوں نے اس کا نام مجہول (یعنے نامعلوم) یا عجمی رکھا ہے لیکن اردو میں یہ آوازیں مجہول یا نامعلوم نہیں رہیں۔ اس لئے یہ نام موزوں نہیں معلوم ہوتے مگر اس قدر کثرت سے مستعمل اور مشہور رہیں کہ دوسرے نام اگر رکھے بھی جائیں تو ان کا رواج پانا مشکل ہے۔

ہے۔

پیش [1] (ُ) جسے عربی میں ضمہ کہتے ہیں۔ جس کے معنی ملانے کے ہیں۔ پیش کے معنی سامنے یا آگے کے ہیں۔ یہ حرف کے اوپر آتا ہے اور خفیف واؤ کی آواز دیتا ہے۔ ی کی طرح واؤ کی بھی دو آوازیں ہیں ایک پوری اور پوری اور بھری ہوئی اور دوسری کھلی اور ہلکی۔ پہلی کو واؤ معروف اور دوسری کو مجہول کہتے ہیں۔ جیسے دُور اور دَور۔ واؤ معروف پر الٹا پیش لکھتے ہیں اور واؤ مجہول خالی رہتی ہے۔

ا، و، ی حروف صحیح بھی ہوتے ہیں۔ الف جب لفظ کے شروع میں آتا ہے تو ہمیشہ حرف صحیح ہوتا ہے۔ واؤ جب لفظ کے شروع میں یا درمیان میں آئے اور متحرک ہو جیسے وعدہ ہوا تو حرف صحیح ہوگی۔ یے کی بھی یہی حالت ہے جیسے یقین کے شروع میں یا بستر کے درمیان میں یعنی جب اعراب کا اور آواز کے خفیف سے بڑھانے گھٹانے کا کام دیتے ہیں تو حروف علت ہوتے ہیں ورنہ معمولی حروف کی طرح حروف صحیح۔

یوں زبر الف کے ساتھ زیر (ی) کے ساتھ اور واؤ پیش کے ساتھ آتی ہے اور بہ لحاظ آواز کے ان کا جوڑ بھی ہے لیکن بعض اوقات ایسا نہیں ہوتا بلکہ مختلف حرکتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ مثلاً زبر اور واؤ ایک جگہ آجاتے ہیں جیسے قَوم میں ایسی حالت میں یہ مختلف حرکتیں ایک ہی آواز دیتی ہیں۔

---

[1] مولوی نظام الدین حسن صاحب بی اے۔ ایل ایل بی مرحوم اس علامت (ُ) کو لفظ ضمہ کا مخفف بتاتے ہیں اس طور پر کہ م ہ دونوں حذف کر دیئے گئے ہیں۔ میرے خیال میں یہ (و) ہے چوں کہ پیش واؤ کی مختصر آواز کے لئے آتا ہے اس لئے یہ صورت قرار دی گئی۔

ایسے واؤ پر ہ یہ علامت لکھی جائے۔ یہی حالت ی کی بھی ہے۔ جیسے خیر
میں یعنی واؤ یا ئے کو ماقبل فتح کہتے ہیں۔ یعنی وہ ی یا واؤ جس کے پہلے زبر
ہے یا ماقبل فتح جب آخر میں آئے تو آدھی لکھی جائے۔ جیسے شئے/نئے۔

جب کوئی حرف مکرر آواز دیتا ہے تو بجائے دوبارہ لکھنے کے صرف ایک
ہی بار لکھتے ہیں اور اس پر ایک علامت لگا دیتے ہیں۔ اس علامت کو تشدید (ّ)
کہتے ہیں۔ مثلاً مدّت کو آواز کے لحاظ سے بجائے مددت لکھنے کے د پر
تشدید لکھ دیتے ہیں اور اس سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ جس حرف پر تشدید
ہوتی ہے اس پر علاوہ تشدید کے زبر، زیر، پیش میں سے کوئی علامت ضرور ہوتی
ہے تاکہ پڑھنے میں زبان سے وہی آواز نکالی جائے لیکن جب تشدید ی
یا واؤ پر ہوتی ہے تو لفظ کے پہلے حرف کی حرکت کو گھمانا پڑتا ہے ورنہ تلفظ
صحیح ادا نہیں ہوتا۔ مثلاً نیّر۔ اگر معمولی طور سے دونوں حرف (ی) کے
ساتھ الگ الگ بولے جائیں۔ (نے یر) تو تلفظ صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح
نوّاب وغیرہ الفاظ ہیں۔

جزم یا سکون (ْ) سکون کے معنی خاموشی کے ہیں۔ جس حرف
پر یہ علامت ہوتی ہے بولنے میں اسے کوئی حرکت نہیں دیتے۔ جب کسی حرف
پر کوئی زبر، زیر، پیش نہ ہو تو ایسے حرف کو ساکن کہتے ہیں اُردو میں ہر لفظ
کا آخری حرف ساکن ہوتا ہے۔

مد (~) الف جب کھینچ کر بولتے یا پڑھتے ہیں تو اس وقت اس پر
یہ علامت لگا دیتے ہیں۔ جیسے آم۔ ایسے الف کو الف ممدودہ کہتے ہیں۔
مد کے معنی لمبا کرنے یا کھینچنے کے ہیں۔

ہمزہ (ء) اسے غلطی سے حروف میں شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ درحقیقت

ی اور واؤ کے ساتھ وہی کام دیتا ہے جو مد الف کے ساتھ۔ یعنے جہاں ی کی آواز کھینچ کر نکالنی پڑے اور قریب دو (ی) کے ہو یا جہاں واؤ کی آواز معمول سے بڑھ کر نکالی جائے وہاں بطور علامت کے اُسے لکھ دیتے ہیں۔ یہ ہمیشہ ی یا و کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے کئی، ہنئیں، کھاؤں۔ الف ممدودہ شروع میں آتا ہے (اور بعض عربی الفاظ میں درمیان میں بھی) لیکن ہمزہ ہندی الفاظ میں ہی یا واؤ کے شروع میں آتا ہے۔ بعض جگہ یہ ی کا قائم مقام ہوتا ہے جیسے پائیاں، کبھی عربی الفاظ میں خفیف الف کی آواز دیتا ہے جیسے ہیئت، جائز۔ ایک ی پر جو آخر میں آتی ہے، لکھنا درست نہیں۔ جیسے راہی، رائے میں ان میں ی کی آواز کافی ہے۔ لیکن آئے، جائے، آیئے، جایئے، میں ہمزہ کا لکھنا لازم ہے کیونکہ اس قسم کے الفاظ میں بغیر ء کے تحریر میں صحیح تلفظ ادا نہیں ہوتا۔

تنوین (ً ٍ ٌ) اس کے معنی نون کی آواز پیدا کرنے کے ہیں یہ صرف عربی آواز کے آخر میں آتی ہے جب یہ علامت کسی حرف پر ہوتی ہے تو اس کے آخر میں نون کی آواز نکلتی ہے۔ جیسے فوراً، اتفاقاً۔ مثلاً بعد مثلاً مشارٌ الیہ جب نون کے ساتھ زبر کی آواز نکالنی مقصود ہوتی ہے تو وہ زبر لکھتے ہیں اور زیر کی آواز کے لئے دو زیر اور پیش کے لئے دو پیش۔ اُردو میں زیادہ تر زبر ہی کی تنوین آتی ہے۔

زبر کی تنوین میں لفظ کے آخر میں الف بڑھا کر تنوین لگاتے ہیں جیسے اتفاقاً، دفعتاً۔

اگر لفظ کے آخر میں پہلے سے الف ہو تو اس کے بعد ء بڑھا کر تنوین لگاتے ہیں۔ جیسے ابتداءً۔

نوٹ :- ان علامات کو اعراب اس لئے کہتے ہیں کہ اہلِ عرب کی ایجاد سمجھے جاتے ہیں۔ اعراب سے یہ مطلب ہے کہ کسی پر ان میں سے کسی علامت کا لگانا۔ انہیں حرکات بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ ان علامات سے آواز میں حرکت پیدا ہوتی ہے لیکن چونکہ جزم سے سکون پیدا ہوتا ہے اس لئے پورا نام حرکات، سکنات ہے۔ اعراب کا لفظ مختصر ہونے کی وجہ سے زیادہ مناسب ہے۔ جس حرف پر کوئی حرکت، ہوتی ہے۔ اسے متحرک کہتے ہیں۔

ا۔ فارسی میں چند لفظ ایسے ہیں کہ ان میں واؤ ساکت ہوتی ہے یعنی تلفظ میں ظاہر نہیں کی جاتی۔ اسے واؤ معدولہ کہتے ہیں مگر یہ واؤ ہمیشہ خ کے بعد آتی ہے۔ ایسے لفظ بہت کم ہیں اور وہ یہ ہیں۔ خود خویش، خرے، خوش خود خوردن (اور اس سے جو لفظ بنے ہیں) اخواندن (اور اس سے جو لفظ بنے ہیں) لیکن خواب، خواہش، خواستن (اور اس سے جو لفظ نکلے ہیں، خواہر خواجہ خوارزم (نام ملک) میں واؤ کی نصف آواز ظاہر ہوتی ہے۔ اس قسم کی واؤ کے بعد الف ہوتا ہے انگریزی میں بعض لفظ ایسے ہیں جن میں نہ پورا واؤ کا تلفظ ادا ہوتا ہے، نہ پیش کا۔ ان کی حالت بہت کچھ ان کے مشابہ ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کے صحیح تلفظ کے لئے اسی قسم کی واو کا استعمال مناسب ہوگا۔ اسی قسم کی واؤ کے نیچے ایک چھوٹا سا خط کھینچ دیا جاتا ہے تاکہ امتیاز نہ ہو سکے۔

۲:۔ اردو میں بعض الفاظ ایسے ہیں جہاں واؤ بجائے پیش کے استعمال کی جاتی تھی لیکن اب وہ متروک ہوتی جاتی ہے۔ مثلاً اوس (بجائے اُس)، پہونچنا (بجائے پہنچنا)، پورانا (بجائے پُرانا) چورانا (بجائے چُرانا)

لکھتے تھے اور اب بھی بعض لوگ لکھ جاتے ہیں۔

۳۔ (ن)، کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک تو جب اس کی آواز پوری ادا ہو جیسے پان، گیان، دھیان ہیں۔ دوسرے جب پورے طور پر ادا نہ ہو بلکہ کسی قدر ناک میں گنگنی سی آواز نکلے، ایسی حالت میں اُسے نون غنہ کہتے ہیں۔ جیسے سماں، کنواں، سانپ، اینٹ، ہنسنا وغیرہ ہیں۔ نون غنہ جب آخر میں آتا ہے اس میں نقطہ نہیں دیتے۔ لیکن جب بیچ میں آتا ہے تو اس پر اُلٹا جزم لگانا چاہئے۔ (۲)

۴۔ نون غنہ کا استعمال زبان میں عام طور پر ہے اور یہ اکثر حروف کے ساتھ آتا ہے جب بیچ میں آتا ہے تو اپنے پہلے حرف سے مل کر ایسی آواز پیدا کرتا ہے کہ بھ، پھ، وغیرہ کی طرح ایک آواز معلوم ہوتی ہے جیسے ہنسنا، کنور وغیرہ۔

۵۔ بعض الفاظ میں ی بھی اپنے پہلے حرف کے ساتھ اس طرح مل کر پڑھی جاتی ہے کہ وہ دونوں ایک آواز معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے کیا، کیاری، پیارا، دھیان، چیونٹی، گیارہ۔ اس کا نام ہم نے یائے معدولہ رکھا ہے امتیاز کے لئے ایسی ی کے اوپر یہ (٦)، نشان لگا دیتے ہیں۔

۶۔ الف ممدودہ تو وہ ہے جس کی آواز کھینچ کر نکالی جائے۔ جیسے آم ہیں۔ الف مقصورہ وہ ہے جس کی آواز سادی ہوتی ہے اور کھینچنا نہیں پڑتا جیسے (اب)، ہیں بعض عربی الفاظ ایسے ہیں کہ ان میں الف ی کی صورت میں لکھا جاتا ہے۔ جیسے عقبیٰ اور دعویٰ ہیں۔

۷۔ بعض فارسی حروف کے آخر میں ہ لگی ہوتی ہے یہ اصل لفظ کا جز نہیں ہوتی بلکہ زائد ہوتی ہے اس کا تلفظ زبر کا سا ہوتا ہے۔ گویا یہ

اعراب کا کام دیتی ہے جیسے ہفتہ، اندازہ ۔ ایسی ہ کو ہائے مختفی کہتے ہیں۔

۸۔ عربی زبان کے ایسے لفظ جن میں دوسرا حرف ح ساکن ہو اور اس کے پہلے حرف پر زبر ہو، تو اردو بول چال میں زبر نہیں بولا جاتا بلکہ اس کی آواز زبر اور زیر کے مابین ہوتی ہے جیسے احمد، محبوب، لحد، بحر وغیرہ میں۔

۹۔ عربی میں امتیاز خصوصیت کے لئے اسما پر (ال) لگا دیتے ہیں بعض حروف ایسے ہیں کہ اگر ان کے پہلے ال آتا ہے تو تلفظ میں ظاہر نہیں کیا جاتا اور لفظ کا اوّل حرف مشدد پڑھا جاتا ہے۔ جن حروف کے شروع میں ال نہیں پڑھا جاتا انھیں حروف شمسی کہتے ہیں۔ یہ نام اس لئے دکھا گیا ہے کہ جب شمس کے پہلے ال لگایا جاتا ہے تو لام کی آواز ظاہر نہیں کی جاتی (الشمس)، اور جن حروف میں ل کی آواز تلفظ میں ظاہر کی جاتی ہے انھیں حروف قمری کہتے ہیں، کیونکہ قمر پر جب ال لگائیں گے قول کی آواز ظاہر کی جائے گی (القمر)، اس کا استعمال صرف عربی الفاظ کے ساتھ عربی قواعد کی رو سے ہوتا ہے۔ چونکہ اردو میں ایسے الفاظ اکثر آتے ہیں لہٰذا اس کی تشریح یہاں کردی جاتی ہے۔

حروف قمری

(جیسے الامان۔ نباش الاوّل۔ ب فصیح البیان، ج۔ عبدالجلیل ح۔ عبدالحیٔ۔ خ۔ مراۃ الخیال۔ ع نورالعین۔ غ۔ اسداللہ الغالب ف۔ سریع الفہم۔ ق۔ صادق القول۔ ک بالکل۔ ل۔ اللوا۔ م۔ بیت المال۔ و کتاب الواعظ ھ۔ بوالہوس۔ ی۔ الیوم۔

حروف شمسی

د۔ مظفرالدین ۔ یوم الدین ۔ ذ۔ صاحب الذکر ر۔ ہارون الرشید۔ ز۔ خلیفۃ الزماں ۔ س ۔ظل السلطان ۔ ش۔ الشمس ۔ ص۔ الصبر ض۔ الضالین ۔ ط۔ جبل الطارق ظ۔ الظاہر۔ ن ۔ ذوالنورین۔ النوم۔

۱۰ حروف سے جب الفاظ بنائے جاتے ہیں تو حروف کی تین صورتیں ہوتی ہیں ۔ ایک شروع میں ، دوسری بیچ میں ، تیسری آخر میں بعض حروف کی تین سے بھی زیادہ صورتیں ہوتی ہیں ۔ مثلاً میم لفظ کے شروع میں جیسے مور بیچ میں دو حالتیں جیسے محمد ، قمر، آخر میں جیسے نیم میں ۔ بعض حروف شروع میں مل کر نہیں آتے یہ حروف ۔ ا ۔ د۔ ذ۔ ر۔ ز۔ و۔ ہیں ۔جب کسی لفظ میں ان حروف کے بعد کوئی دوسرا حرف لکھا ہو تو الگ لکھنا پڑے گا ۔ جیسے سورج، ایال ، نذر ، وغیرہ۔ جب ان حروف میں سے چند حروف مل کر لفظ بنتے ہیں تو سب الگ الگ لکھے جائیں گے ۔ جیسے درد ۔ دردو وغیرہ ۔

۱۱۔ اُردو تحریر میں (مثل عربی فارسی کے) یہ عجیب بات ہے کہ الفاظ میں حروف پورے نہیں لکھے جاتے بلکہ ہر حرف کے لئے صرف چھوٹا سا نشان بنا دیتے ہیں ، اس طور پر الفاظ نہایت مختصر ہو جاتے ہیں ۔ بخلاف دوسری زبانوں کے جن کے لکھنے میں بہت طول ہو جاتا ہے اور وقت بھی زیادہ صرف ہوتا ہے ۔ یہ طرز تحریر نہایت شائستہ اور مہذب ہے ۔ مختصر نویسی جس کا رواج یورپ میں اب تھوڑے زمانے سے ہوا ہے نہ ہمارے یہاں صدہا سال سے موجود ہے ۔ایک مشتاق لکھنے والا مقرر کی تقریر کو

بخوبی قلم بند کر سکتا ہے۔ یہ خوبی درحقیقت بہت لایق قدر اور دوسری زبانوں کے لئے قابلِ رشک ہے۔

فصل دوم

صرف

صرف میں الفاظ سے بحث ہوتی ہے۔ الفاظ گفتگو میں آتے ہیں اور اس کی نقل لکھنے میں کی جاتی ہے۔ لفظ جملے کا کم از کم جزو ہوتا ہے۔ ہر لفظ کے کچھ نہ کچھ معنی ہوتے ہیں۔ جس کے اصل اور صحیح معنے بول چال یا جملے میں آنے سے معلوم ہوتے ہیں۔ بعض لفظ بے معنی یا مہمل بھی ہوتے ہیں، لیکن ان کا تعلق قواعد سے نہیں ہے۔ قواعد میں صرف یا معنے الفاظ سے بحث کی جاتی ہے۔ لفظ کی حیثیتیں اور صورتیں مختلف ہوتی ہیں۔ کہیں اس کی حالت اور صورت کچھ ہوتی ہے اور کہیں کچھ۔ ہم بول چال یا لکھنے میں لفظ استعمال کرتے ہیں تو وہ ہمیں کچھ نہ کچھ ضرور بتاتے ہیں اور اس لحاظ سے کہ وہ ہمیں کیا کیا بتاتے ہیں اور ان کی کیا صورت اور حالت ہے، اس کی دو قسمیں ہیں۔

اول مستقل جو اپنی ذات سے پورے معنی رکھتے ہوں۔

دوم غیر مستقل جو اپنی ذات سے پورے معنی نہ رکھتے ہوں جب تک وہ کسی دوسرے لفظ کے ساتھ مل کر نہ آئیں۔ مستقل الفاظ کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) اسم وہ لفظ ہے جو کسی جان دار شے یا کیفیت کا نام ہو۔"

(۲) صفت وہ لفظ ہے جس سے کسی اسم کی کیفیت یا حالت معلوم ہو۔

(۳) ضمیر وہ لفظ ہے جو بجائے اسم کے استعمال ہوتا ہے۔
(۴) فعل جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا پایا جائے۔
(۵) تمیز جو فعل یا صفت یا دوسری تمیز کے معنی میں کمی یا بیشی پیدا کرے یا اس کی کیفیت یا حالت بتلائے۔

غیر مستقل الفاظ کو حروف کہتے ہیں۔ جن کی چار قسمیں ہیں (۱) ربط (۲) عطف (۳) تخصیص (۴) فجائیہ۔

ا۔ اسم

اسم وہ لفظ ہے جو کسی کا نام ہو۔
اس کی دو قسمیں ہیں۔
(۱) خاص (۲) عام
خاص۔ کسی خاص شخص یا شے یا مقام کا نام ہے مثلاً علاؤالدین، کلکتہ گنگا۔
عام وہ اسم ہے جو ایک قسم کے تمام افراد کے لئے فرداً فرداً استعمال ہو سکے جیسے آدمی، گھوڑا، درخت، کتاب۔

اسم خاص

اشخاص کے اسم خاص بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ مثلاً۔
(۱) خطاب۔ نام جو بادشاہ یا سرکار دربار سے اعزازی طور پر ملتا ہے جیسے اقبال الدولہ۔ عماد الملک۔
(۲) لقب۔ ایک وصفی نام جو کسی خصوصیت یا وصف کی وجہ سے پڑ گیا ہو جیسے مرزا نوشہ لقب ہے۔ اسد اللہ خاں غالب کا، یا کلیم اللہ لقب ہے حضرت موسیٰ کا۔
(۳) عرف وہ نام جو محبّت یا حقارت کی وجہ سے پڑ جائے یا اصل نام کا اختصار لوگوں کی زبان زد ہو جائے۔ جیسے چنّو۔ کلّن۔ فخرو، اچھے میاں۔

(۴) تخلص ایک مختصر نام جو شاعر نظم میں بجائے اصلی نام کے داخل کر دیتے ہیں۔ مثلاً غالبؔ تخلص ہے مرزا اسد اللہ خاں کا۔ حالیؔ تخلص ہے مولانا الطاف حسین کا۔

اس کے علاوہ ممالک، دریاؤں اور پہاڑوں کے اور دیگر جغرافی اسماء اور علوم و فنون و امراض وغیرہ کے نام سب اسم خاص ہوں گے۔

بعض اوقات اسم خاص اسم کی صفت کے طور پہ استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے رستمؔ، حاتمؔ وغیرہ۔ مثلاً یوں کہیں کہ وہ شخص اپنے وقت کا حاتم ہے یا وہ رستم ہند ہے یا فلاں شخص قیس یا فرہاد ہے یا وہ سعدی یا کالی داس ہے ہے۔ ایسے موقعوں پر رستم سے بڑا پہلوان، حاتم سے بڑا سخی، قیس و فرہاد سے بڑے عاشق، سعدی اور کالی داس سے بڑے شاعر مراد ہیں۔

اُردو میں اسم عام کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) عام نام۔ ۲۔ اسم کیفیت۔ ۳۔ اسم جمع۔

اسم کیفیت

وہ ہے جس سے کسی شے یا شخص کی کوئی خاص حالت یا کیفیت معلوم ہوتی ہو۔ جیسے سختی، روشنی، صحت، جلن۔

اسمائے کیفیت دو چیزیں ظاہر کرتے ہیں۔

اوّل حالت جیسے صحت، نیند، رفتار، سچ، جھوٹ۔

دوم وصفی کیفیت، مثلاً درد، خوشی، مطالعہ۔

اسمائے کیفیت کیوں کر بنتے ہیں۔

(۱) بعض فعل سے بنتے ہیں۔ مثلاً چال چلن، گھبراہٹ، لین دین۔

(۲) بعض صفت سے بنتے ہیں۔ مثلاً نرمی، خوشی، کھٹائی، دیوانہ پن۔

۳۔ بعض اسم سے جیسے دوست سے دوستی، لڑکے سے لڑکپن۔

۴۔ اکثر عربی ہندی فارسی کے الفاظ اسمائے کیفیت کا کام دیتے ہیں، جیسے صحت، حسن، حرکت، بل، کوشش، جوش۔

۵۔ ایک لفظ کی تکرار یا دو لفظوں کے ملنے سے جیسے، بک بک، چھان بین، جان پہچان، خوشبو۔

اسم جمع

بعض اسم ایسے ہوتے ہیں کہ صورت میں تو واحد معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں کئی اسموں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ جیسے فوج۔ انجمن، قطار، جھنڈ۔ اس قسم کے اسم کو جمع کہتے ہیں۔

لوازم اسم

ہر اسم میں خواہ وہ کسی قسم کا ہو، چند خصوصیتوں کا پایا جانا لازم ہے مثلاً وہ واحد ہوگا یا جمع، مذکر ہوگا یا مؤنث، وہ خود کسی کام کا کرنے والا ہوگا یا دوسرے کے کام کا اثر اس پر ہوگا۔ چوں کہ یہ باتیں ہر اسم میں لازمی طور سے پائی جاتی ہیں اس لئے ہم نے ان کا نام لوازم اسم رکھا ہے۔ یہ تین ہیں۔

۱۔ جنس ۲۔ تعداد۔ ۳۔ حالت۔

(۱) جنس

جنس سے مراد اسما، کی تذکیر و تانیث سے ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حقیقی دوسری غیر حقیقی (یا مصنوعی)

حقیقی دنیا میں جنس کی صرف دو ہی قسمیں ہیں یعنے نر (مذکر)، مادہ (مؤنث)۔ یہ تقسیم جان داروں کے لحاظ سے کی گئی ہے اور ان میں تذکیر اور تانیث کی تمیز کچھ مشکل نہیں۔ بے جان چیزوں میں تذکیر اور تانیث کوئی چیز نہیں اُن میں نر اور مادہ میں سے کسی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ تو حقیقی دنیا کا حال ہے لیکن زبان کی دنیا اس سے الگ ہے۔ کسی میں جنس کی تین قسمیں ہیں، کسی میں دو اور بعض ایسی خوش قسمت ہیں کہ ان میں سرے سے یہ جھگڑا ہی نہیں۔ سنسکرت اور بعض دوسری آریائی زبانوں میں جنس کی قسمیں تین ہیں۔

یعنے مذکر مؤنث اور تیسری قسم بے جان اشیاء کی سامی زبانوں میں صرف دو ہیں مذکر اور مؤنث۔ جان داروں میں قدرتی طور پر نر اور مادہ کا امتیاز ہے اس لئے اس تقسیم کو حقیقی کہا گیا ہے لیکن جن زبانوں میں تیسری قسم نہیں ہے وہاں تمام بے جان اشیا حتیٰ کہ خیالات کے ساتھ بھی تذکیر و تانیث کا طرہ لگا ہوا ہے، چوں کہ قدرت کے خلاف ہے اس لئے اس کا نام غیر حقیقی یا مصنوعی رکھا گیا ہے۔ اُردو زبان تذکیر و تانیث کے لحاظ سے دوسری قسم میں ہے سنسکرت میں جنس کی تینوں صورتیں ہیں۔ یعنی مذکر اور مؤنث اور تیسری وہ صورت جو نہ مذکر ہے نہ مؤنث۔ اسی طرح پراکرت[1] میں بھی تینوں صورتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن جدید زبانوں میں جو زیادہ تر پراکرت سے پیدا ہوئی ہیں، صرف گجراتی اور مرہٹی ایسی زبانیں ہیں جن میں جنس کی تین صورتیں ہیں۔ سندھی، پنجابی، ہندی اور اُردو میں صرف دو ہیں، یعنی مذکر اور مؤنث بنگالی اور اُڑیہ کی عام بول چال میں جنس کا کوئی لحاظ نہیں ہے، سوائے اُن الفاظ کے جو ٹھیٹ سنسکرت کے داخل کر لئے گئے ہیں، اور جن کی جنس وہی باقی ہے جو سنسکرت میں تھی۔ لیکن ان تین زبانوں یعنی سندھی، پنجابی، ہندی یا اُردو میں سندھی ایسی زبان ہے جس کے تمام اسماء کا آخر حرف حرفِ علت ہوتا ہے اور اس لئے جنس کی تمیز آسان ہے لیکن باقی تین زبانوں میں یہ امتیاز آسانی سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

لیکن ان سب زبانوں میں بڑی، بھاری بھرکم، قومی اور عظیم الشان اشیاء مذکر ہیں اور چھوٹی، کم زور اور ہلکی پھلکی چیزیں مؤنث۔ یہاں تک کہ جب اصل لفظ مذکر ہے اور اس کی چھوٹی کمزور یا ہلکی صورت بیان کرنی مقصود

[1] سنسکرت ہندستان کی قدیم علمی زبان تھی اور پراکرت عوام کی بول چال۔

ہوتی ہے تو اسے مؤنث بنا لیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح جب اصلی لفظ مؤنث ہے اور اُسے بڑی، بھاری بھرکم صورت میں لانا مقصود ہوتا ہے تو اُسے مذکر بنا لیتے ہیں۔ مثلاً سنسکرت میں اصل لفظ "رشم" تھا اس سے ہندی رسا بنا۔ یہ دونوں مذکر ہیں اس کی چھوٹی اور کمزور صورت رسی ہے۔ سنسکرت گوڈ، تھا ہندی میں گول یا گولا بنا۔ یہ دونوں مذکر ہیں اس کی چھوٹی اور کمزور صورت گولی بنائی گئی ہے۔ جو مؤنث ہے۔ اسی طرح پگ سے پگڑی بنی جو مؤنث ہے۔ اس سے پگڑ بنا جو مذکر ہے اور بڑی پگڑی کے معنوں میں آتا ہے

یہ آخری ی (معروف) عام طور پر تانیث کی علامت ہے اور آخری الف علامت تذکیر یہاں تک کہ بنگالی اور اڑیا میں جہاں تذکیر و تانیث کا چنداں لحاظ نہیں ہے تصغیر و تکبیر کا امتیاز انھیں علامتوں سے کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ ایک عام قاعدہ ہے لیکن زبان میں ایسے الفاظ بہت کم ہیں جن کے آخر میں ی معروف یا الف ہو۔ ایسی صورت میں صرف اہل زبان کی تقلید کرنی پڑتی ہے۔ اُردو زبان میں تذکیر و تانیث کا معاملہ بہت ٹیڑھا ہے اور ایسے قواعد کا وضع کرنا جو سب صورتوں پر حاوی ہوں بہت مشکل ہے اس میں شک نہیں کہ بے جان اشیاء کی جو تذکیر و تانیث قرار دی گئی ہے اس میں ضرور کسی خیال یا اُصول کی پابندی کی گئی ہے لیکن ہر لفظ کی اصل کا پتہ لگانا اور جن اسباب نے اس کی تذکیر و تانیث قرار دینے میں اثر ڈالا ہے اس پر غور کرنا آسان کام نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ہم صرف اسی قدر کر سکتے ہیں کہ تذکیر و تانیث کے امتیاز کے مختلف قواعد کسی قدر تفصیل سے لکھ دیں تاکہ ان کی شناخت میں کچھ سہولت ہو۔ زیادہ تر وقت اس وجہ سے پیدا ہو گئی ہے کہ ہندی کے الفاظ سنسکرت اور پراکرت سے آئے ہیں۔

لیکن ان میں بہت کچھ تغیر و تبدل ہو گیا ہے۔ خصوصاً لفظ کا آخری حرف یا تو گر گیا ہے یا بدل گیا ہے حالانکہ تذکیر و تانیث کا دارو مدار اسی پر ہے۔

جان داروں کی تذکیر و تانیث

اُردو اور دوسری ہندی زبانوں میں جان دار اور بے جان سب ہی میں تذکیر و تانیث کا لحاظ ہوتا ہے۔ البتہ جانداروں میں یہ آسانی ہے کہ ان میں تذکیر و تانیث کا امتیاز آسان ہے۔ بے جان اشیا میں چونکہ کوئی علامت تذکیر و تانیث کی نہیں ہوتی اس لئے دشواری ہوتی ہے۔ اگرچہ جان داروں کے لئے بظاہر کسی قاعدے کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ ان کی تذکیر و تانیث قدرتی اور حقیقی ہے، لیکن قواعد میں الفاظ سے بحث ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے جان داروں کی تذکیر و تانیث بھی قطعی قاعدوں کے تحت میں نہیں آتی۔ ان میں بھی مستثنیات ہیں دوسرے مذکر الفاظ سے جو مؤنث بنائے گئے ہیں وہ بھی زیادہ تر سماعی ہیں جن میں غلطی کا احتمال ہو سکتا ہے۔ اس لئے ان کے متعلق بھی قاعدوں کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ جن ہندی الفاظ کے آخر میں الف ہوگا وہ مذکر ہوں گے جیسے گھوڑا، لڑکا۔

اس میں فارسی عربی کے وہ لفظ بھی آجاتے ہیں جن کے آخر میں (ا) یا (ہ) ہوتی ہے۔ جیسے بندہ، خدا، خواجہ، سقا۔

لیکن عربی کے بہت سے ایسے لفظ ہیں جن کے آخر میں (ہ) تانیث کی ہوتی ہے اُردو میں مستعمل ہیں جیسے والدہ، ملکہ، سلطانہ۔

نیز ہندی کے وہ لفظ جن کے آخر میں (یا) تانیث کی علامت ہوتی

ہے اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں جیسے بڑھیا۔ چڑیا۔ بندریا۔

۲۔ جن ہندی الفاظ کے آخر میں یائے معروف ہوتی ہے وہ مؤنث ہوتے ہیں۔ جیسے گھوڑی، لڑکی۔

لیکن ایسے پیشہ وروں کے نام جن کے آخر میں (ی) معروف ہوتی ہے اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے مالی، موچی، دھوبی، گھوسی، تیلی، پجاری تنبولی۔

یا وہ الفاظ جن کے آخر میں یائے نسبتی ہوتی ہے۔ جیسے پنجابی، بنگالی پہاڑی۔

اسی طرح بعض عربی کے الفاظ جیسے قاضی، منشی وغیرہ یہ سب اس قاعدے کے تحت میں نہیں آتے۔

۳۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ مذکر کے آخری 'ا' یا 'ہ' کو یائے معروف سے بدل دینے سے مؤنث بن جاتا ہے۔ یا جہاں پیشہ وروں کے نام کے آخر میں ی (معروف) ہوتی ہے اگر اسے (ن) سے بدل دیا جائے تو وہ مؤنث ہو جاتا ہے۔ لیکن جہاں آخر میں الف یا ی نہ ہو تو وہاں مشکل پڑتی ہے اس لئے جس جس طرح سے زبان مذکر سے مؤنث بنے ہیں خواہ آخری حرف کے بدلنے سے یا کسی لفظ کے بڑھانے سے، ان میں سے اکثر کو آگے الگ الگ لکھ دیا گیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

۴۔ ان میں تذکیر و تانیث کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل مذکر اور مؤنث کے الگ الگ الفاظ ہیں، ایک کو دوسرے سے بظاہر کچھ تعلق نہیں جیسے بیل مذکر، گائے مؤنث۔ دوم آخر علامت کے بدلنے یا آخر میں کسی حرف یا حروف کے اضافے سے مؤنث بنایا جاتا ہے جس کی مثالیں نیچے لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ ہر دو مختلف

مذکر	مؤنث	مذکر	مؤنث
باپ	ماں	غلام	باندی
میاں	بی بی	نواب	بیگم
بیل	گائے	خصم یا خاوند	جورو

۲۔ مختلف علامات کے ساتھ

(۱) مذکر کے آخر کا الف یا ہ مؤنث میں ی (معروف) سے بدل دی جاتی ہے جیسے :-

لڑکا	لڑکی	کانا	کانی
بیٹا	بیٹی	اندھا	اندھی
بچھڑا	بچھڑی	گھوڑا	گھوڑی
بکرا	بکری	شاہ زادہ	شاہ زادی
بندہ	بندی (باندی)[1]	چیونٹا	چیونٹی
مرغا	مرغی	بھانجا	بھانجی
بھتیجا	بھتیجی	چچا	چچی
پھوپھا	پھوپھی	لنگڑا	لنگڑی
لولا	لولی	بہرا	بہری

---

[1] باندی کا لفظ صرف غلام عورت کے معنوں میں آتا ہے اور (بندی) کا لفظ عورتیں بجائے ضمیر متکلم واحد کے بولتی ہیں، جیسے مرد بندہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

(ب) آخر میں یائے معروف کے بڑھانے سے۔

برہمن	برہمنی	ہرن	ہرنی
پٹھان	پٹھانی	کبوتر	کبوتری
تیتر	تیتری	لوہار	لوہاری
چمار	چماری	سُنار	سناری
ماموں	ممانی		

(ج) مذکر کے آخر حرف کو (ن) سے بدل دینے سے یا آخری حرف کے آگے (ن) بڑھانے سے، جیسے :-

مراسی	مراسن	نائی	نائن
کنجڑا	کنجڑن	جوگی	جوگن
مالی	مالن	دھوبی	دھوبن
بھنگی	بھنگن	گوالا	گوالن
فرنگی	فرنگن	پارسی	پارسن
بھائی	بہن	گھوسی	گھوسن
حاجی	حجن	سپولیا	سپولن
دلہا	دلہن	چودھری	چودھرائن
گاردو	گاردن[1]	ناگ	ناگن

(د) آخر حرف کو حذف کرکے یا بلا حذف (نی)، یا (انی)، کے اضافے سے

شیر	شیرنی	ملا	ملانی

---

[1] حیدرآباد دکن میں مستعمل ہے۔ یعنی وہ عورتیں جو محلوں میں مرد سپاہیوں کا کام دیتی ہیں یعنی قلماقنیاں۔

بنیا	بنینی	اُستاد	اُستانی[۲]
		ہاتھی	ہتنی[۳]
اونٹ	اونٹنی	سور	سورنی
رائے (راجہ)	رانی	فقیر	فقیرنی
مور	مورنی	جلیٹھ	جیٹھانی
ڈوم	ڈومنی	مغل	مغلانی
ڈاکٹر	ڈاکٹرنی	دیور	دیورانی
بھوت	بھتنی	مہتر	مہترانی
جن	جناتنی[۴]	شاعر	شاعرنی[۵]
پنڈت	پنڈتانی		

ٹٹو سے ٹٹوانی مؤنث آتا ہے لیکن حقارت کے موقع پر بولتے ہیں۔

(۷) بعض اوقات آخیر حرف میں کچھ تبدیلی کے بعد یا بغیر تبدیلی کے (یا) اضافہ کرنے سے مؤنث بنتا ہے۔ جیسے۔

کتا	کتیا	بندر	بندریا
چوہا	چوہیا	گدھا	گدھیا

---

[۲] مذکر کی دال حذف کر دی گئی۔

[۳] ہاتھی کا الف اور ی، دونوں حذف ہو گئے ہیں۔ یہ لفظ ہاتھ سے نکلا ہے سونڈ بجائے ہاتھ کے سمجھی گئی ہے۔

[۴] یہاں مؤنث واحد مذکر سے نہیں بلکہ جمع مذکر سے بنا ہے۔

[۵] جان صاحب کا شعر ہے۔ میں وہ شاعرنی ہوں گر بگڑے کوئی میری زبان ؎ لاکھ مرزا کو سناؤں سو سناؤں میر کو۔ یہ استعمال مزاحاً کیا گیا ہے۔

چڑا — چڑیا

۵۔ بعض غیر زبانوں کے مذکر، مؤنث بعینہٖ اُردو میں مستعمل ہیں مثلاً بیگ مذکر، بیگم مؤنث، خاں سے خانم (ترکی) ہے یا عربی کے الفاظ مثلاً سلطان سے سلطانہ، ملک سے ملکہ، خاتون و آتون بھی ترکی لفظ ہیں جو مؤنث ہیں۔

۶۔ بعض اوقات مذکر اسم خاص سے بھی مؤنث بنا لیتے ہیں۔ جیسے۔

رحیم	رحیما	امیر	امیرن
کریم	کریمن	نور	نورن
محمد	محمدی	امامی	امامن
مراد	مرادن	نصیب	نصیبن

بعض اوقات اسمائے خاص میں حرف واؤ کے مجہول و معروف ہونے سے مؤنث مذکر کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ واؤ معروف سے مذکر اور مجہول سے مؤنث۔

مؤنث	مذکر	مؤنث	مذکر	مؤنث	مذکر
مجّو	مجّو	دامو	دامو	بدلو	بدلو
فجّو	فجّو	کلّو	کلّو۔		

بعض اسمائے خاص مرد عورت کے لئے یکساں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے گلاب۔ احمدی وغیرہ۔

۷۔ عموماً مؤنث مذکر سے بنتا ہے لیکن بعض مذکر ایسے بھی ہیں جو مؤنث سے بنتے ہیں جیسے بھینسا، بھینس سے رنڈوا، رانڈ سے، بلاد بلّی سے سسر یا سسرا ساس سے۔

۸۔ بعض الفاظ ایسے ہیں جو صرف مذکر استعمال ہوتے ہیں اور اُن

کا مؤنث نہیں آتا اور بعض صرف مؤنث استعمال ہوتے ہیں اور مذکر ان کا نہیں آتا مثلاً چیل، بطخ، مینا، بلبل، فاختہ، لومڑی غیر ذوی العقول ہیں رنڈی کسبی، ہڑدنگی، ڈائن، چڑیل، بیوہ، سوت، سہاگن وغیرہ ذوی العقول میں مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔ طوطا، کوا، اژدہا، نیندوا، باز، الو، چیتا وغیرہ غیر ذوی العقول ہیں اور بھانڈ، بھڑوا، ہیجڑا وغیرہ ذوی العقول میں مذکر ہیں۔

۹۔ چھوٹے چھوٹے جانوروں میں اکثر صرف ایک ہی جنس مستعمل ہے مثلاً مکھی (مؤنث) جھینگر (مذکر) چھپکلی (مؤنث) چھچھوندر (مؤنث) کچھوا مذکر بھڑ (مؤنث)

۱۰۔ اکثر اوقات الفاظ کے ساتھ نر اور مادہ کا لفظ لگا کر مذکر و مؤنث بنا لیتے ہیں مثلاً مادہ خر، نر گاؤ، یا چیتے کی مادہ، مادہ خرگوش وغیرہ۔

۱۱۔ بعض اوقات مذکر لفظ مؤنث کے لئے بھی استعمال کر جاتے ہیں۔ مثلاً بیٹی کو ماں پیار سے کہتی ہے "نہ بیٹا ایسا نہیں کرتے"

۱۲۔ بعض لفظ مشترک ہیں، دونوں کے لئے آتے ہیں۔ مثلاً بچے کا لفظ یا گھوڑی کو دیکھ کے کہہ سکتے ہیں کہ کیا اچھا جانور ہے۔

۱۳۔ جن ہندی الفاظ کے آخر الف یا ہ ہوتی ہے مؤنث میں یائے معروف سے بدل جاتے ہیں۔ مثلاً لڑکا سے لڑکی۔ اسی طرح فارسی الفاظ بھی جو اردو میں عام طور پر استعمال ہونے لگے ہیں اسی قاعدے میں آجاتے ہیں مثلاً شاہزادہ سے شاہزادی، بیچارہ سے بیچاری، بندہ سے بندی، حرام زادہ سے حرام زادی وغیرہ۔

بے جان کی تذکیر و تانیث

بے جان اسماء کی تذکیر و تانیث قیاسی ہوتی ہے۔ یعنے الفاظ کی تذکیر اور تانیث ایک دور سے دوسرے دور کو یا ایک نسل سے دوسری نسل کو ارثاً ورواثتاً پہنچتی ہے اور جس طرح پہنچتی ہے ویسے ہی بولی جاتی ہے اگرچہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ خاص وجوہ سے بعض الفاظ میں تذکیر و تانیث کا اختلاف ہوگیا ہے جو پہلے مذکر تھے اب مؤنث ہیں اور جو مؤنث تھے اب مذکر بولے جاتے ہیں۔ لیکن عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ نسلاً بعد نسل جس طرح یہ الفاظ پہنچتے ہیں ویسے ہی بولے جاتے ہیں۔ تاہم جہاں تک ممکن ہوسکا ہے ذیل میں چند قاعدے بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) اکثر اوقات وہ الفاظ (خصوصاً ہندی اور تدبھوا یعنے مخلوط سنسکرت کے) جن کے آخر ا یا ہ ہوتی ہے یا فارسی کے وہ لفظ جن کے آخر میں ہ الف کی آواز دیتی ہے، مذکر ہوتے ہیں مثلاً ڈبّا، گھڑا، ڈبرا، حقّہ، پیشہ، ہفتہ، چولہا وغیرہ۔ لیکن اس میں مستثنیٰ بھی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(الف) تمام ہندی اسمائے تصغیر جن کے آخر یا ہوتا ہے مثلاً چڑیا ڈبیا، ڈلیا، ٹھلیا وغیرہ۔

(ب) تمام عربی کے سہ حرفی الفاظ جن کے آخر میں ا ہوتا ہے جیسے ادا، قضا، حیا، رضا، خطا وغیرہ۔

(ج) عربی کے بعض اسماء جو فعلیٰ کے وزن پر ہوتے ہیں جیسے عقبیٰ۔

(د) بعض ہندی لفظ جو تت سما یعنی خالص سنسکرت کے ہیں۔ کیونکہ سنسکرت میں علامت تانیث بھی ہے مثلاً پوجا، بیحیا، ماتا، پروا، پچھوا بھاکا، سیتلا، گھٹا، گنٹھیا، انگیا، مالا، سبھا، جٹا، چھالیا، گنگا، جمنا

(۲) جن ہندی یا غیر ہندی الفاظ کے آخر میں یائے معروف ہوتی ہے وہ مؤنث ہوتے ہیں۔ جیسے لکڑی، کوٹھی، نالی، کنجی، تلسی، روٹی، ہنڈی، ڈیوڑھی، سبزی، پریشانی، کشتی۔

البتہ جی، گھی، موتی، پانی، دہی مستثنیٰ ہیں، یہ الفاظ سنسکرت سے آئے ہیں اور ہندی میں ان کی آخری علامت بدل گئی ہے۔ ان کی جنس تو وہی رہی جو سنسکرت میں تھی مگر صورت بدل گئی۔ سنسکرت میں یہ مذکر ہیں یا تیسری جنس جو نہ مذکر ہے نہ مؤنث اور ایسی جنس کے لفظ ہندی میں آکر مذکر ہو جاتے ہیں سنسکرت میں ان کے آخر میں ی (معروف) نہیں ہے۔ جی اصل میں جیو تھا۔ گھی، گھرت (घृत) موتی، موکتک (मौक्तिक) پانی، پانیں (पानीय) دہی ودھکن (दधिकं)

(۳) زبانوں کے نام عموماً مؤنث ہوتے ہیں مثلاً انگریزی، فارسی، اردو، سنسکرت، تامل وغیرہ۔

(۴) ایسے اسما جو آواز کی نقل ہیں مؤنث ہوتے ہیں۔ سائیں سائیں چٹ چٹ، دھڑ دھڑ وغیرہ۔

(۵) دنوں اور مہینوں کے نام مذکر استعمال ہوتے ہیں، دنوں میں جمعرات مستثنیٰ ہے۔

(۶) دھاتوں اور جواہرات کے نام بھی مذکر ہیں، چاندی البتہ مستثنیٰ ہے ہندی میں اسے روپا کہتے ہیں جو مذکر ہے۔ جیسے سونا جست لوہا، ٹین، رانگ وغیرہ۔

(۷) پہاڑوں کے نام مذکر ہیں جیسے ہمالیہ، بندھیاچل وغیرہ

(۸) ستاروں اور سیاروں کے نام بھی مذکر ہیں۔

(۹) کتابوں کے نام اگر مفرد ہیں تو مؤنث ہوں گے بشرطیکہ آخر میں ا
یا ہ نہ ہو جو مذکر کی علامت ہے جیسے صدرا، کافیہ۔ لیکن شفا (شیخ کی تصنیف)
مؤنث ہے، کیونکہ جیسے پہلے ذکر ہو چکا ہے ایسے عربی سہ حرفی لفظ مؤنث
ہوتے ہیں۔ لیکن مرکب ہونے کی حالت میں مضاف یا موصوف کی تذکیر و تانیث
پر کتاب کی تذکیر و تانیث منحصر ہوگی مثلاً بوستاں، گلستاں، پریم ساگر، رامائن
مؤنث ہیں مگر حکایت سوداگر مؤنث اور قصہ حلیمہ دائی مذکر ہے۔

(۱۰) اسی طرح نمازوں کے نام مؤنث بولے جاتے ہیں۔ فجر، ظہر، عصر،
مغرب، عشا۔

(۱۱) ہندی حاصل مصدر (یعنی وہ اسمائے کیفیت جو مصدر سے بنائے
جاتے ہیں) اور اکثر اسمائے کیفیت جو اسی وزن پر ہوں مؤنث ہوتے ہیں
جیسے۔

پکار، پھٹکار، پھنکار، جھنکار، پچھاڑ، وغیرہ۔ ابھار، اتار، بگاڑ
مستثنیٰ ہیں۔

پھسلن، دھڑکن، کھرچن، چبھن، لگن، اترن وغیرہ۔ البتہ چلن مستثنیٰ
ہے۔

بناوٹ، کھچاوٹ، نیلاہٹ، گھبراہٹ وغیرہ۔
مہک، روک، چوک، جھلک، چمک، بھڑک وغیرہ۔
لوٹ، کھسوٹ، چوٹ۔
مٹھاس، کھٹاس، پیاس وغیرہ۔
تھکان (تکان)، پہچان، ڈھلان، اُٹھان، اُڑان۔

البتہ برتاؤ، بچاؤ کے وزن پر جو حاصل مصدر آتے ہیں وہ سب مذکر

ہوتے ہیں۔ دباؤ۔ بچاؤ۔ بناؤ۔ لگاؤ۔ اٹکاؤ۔ تاؤ۔ لداؤ، بہاؤ وغیرہ
دوسرے اسمائے کیفیت اور الفاظ جو اس وزن پر آتے ہیں وہ بھی مذکر
ہوتے ہیں۔ جیسے بھاؤ، سبھاؤ، الاؤ۔

اسی طرح وہ اسمائے کیفیت جو اسم یا صفت کے آخر میں "پن" لگانے
سے بنتے ہیں مذکر ہوتے ہیں۔ مثلاً بچپن، لڑکپن دیوانہ پن وغیرہ۔

ہندی کے وہ الفاظ جن کے آخر او (مجہول) یا اون (واؤ مجہول)
ہوتا ہے اکثر مؤنث ہوتے ہیں جیسے باؤ، چھاؤں، جوکھوں، بھوں،
سوں، سرسوں، کھڑاؤں وغیرہ۔

(۱۲) حروف تہجی ہیں۔ ب بھ پ پھ ت ٹ ٹھ ج جھ چ چھ
ح خ د ذ ڈ ر ز ژ ط ظ ف ہ و ی مؤنث ہیں۔ جیم اور میم مختلف فیہ ہیں۔

(۱۳) ہندی مصدر مذکر استعمال ہوتے ہیں جیسے اس کا مرنا سب کو شاق
گزرا۔ لیکن جب مؤنث لفظ سے متعلق ہوتا ہے تو اس کی صورت بھی مؤنث
ہو جاتی جیسے ع: بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی۔ اہل لکھنؤ ہر حال
میں مصدر کو مذکر ہی بولتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

(۱۴) عربی کے وہ اسمائے کیفیت جن کے آخر میں ت ہوتی ہے،
مؤنث ہوتے ہیں جیسے ندامت، عنایت، محبت، شفقت، شوکت، نعمت
وغیرہ۔

(۱۵) جو عربی الفاظ اِفعال، اِفتعال، اِنفعال، استفعال تفعّل
تفاعل اور تفعلہ کے اوزان پر آتے ہیں وہ مذکر ہوتے ہیں۔ بہ وزن
افعال۔

جیسے اکرام، احسان، انعام وغیرہ باستثنائے انشاء، افراط، ایذا،

امداد، الحاح، اصلاح۔

بروزن افتعال جیسے اختیار، اعتدال، اضطراب، افتاد وغیرہ باستثنائے ابتدار، انتہا، التجا، اقتباط، احتیاج، اطلاع، اشتہا، اصطلاح

بروزن استفعال جیسے استغفار، استثنا، استقلال، استغنا، وغیرہ باستثنائے استعداد، استدعا، استبداد، استغفار۔

بروزن انفعال جیسے انکسار، انقلاب، انحراف وغیرہ۔

بروزن تفعّل جیسے توکل، تکلف، تعصب، تغیر، تبدل، وغیرہ باستثنائے توقع، توجہ، تمنا، ترشح، تفرع، تہجد ۔۔۔

بروزن تفاعل جیسے تغافل، تنازع، تلاطم وغیرہ باستثنائے تواضع

بروزن تفعلہ جیسے تذکرہ، تجربہ، تصفیہ، تخلیہ وغیرہ۔

(۱۶) جو عربی الفاظ مفاعلہ کے وزن پر آتے ہیں وہ مذکر ہیں جیسے مجادلہ، مشاعرہ، معاملہ، مناظرہ وغیرہ۔

لیکن یہی الفاظ یا دوسرے الفاظ جب مفاعلت کے وزن پر آتے ہیں تو مؤنث ہوتے ہیں جیسے معاملت، مصاحبت، مشارکت وغیرہ۔ یہی حال تفعلہ اور تفعلت کا جیسے تربیت، تقویت وغیرہ مؤنث ہیں۔ تفعلہ کی مثالیں لکھی جاچکی ہیں۔

(۱۷) تمام عربی الفاظ تفعیل کے وزن پر مؤنث ہوتے ہیں، جیسے تحریر، تقریر وغیرہ باستثنائے تعویذ۔ لیکن جب تفعیل کے بعد ہائے ہوز آتی ہے تو وہ الفاظ مذکر ہو جاتے ہیں۔ جیسے تخمینہ، تعلیقہ وغیرہ۔

(۱۸) نیز وہ الفاظ عربی و فارسی جن کی آخر میں ہ اضافی (مختفی) ہوتی ہے اکثر مذکر ہوتے ہیں۔ جیسے نسخہ، روضہ، صفحہ، روزہ، طرہ، شیشہ، آئینہ،

پیمانہ وغیرہ باستثنائے دفعہ، توبہ ۔

(۱۹) عربی اسمائے ظرف مذکر ہوتے ہیں جیسے مکتب، مسکن، مقام، مشرق، مغرب وغیرہ باستثنائے مجلس، محفل، مسطر، مسجد، مجال، مسند، وغیرہ ۔

(۲۰) اسمائے آلہ بروزن مفعال اکثر مؤنث ہوتے ہیں ۔ جیسے مقراض، میزان وغیرہ ۔ باستثنائے معیار، مقیاس،

لیکن بروزن مِفعل اکثر مذکر ہوتے ہیں جیسے منبر، مصقل، وغیرہ باستثنائے مشعل ۔ مگر بروزن مفعلہ ہمیشہ مذکر ہوتے ہیں جیسے منطقہ، مصقلہ وغیرہ ۔

(۲۱) تمام فارسی حاصل مصدر جن کے آخر میں شں ہے مؤنث ہوتے ہیں ۔ جیسے دانش، خواہش، بخشش وغیرہ ۔ جوش، نوش، خروش مستثنیٰ ہیں ۔

(۲۲) مرکب الفاظ جو دو لفظوں سے مل کر بنتے ہیں خواہ بلا حرف عطف یا مع حرف عطف اُن کی تذکیر و تانیث میں بھی اختلاف ہے ۔

ا ۔ جو لفظ دو افعال یا ایک اسم اور ایک فعل سے مل کر بنتے ہیں وہ اکثر مؤنث ہوتے ہیں جیسے آمد و رفت، زد و کوب، نشست و برخاست، شست شو، قطع و برید، تراش خراش، تنگ و دو، آمد و شد، خرید و فروخت بود و باش، دار و گیر، شکست و ریخت، داد و دہش، کم و کاست باستثنائے سوز و گداز، بند و بست، ساز باز ۔

(ب) اگر ان میں ایک مؤنث اور دوسرا مذکر ہے (مع حرف عطف یا بلا حرف عطف) تو فعل کی تذکیر و تانیث آخری لفظ کے لحاظ سے ہو گی ۔ جیسے آب و ہوا، قلم دوات، آب و غذا، آب و گل، کشت و خون، تاخت و

ناراج، عنایت نامہ، سالار منزل، خلوت خانہ وغیرہ، پیچ و تاب مستثنیٰ ہے مگر جب دو لفظ مل کر ایک خاص معنوں میں آئیں تو یہ لحاظ نہیں رہتا جیسے گلشکر۔

ج۔ جب دونوں جز مذکر ہوں تو مذکر اور دونوں مؤنث ہوں تو لفظ مؤنث ہوگا جیسے آب و رنگ، آب و دانہ، آب و دانہ، آب و نمک، گل قند، مذکر استعمال ہوتے ہیں۔ اور آب و تاب، جستجو، گفتگو مؤنث ہیں۔ مگر شیر برنج مستثنیٰ ہے، حالاں کہ دونوں جز مذکر ہیں لیکن پھر بھی مؤنث ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ فرنی اور کھیر دونوں مؤنث ہیں لہذا شیر برنج بھی ان کا مترادف ہونے کی وجہ مؤنث ہی استعمال ہونے لگا۔ نیشکر جس کے دونوں جز مؤنث ہیں مذکر آتا ہے، اس لئے کہ گنے کا مترادف ہے۔ چوں کہ گنا مذکر مستعمل ہے۔ اس لئے نیشکر بھی مذکر بولا جانے لگا۔

(۲۳) جن الفاظ کے آخر میں بند، آب (سوائے مہتاب کے جس کے معنی ایک قسم کی آتش بازی کے ہیں) بان، وان، نشان، سار، زار ہوتا ہے وہ اکثر مذکر ہوتے ہیں جیسے سینہ بند، پاسبان، گلاب، پیچوان، گلستان، بوستان، (باستثنائے نام کتب معروفہ) کوہسار، لالہ زار وغیرہ۔

(۲۴) جن الفاظ کے آخر "گاہ" لگا ہوتا ہے وہ مؤنث ہوتے ہیں۔ جیسے تعلیم گاہ، بندرگاہ، قیام گاہ وغیرہ۔

(۲۵) بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جو بعض معنوں میں مذکر ہیں اور بعض معنوں میں مؤنث جیسے۔

دوپہر — جب دن کے خاص وقت کے لئے آتا ہے (جو بارہ بجے ہوتا ہے) تو مؤنث ہے جیسے دوپہر ڈھل گئی۔

دوپہر — بمعنے دو ساعت مذکر ہے جیسے مجھے انتظار کرتے کرتے

دوپہر ہو گئے۔

گزر (مذکر) گزرنے کا حاصل مصدر ہے۔ جیسے میرا گزر وہاں ہوا۔

گزر (مؤنث) بمعنے گزر اوقات، جیسے اس میں میری گزر نہیں ہوتی۔

تکرار بحث اور جھگڑے کے معنوں میں مؤنث۔ جیسے میری اس سے تکرار ہو گئی ۔۔

تکرار کسی لفظ کے مکرر لانے کے معنوں میں مذکر جیسے اس لفظ کا تکرار فصیح نہیں۔

آب پانی کے معنوں میں مذکر۔

آب صفائی یا چمک کے معنوں میں مؤنث جیسے موتی کی آب

مد ضد جزر جیسے دریا کا مد۔

مد جب اس خط کے معنوں میں ہو جو حساب میں یا عرضی پر کھینچا جاتا ہے تو مؤنث ہے، بعض نے مذکر بھی لکھا ہے۔

مد حساب کے صیغے کے معنوں میں مؤنث جیسے روپیہ کون سی مد سے دیا جائے۔

مد الف ممدودہ کا نشان مذکر ہے۔

ترک (عربی) بمعنے دست برداری مذکر ہے۔

ترک (مؤنث) صفحہ کے آخر میں آئندہ صفحہ کی عبارت کا پہلا لفظ جو اس غرض سے لکھ دیا جاتا ہے کہ ورقوں کے ملانے میں آسانی ہو۔

"ترک اک اک جزو کی وہ دو پہر ملتی نہیں" (اسیر)

عرض طول کی ضد، مذکر۔ جیسے اس مکان کا عرض۔

عرض — بمعنی التماس، مؤنث۔ جیسے میری یہ عرض ہے۔
کف — جھاگ کے معنوں میں مذکر۔
کف — تلوے یا ہتیلی کے معنوں میں مختلف فیہ۔
تاک — تاکنا سے اسم مؤنث ہے۔
تاک — انگور کی بیل کے معنوں میں مذکر۔
آہنگ — قصد کے معنوں میں مذکر۔
آہنگ — آواز کے معنوں میں مؤنث۔
تال — تالاب کے معنوں میں مذکر
تال — وزن موسیقی کے معنوں میں مؤنث۔
نال — بندوق کی نلی مؤنث
نال — ناف کے معنوں میں مختلف فیہ۔
نال — گھاس وغیرہ کی ڈنڈی مؤنث
نال — لکڑی یا پتھر کا کنڈا جو پہلوان اٹھاتے ہیں، مذکر۔
بیل — ایک خاص پھل کے معنوں میں مذکر۔
بیل — باقی سب معنوں میں مؤنث۔
مثل — بمعنی مانند، مذکر۔
مثل — کاغذات مقدمہ، مؤنث۔
لگن — بمعنی ظرف یعنے طاس شمع، مذکر،
لگن — بمعنے لگاؤ، مؤنث
مغرب — بمعنی مقام غروب، مذکر
مغرب — بمعنی وقت شام، مؤنث۔

(۲۵) عربی الفاظ کی جمع جب عربی قواعد کے رو سے آتی ہے تو اس کی تذکیر و تانیث میں صرف یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جو حالت واحد کی ہے وہی جمع کی ہوگی مثلاً شئے مجلس اور مسجد مؤنث ہیں تو ان کی جمع اشیاء، مساجد اور مجالس بھی مؤنث ہوگی۔ چند الفاظ البتہ مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً اگرچہ معرفت، حقیقت، قوت، شفقت مؤنث ہیں مگر اُن کی جمع معارف، حقائق، قویٰ اور اشفاق مذکر مستعمل ہیں۔ بعض متاخرین اہل لکھنؤ کا یہ قول ہے کہ ہر لفظ کی عربی جمع مذکر ہی آتی ہے۔ یہ قاعدہ تو بہت اچھا ہے مگر اس کا کیا علاج کہ اہل زبان یوں نہیں بولتے۔ اہل دہلی اور بعض اور مقامات کے لوگ بجز بعض مستثنیات کے ہمیشہ مؤنث کی جمع مؤنث اور مذکر کی مذکر ہی استعمال کرتے ہیں۔ جن حضرات کا یہ قول ہے کہ ہر عربی لفظ کی عربی جمع مذکر بولنی چاہیئے اُنھیں یہ دھوکا اس وجہ سے ہوا ہے کہ بعض الفاظ جو مؤنث ہیں ان کی جمع بھی اسی وزن پر آئی ہے جو واحد میں مذکر ہیں مثلاً حادثہ مذکر ہے اس کی جمع حوادث ہے لہٰذا یہ بھی مذکر ہے اور مذکر بولا جاتا ہے۔ چونکہ حقائق بھی اسی وزن پر ہے دھوکے میں اسے بھی مذکر بولنے لگے۔ لیکن یہ چند الفاظ مستثنیات میں سے ہیں، اس پر سے یہ قیاس قائم کر لینا کہ ہر عربی لفظ کی (خواہ مؤنث ہو یا مذکر) جمع مذکر ہی ہوگی صحیح نہیں ہے۔ واحد میں جب ہم ایک لفظ کو جو مؤنث غیر حقیقی ہے۔ مؤنث تسلیم کرتے ہیں تو افعال اور صفات بھی اس کے لئے مثل مؤنث حقیقی کے استعمال کرتے ہیں اور کوئی فرق اس میں اور مؤنث حقیقی میں نہیں کرتے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ مؤنث حقیقی کی عربی جمع کو مؤنث بولیں اور مؤنث غیر حقیقی کی جمع کو مذکر۔ جب ایک بار بے جان شئے مؤنث قرار پا چکی تو پھر اس میں اور حقیقی مؤنث میں کسی قسم کا فرق اور امتیاز باقی نہیں رہنا چاہئے

خیال میں حتی الامکان اس قسم کے الفاظ کی اردو، جمع استعمال کرنا زیادہ فصیح ہے، اگرچہ بعض مواقع پر عربی جمعوں کا استعمال کرنا ناگزیر ہے۔ ایسی حالت میں بجز چند مستثنیٰ الفاظ کے یہی قاعدہ یاد رکھنا چاہیے کہ مؤنث کی جمع مؤنث ہوگی اور مذکر کی جمع مذکر۔

(۲۶) ایک مسئلہ یہ بھی قابل بحث ہے کہ جو نئے لفظ غیر زبانوں سے اردو میں داخل ہوگئے ہیں یا آئندہ داخل ہوں، ان کی تذکیر و تانیث کا کیا قاعدہ ہوگا ہماری رائے اس کے متعلق یہ ہے کہ ایسے دخیل الفاظ کی تذکیر و تانیث کا فیصلہ اسی قسم کے دوسرے الفاظ کے مطابق جو پہلے سے موجود ہیں کیا جائے۔ یعنی جو نئے الفاظ کے ہم معنی یا قریب المعنی ہیں یا معنوں کے لحاظ سے ایک ہی ذیل میں آتے ہوں اُن پر قیاس کرکے ان کی تذکیر و تانیث قرار دی جائے۔ مثلاً ریل کا لفظ ہے۔ یہ گاڑی کی قسم ہے۔ گاڑی خود مؤنث ہے اور گاڑی کی اکثر قسمیں مؤنث ہیں اس لئے لوگ خود بخود اسے بھی مؤنث کہنے لگے۔ اسی طریقہ پر اسٹیشن، لالٹین، ٹین، کوٹ، ٹیبل، لیمپ وغیرہ تذکیر و تانیث قرار پائی۔

لیکن یہ قاعدہ جدید الفاظ کے لئے بھی ایسا ہی عام ہے جیسا قدیم الفاظ کے لئے کہ جس لفظ کے آخر میں الف ہے یا آخری لفظ الف کی آواز دیتا ہے وہ مذکر ہوگا اور جس کے آخر میں ی معروف ہوگی وہ مؤنث ہوگا۔ جیسے چابی اور ریوڑی ورسٹی مؤنث ہیں اور سایا (لہنگا) اور کمرہ مذکر ہیں۔

یہ قاعدہ کوئی جدید نہیں ہے بلکہ اس پر ہمیشہ سے عمل رہا ہے۔ فارسی کے الفاظ کثرت سے اردو ہندی میں داخل ہوتے رہے۔ فارسی زبان میں بے جان چیزوں کی تذکیر و تانیث نہیں ہوتی۔ مگر جب یہ نئے لفظ زبان میں

آئے تو ان کی تذکیر و تانیث ہندی ہم معنی الفاظ کے موافق قرار دی گئی۔

مثلاً شاخ کو مؤنث اس لئے کہا گیا کہ ٹہنی یا ڈالی مؤنث بولی جاتی ہے۔

سال مذکر ہے اس لئے کہ برس مذکر ہے۔

(۲۷) چند الفاظ ایسے ہیں جنھیں اہل زبان مذکر و مؤنث دونوں طرح بولتے ہیں۔ یا بعض الفاظ ایسے ہیں کہ وہ ایک جگہ مؤنث بولے جاتے ہیں اور دوسری جگہ مذکر جیسے۔

سانس[1] قلم فکر[2] غور طرز نقاب[3]

مرقد شکر قند کٹار درد فاتحہ کلک

کیف جھونک سیل سبحہ ہن گزند

نشاط، حروف تہجی میں میم اور جیم۔ زنار[4] متاع[5] قامت

گیند[6] مالا[7]

املا، عام طور سے مذکر ہے مگر اہل لکھنؤ میں مختلف فیہ ہے۔

مال، دہلی اور اس کے نواح میں مؤنث ہے، مگر اہل لکھنؤ میں مختلف فیہ ہے۔

---

[1] مختلف فیہ

[2] اہل دہلی و لکھنؤ دونوں کے ہاں مختلف فیہ ہے یعنی مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال ہوا ہے۔ [3] مختلف فیہ۔

[4] مختلف فیہ۔

[5] اہل لکھنؤ مذکر اور اہل دہلی مؤنث بولتے ہیں۔

[6] اہل لکھنؤ مذکر بھی بولتے ہیں۔

[7] اہل دہلی مؤنث اور اہل لکھنؤ مذکر بولتے ہیں۔

پینک (بیائے معروف) دلی میں مؤنث ہے۔ لکھنؤ اور پورب کے دوسرے شہروں میں یہ لفظ زبر سے بولا جاتا ہے اور مذکر ہے۔

تعداد و حالت

اسم عام یا تو ایک ہو گا۔ یا ایک سے زیادہ۔ اسکو تعداد کہتے ہیں ایک کو واحد اور ایک سے زیادہ کو جمع کہتے ہیں۔

اُردو میں بھی دوسری ہندی آریائی زبانوں کیطرح تثنیہ نہیں ہوتا سنسکرت اور عربی میں ہوتا ہے۔ تثنیہ اُسے کہتے ہیں جس میں دو کا ہونا پایا جائے۔ جیسے عربی میں والدین، قطبین، طرفین وغیرہ اور سنسکرت میں پتراؤ (والدین)

اُردو میں سوائے اُن الفاظ کے جن کے آخر میں الف (یا اس کا کوئی ہم آواز حرف ہ یا ع) ہوتا ہے، مذکر کی صورت واحد اور جمع میں یکساں۔ البتہ حروف ربط کے آجانے سے جمع کی صورت میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ ورنہ ان صورتوں کے علاوہ خاص جمع کی غرض سے جو تبدیلیاں ہوتی ہیں وہ مؤنث ہی ہوتی ہیں۔ ذیل کے قاعدوں اور گردانوں میں ان سب تبدیلیوں کی تصریح کی جاتی ہے۔

اس کی ہم نے دو تقسیمیں کی ہیں۔ ایک صورت تو وہ ہے جب اسم بغیر کسی حرف ربط کے آئے۔ دوسری صورت وہ ہے جب اسم کے بعد کوئی حرف ربط ہو۔

پہلے ہم ان تبدیلیوں کو بیان کریں گے جب کہ اسم کے ساتھ کوئی حرف ربط نہیں ہوتا۔

۱- جن واحد مذکر الفاظ کے آخر میں (ا یا ہ) ہے، جمع میں یہ (ا یا ہ) یائے مجہول سے بدل جاتی ہے۔ جیسے۔

واحد	جمع	واحد	جمع
لڑکا	لڑکے	پردہ	پردے
لڑکا آیا	لڑکے آئے	پردہ اٹھا	پردے اٹھے

جن الفاظ کے آخر میں ایسی ہ ہوتی ہے جو الف کی آواز دیتی ہے وہ فارسی یا عربی ہوتے ہیں۔ جیسے بندہ، دیوانہ، پنجہ، دانہ، درجہ، تماشہ ،، جلسہ وغیرہ۔ ہندی لفظوں کو الف ہی سے لکھنا چاہیئے لیکن رسم خط کی وجہ سے بعض نام ہ ہی سے لکھے جانے لگے ہیں۔ جیسے آگرہ، کلکتہ، وغیرہ

۲- بعض واحد مذکر لفظ جن کے آخر میں الف ہوتا ہے جمع میں ے سے نہیں بدلتے،

(ا) اس میں کچھ لفظ تو ایسے ہیں جو خالص سنسکرت ہیں اور نہیں بدلتے جیسے راجا، داتا وغیرہ۔

(ب) رشتہ داروں کے نام، ابا، چچا، تایا، دادا، پھپا، آکا، پتا۔

(ج) فارسی کے اسم فاعل جیسے دانا، بینا، آشنا، شناسا، ،،

(د) غیر زبانوں کے بعض اسم جیسے دریا، ہما، صحرا وغیرہ۔

۳- جن واحد مذکر الفاظ کے آخر میں (ا یا ہ) نہیں ہوتی ان کی واحد اور جمع میں ایک ہی صورت رہتی ہے۔ جیسے۔

واحد	جمع	واحد	جمع
بھائی آیا	بھائی آئے	بیل آیا	بیل آئے
گھر بن گیا	گھر بن گئے	لڈو کھایا	لڈو کھائے

۴۔ جن واحد مذکر لفظوں کے آخر میں (ا ں) (الف اور نون غنہ) ہوتا ہے، ان کی جمع میں واحد کا الف ،ئ سے بدل جاتا ہے۔ جیسے دھواں سے دھوئیں، اور واں سے روئیں۔

مؤنث الفاظ کی جمع مذکر سے مختلف طرح پر بنتی ہے۔ ذیل کے بیان سے اس کی کیفیت معلوم ہو گی۔

۱۔ جن مؤنث واحد الفاظ کے آخر میں ی (یاے معروف ہو اُن کی جمع کے لیے ی کے بعد (ا ں) بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے لڑکی سے لڑکیاں گھوڑی سے گھوڑیاں، کرسی سے کرسیاں۔

۲۔ جن مؤنث واحد الفاظ کے آخر میں الف ہوتا ہے۔ جمع میں اس کے بعد ائیں ،ئ ی ں) بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے گھٹائیں، ماتائیں، سبھائیں تمنائیں۔ ہوائیں۔

۳۔ جن مؤنث واحد کے آخر میں یا ہو، ان کی جمع میں، صرف (ں) بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے گڑیا سے گڑیاں، بڑھیا سے بڑھیاں چڑیا سے چڑیاں۔

اس قسم کے لفظ اکثر اسم تصغیر ہوتے ہیں۔ جیسے ڈبیا۔ چوہیا، پُڑیا وغیرہ۔

غیر زبانوں کے الفاظ جو یا پر ختم ہوتے ہیں، اس قاعدے کے تحت میں نہیں آتے بلکہ ان کی جمع قاعدے ۲ کے مطابق بنتی ہے۔ جیسے ریا، حیا وغیرہ کی جمع ریائیں، اور حیائیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو و ہندی لفظوں میں یا اضافی ہے۔ جو تصغیر یا صفت بنانے کے لئے لگایا جاتا ہے غیر زبانوں کے الفاظ میں ی اصل لفظ کا جز ہے۔ اور اس لئے یہ سمجھنا

چاہیئے کہ آخر میں یا نہیں بلکہ الف ہے۔

۴۔ جن مؤنث واحد الفاظ کے آخر میں ان میں سے کوئی حرف نہیں ہوتا جن کا ذکر اُوپر کے تین قاعدوں میں ہوا ہے تو ان کی جمع کیلئے آخر میں (ی ں) بڑھا دیا جاتا ہے۔ جیسے مالن سے مالنیں۔ کتاب سے کتابیں گاجر سے گاجریں، بیگم سے بیگمیں، بات سے باتیں، جورو سے جوروئیں بھوں کی جمع بھویں ہوتی ہے۔ ہندی میں کبھوں کے آخر کا نون غنہ محض اعراب کا کام دیتا ہے کوئی حرف نہیں ہے اس لئے اس کی جمع اس طرح بنائی گئی ہے گویا لفظ کے آخر میں وَ ہے، وَں نہیں۔

محض جمع کے لئے جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کا ذکر ہو چکا۔ اب ان تبدیلیوں کو دیکھنا ہے جو حرف ربط کے آنے سے ہوتی ہیں۔

حرف ربط یہ ہیں۔ نے۔ کا، کے، کی، کو، پر، (پہ) سے۔ تک، ہیں

۱۔ جن واحد الفاظ کے آخر میں ا یا ہ ہوتی ہے وہ ان حروف کے آجانے سے یائے مجہول سے بدل جاتے ہیں۔ جیسے لڑکے نے کہا۔

پردے میں بیٹھے ہیں۔ قلعے کے اندر۔ جمعے کے روز۔

لیکن ذیل کے لفظ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔

(۱) وہ ہندی لفظ جو خالص سنسکرت ہیں یا جن میں اصل سے بہت کم تبدیلی ہوئی ہے جیسے۔

راجا، گھٹا، سبھا، پوجا، بھاکا (بھاشا)، جٹا، چتا، ستبیلا، داتا، مالا، جاترا، پتا، بیسوا، تیرہ وا، پچھوا،

وغیرہ۔ جیسے۔ راجا نے کہا۔ سبھا میں بیٹھے ہیں۔ داتا کی خیر۔

(ب) وہ اسم جو عزیزوں اور رشتہ داروں کے معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے۔ چچا، ابا، دادا، نانا، خالہ، پھپا، ماتا، پتا انا، ددا، آپا، جیسے ابا نے پوچھا، خالہ نے پیار کیا۔

(ج) عربی سہ حرفی لفظ جیسے۔ ریا۔ ربا۔ دعا، حیا، عبا، قبا، زنا، ہوا، بلا، دوا، صفا، غذا، تنا، رجا، سزا، جزا، جفا، وفا، جلا، ادا، خلا، بقا وغیرہ۔ جیسے دوا نے کچھ اثر نہ کیا۔ حیا سے سر نیچے کر لیا۔ ہوا میں خنکی ہے،

(چ) ایسے عربی لفظ جو سہ حرفی سے زیادہ ہیں۔ اور جن کے آخر میں الف ہے۔ جیسے۔ تمنّا، اخفا، التجا، انشا، افترا، اقتضا، ابتدا، انتہا وغیرہ جیسے بڑی تمنا سے آیا تھا۔ ابتدا میں بہت مشکل ہے۔

مدعا، منشا، ملجا، ماوا وغیرہ، جیسے یہ بات میرے منشا کے خلاف ہے۔

مگر ایسے عربی لفظ جو اردو میں گھل مل گئے ہیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان میں دوسرے لفظوں کی طرح تبدیلی ہوتی ہے۔ جیسے۔ اس نے اپنے استعفے میں کوئی وجہ نہیں لکھی۔ میں اس کے تقاضے سے تنگ آگیا ہوں۔

(د) اسمائے خاص نیز لقب اور عہدوں کے نام۔ جیسے مُلّا خلیفہ، راجا، آقا، آغا، مرزا، رانا، وغیرہ۔ جیسے مُلّا کی دوڑ مسجد تک۔ راجا نے مرزا کو بلایا۔

(ہ) جغرافی ناموں میں جن کے آخر میں الف یا ہ ہوتی ہے تبدیلی

ہو جاتی ہے۔ جیسے۔ آگرہ، کلکتہ، سکندرہ، مکہ، مدینہ، کوفہ، دجلہ، گولکنڈہ، پٹنہ، گلبرگہ، اٹاوہ وغیرہ جیسے تاج محل آگرے میں ہے کلکتے کی آبادی بارہ لاکھ ہے۔

البتہ خالص سنسکرت نام اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسے۔ جمنا، گنگا متھرا، گیا، نربدا، ہمالیہ وغیرہ۔ جیسے الہ آباد میں گنگا جمنا کا سنگم ہے۔

اسی طرح دوسری زبانوں کے شہروں اور دریاؤں اور پہاڑوں کے نام بھی مستثنیٰ ہیں۔ جیسے بخارا، برما، ایشیا، امریکہ، یوروشیا، صنعا، سیناوغیرہ؛

جہاں لفظ کے آخر میں الف یا ہ نہیں ہوتی وہاں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی جیسے شہر میں تھا، مالی نے کہا، لڑکی سے پوچھا، بچھو کو مارا وغیرہ

(۳) دھواں، رواں، کنواں میں ال، ی، ں سے بدل جاتا ہے جیسے دھوئیں سے، روئیں میں،

(۴) پانچواں سے پانچویں، ساتواں سے ساتویں، دسواں سے دسویں وغیرہ میں الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے۔

(۵) ایسے عربی الفاظ جن کے آخر میں ع ہوتا ہے۔ جب ان کے بعد حرف ربط آتا ہے تو ع کے بعد (ے) بڑھا دیتے ہیں، جیسے مصرعے میں، قلعے میں،

(۶) جمع کی حالت میں حرف ربط کے آنے سے یہ تبدیلیاں ہوتی ہیں،

(۱) مذکر اسما میں جمع کے لئے آخر میں و ن، بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے،

شہروں میں، راجاؤں نے، مالیوں کو۔

ایسے الفاظ جن کے آخر میں الف یا ہ ہوتی ہے جمع کی حالت میں حرف ربط آنے سے جمع کی (ے) اگر جاتی ہے جیسے لڑکوں نے پردوں میں،

(ب) جمع مؤنث کا (الف ں) یا (ی ں) بھی (وں) سے بدل جاتا ہے۔ جیسے لڑکیوں نے، دھوبنوں کو،

(ج) جن الفاظ کے آخر میں واو ہوتی ہے خواہ وہ مذکر ہوں یا مؤنث حرف ربط کے آنے سے ان کی جمع دونوں صورتوں میں ایک ہی ہوتی ہے۔ یعنی آخر میں (وں) بڑھا دیا جاتا ہے جیسے جوروؤں، آرزوؤں ہندوؤں وغیرہ۔

صرف کے رو سے اسم کی یہ چند حالتیں ہیں جو جمع کی صورت میں یا حروف ربط کے آنے سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن بلحاظ معنی بھی اسم کی چند حالتیں ہیں۔ جنکا بیان نحو میں آنا چاہیئے۔ مگر صرف میں بھی بعض اوقات اور خاص کر فعل کے بیان میں ان کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے سرسری طور سے ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تفصیلی بیان نحو میں ہوگا۔

۱۔ فاعلی حالت۔ یہ اسم کی وہ حالت ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی کام کا کرنے والا ہے یا وہ کسی خاص حالت میں ہے۔ جیسے احمد گیا۔ رام نے کھانا کھایا۔ وہ بیمار ہو گیا۔

اس حالت میں اسم کے ساتھ کبھی نے آتا ہے اور کبھی بغیر نے کے استعمال ہوتا ہے۔

مفعولی۔ یہ وہ حالت ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسم پر کام کا اثر واقع ہوا ہے۔ جیسے میں نے سانپ مارا۔ یہاں مارنے کا اثر سانپ پر واقع ہے اس لیے سانپ مفعولی حالت میں ہے۔ اس نے احمد کو کتاب دی۔ یہاں احمد اور کتاب دونوں مفعولی حالت میں ہیں۔ میں نے رام سے کہا۔ یہاں رام مفعولی حالت میں ہے۔ جو اسم مفعولی حالت میں ہوتا ہے اس کے ساتھ کبھی کو اور کبھی سے آتا ہے اور کبھی ان دونوں حروف میں سے کوئی بھی نہیں آتا۔

ندائی۔ جس سے کسی کا بلانا ظاہر ہو۔ جیسے احمد! یہاں آؤ۔ لڑکے کیا کہتا ہے۔

ندائی حالت میں اگر واحد مذکر اسم کے آخر میں الف یا ہ ہو تو وہ یائے مجہول سے بدل جاتے ہیں۔ جیسے لڑکے! شور نہ کر۔ اور جمع میں آخر کا نون گر جاتا ہے۔ جیسے لڑکو! شور نہ کرو۔ لڑکیو! چپ بیٹھو۔ صاحبو غور سے سنو۔

لیکن "بیٹا" کا لفظ بعض اوقات ندائی حالت میں بھی بغیر تبدیلی کے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی دونوں طرح جائز ہے۔ جیسے بیٹا! یہ بات اچھی نہیں ہے۔ بیٹے ایسا نہیں کہتے۔

خبری۔ وہ اسم جو بطور خبر کے واقع ہوتا ہے۔ جیسے وہ بیمار ہے حامد اس شہر کا حاکم ہے۔ ان جملوں میں بیمار اور حاکم دونوں خبری حالت میں ہیں۔

اضافی۔ جس میں کسی ایک اسم کو دوسرے سے نسبت دی جائے یعنی ایک اسم کا علاقہ یا تعلق کسی دوسرے اسم سے ظاہر کیا جائے۔ جیسے احمد کا گھوڑا۔ یہاں گھوڑے کا تعلق احمد سے بتایا گیا ہے، اس لیے یہ مضاف

ہے۔ اور جس سے نسبت یا علاقہ ظاہر کیا جائے اسے مضاف الیہ کہتے ہیں۔
اس جملے میں احمد مضاف الیہ ہے :۔

حروف اضافت واحد مذکر میں (کا) جمع میں (کے) اور واحد اور جمع مؤنث میں (کی) آتے ہیں۔

	واحد	جمع
مذکر	احمد کا گھوڑا	احمد کے گھوڑے
مونث	احمد کی بلی	احمد کی بلیاں

طوری۔ جس سے طور، طریقہ، اسلوب، ذریعہ، سبب اور مقابلہ وغیرہ معلوم ہو۔ جیسے شوق سے پڑھتا ہے۔ اس نے تلوار سے مارا وہ مجھ سے بڑا ہے۔ وہ دولت سے بڑھا۔

اسما کی تصغیر و تکبیر

تصغیر کے معنی چھوٹا کرنے کے ہیں۔ بعض اوقات الفاظ میں کسی قدر تغیر کر کے یا بعض حروف کے اضافے سے اسما کی تصغیر بنا لیتے ہیں۔

(۱) کبھی تصغیر محبت کے لئے بنائی جاتی ہے۔ مثلاً بھائی سے بھیا، بہن سے بہنا،

(۲) کبھی حقارت کے لئے جیسے مرد سے مردوا جورو سے جُھروا،

(۳) کبھی چھٹائی کے لئے جیسے شیشہ سے شیشی یا ششیا۔ اردو میں اسما کی تصغیر کئی طرح آتی ہے،

(۱) الفاظ کے آخر میں (ا) (وا) بڑھا دینے سے جیسے جوڑ و سے جروا۔ مرد سے مردوا، بھائی سے بھیّا۔

(۲) بعض اوقات مذکر کو مونث بنانے سے مثلاً شیشہ سے شیشی، ٹوکرا سے ٹوکری۔

(۳) بعض اوقات مختلف علامات ڑا، ڑی، لی، لا، یا وغیرہ بڑھا دینے سے اور الفاظ میں کسی قدر تبدیلی کرنے سے جیسے آنکھ سے انکھڑی گٹھا سے گٹھڑی، مکھ سے مکھڑا، پلنگ سے پلنگڑی، جی سے جیوڑا، کونڈا سے کونڈالی، ناند سے نندولا، کھاٹ سے کھٹولا، سانپ سے سنپولا، یا سپولیا، کاگ (کوّا) سے کگیلا، چور سے چوٹٹا، آم سے (آنب) سے انبیا، لونڈا سے لونڈیا،[1] باندی سے بندور۔

بعض اوقات بعض حقارت کے لئے روپیہ کو روپلی بولتے ہیں۔ سودا نے ایک جگہ شاعر کو حقارت سے شاعرلا لکھا ہے۔ بعض اوقات اسم خاص کی تصغیر (تحقیر کے لئے) بنا لیتے ہیں جیسے لکھنوئی سے لکھنوّا، کانپوری سے، کانپوریا، پوربی سے پوربیا،

فارسی میں چہ ک، و غیرہ علامات تصغیر ہیں۔ مثلاً باغچہ، مردک، مشکیزہ تصغیر کی ضد تکبیر ہے جس کے معنی ہیں بڑا کرنا یا بڑھانا۔ بعض اسموں کو عظمت کے لئے کسی قدر تغیر سے بڑا یا بھاری، بھر کم کر کے دکھاتے ہیں جیسے مخدوم سے مخادیم، اگرچہ مخادیم جمع ہے لیکن بعض اوقات کسی شخص کو تحقیر سے (جو بڑا بنتا ہے) مخادیم کہتے ہیں جیسے بڑا مخادیم بنا بیٹھا ہے اسی طرح پگڑی۔

---

[1] لونڈیا، کے معنی لڑکی ہیں۔ "لونڈی" اس عورت کو کہتے ہیں جس کی حیثیت غلام کی سی ہوتی ہے۔ انکسار سے عورتیں بجائے واحد متکلم "میں" کے بھی استعمال کرتی ہیں۔ جیسے "بندی" کا لفظ۔

سے پگڑ، گٹھری سے گٹھڑ، بات سے بتنگڑ۔

کبھی شہ (شاہ) کا لفظ شروع میں لگا کر بناتے ہیں۔ جیسے۔ شہتیر، شہبانہ، شاہ بلوط، شاہراہ، شہر، شاہکار۔ یہ اصل میں فارسی ترکیب ہے اور اردو میں عام طور پر مروج ہے،

اسی طرح ہندی الفاظ کے شروع میں "مہا" (سنسکرت) لفظ بڑھا کر تکبیر بنا لیتے ہیں، جیسے مہا کاج، مہاراج وغیرہ،

۲۔ صفت

الفاظ صفت وہ ہیں جو کسی اسم کی حالت یا کیفیت یا کمیت ظاہر کریں۔ ،، .. صفت ہمیشہ اسم کی حالت کو محدود کر دیتی ہے۔ مثلاً بے کار لوگ، جاہل آدمی، شریر لڑکا۔

اس کی کئی قسمیں ہیں

۱۔ صفت ذاتی
۲۔ صفت نسبتی
۳۔ صفت عددی
۴۔ صفت مقداری
۵۔ صفت ضمیری

(۱) صفت ذاتی

وہ ہے جس سے کسی چیز کی اندرونی حالت یا خصوصیت ظاہر ہو جیسے ملکا، ٹھوس، سبز، شریر، چالاک۔

(۱) بعض اوقات یہ صفات دوسرے اسما یا افعال سے بھی بنائی جاتی ہیں۔ مثلاً لڑاک (لڑنے سے) ڈھلوان (ڈھال سے) کھلاڑی (کھیل سے)۔ بلی (بل سے) جیوٹ، لاج دنت، ہنسوڑ، بھگوان (جی) لاج، ہنسی، اور بھاگ سے۔

(۲) یہ صفت بعض اوقات بلکہ اکثر دو الفاظ سے مرکب ہوتی ہے۔ مثلاً ہنس مکھ، من چلا۔ منہ پھٹ وغیرہ۔

(۳) بعض فارسی علامتیں عربی، ہندی الفاظ کے ساتھ آکر صفت کا کام دیتی ہیں۔ جیسے سعادت مند، ناشکرا، بے فکرا، بے چین، بے بس بیڈھب، وغیرہ۔

(۴) فارسی عربی ذاتی صفات بھی اردو میں کثرت سے مستعمل ہیں جیسے۔ دانا، احمق، بینا، شریف، نفیس، خوب وغیرہ۔

(۵) سے کا حرف مقابلے کے لئے آتا ہے جیسے شہد سے میٹھا۔ دودھ سے سفید، یعنے شہد سے زیادہ میٹھا۔ اور دودھ سے بڑھ کر سفید وہ مجھ سے بڑا ہے۔ یہ کپڑا اس سے اچھا ہے۔ جماعت میں یہ لڑکا سب سے ہوشیار ہے۔

کبھی (میں) بھی ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے سب میں بڑا یہی ہے۔

(۶) بعض اوقات میں صفات میں زیادتی، زور یا مبالغہ پیدا کرنے کے لئے بعض الفاظ بڑھا دئے جاتے ہیں۔ وہ لفظ یہ ہیں۔

بہت۔ جیسے بہت اچھا۔ تمہارا بھائی اس لڑکے سے بہت بڑا ہے

بڑا۔ بڑا گہرا تالاب۔ بڑا لمبا سانپ،

زیادہ۔ یہ زیادہ اچھا ہے۔ زیادہ سستا ہے۔

نہایت۔ نہایت عمدہ۔ نہایت نفیس۔ (عربی فارسی صفات کے ساتھ۔ آتا ہے۔

کہیں۔ یہ اس سے کہیں بہتر ہے۔

سے۔ بڑے سے بڑا۔ اچھے سے اچھا۔

بعض اوقات (ایک) کا لفظ بھی مبالغہ کے لئے آتا ہے۔ جیسے، وہ

ایک چھٹا ہوا ہے ۔ ایک بد ذات ہے ۔

یہ جو چشم پر آب ہیں دونوں
ایک خانہ خراب ہیں دونوں

لیکن اس کا استعمال ذم کے موقع پر ہوتا ہے ۔
کبھی بہت اور زیادہ مل کر بھی آتے ہیں ۔ جیسے وہ بہت زیادہ لالچی ہے ۔
کبھی، بدرجہا، بھی اسی طرح استعمال ہوتا ہے ۔ جیسے یہ اس سے بدرجہا بہتر ہے ۔ یہ اس سے ہزار درجے اچھی ہے ۔
اسی طرح اعلیٰ درجے کا، اوّل نمبر کا، اول درجے کا، پرلے درجے کا، پرلے سرے کا، کے الفاظ بھی یہی کام دیتے ہیں جیسے اعلیٰ درجے کا ماہر، اول نمبر کا چور، پرلے درجے کا بیوقوف ۔ پرلے سرے کا احمق ،

منفی صفات ذاتی اردو میں چند حروف یا علامتیں ہندی کی ایسی ہیں جنکے لگانے سے صفات میں نفی کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں ۔ جیسے ۔

ا	جیسے	اٹل	امر	(نہ مرنے والا)
ان	جیسے	انجان	آن مل	
نر	جیسے	نربل	نراس	
بے	جیسے	بے دھڑک	بے سرا بے جوڑ	
ک	جیسے	کُمراہ	کُڈھب	
بن	جیسے	بن سرا	بن جُتی	(زمین)
ن	جیسے	نڈر نکما	نگوڑا	

مگر فارسی عربی الفاظ کے ساتھ فارسی عربی کی علامتیں استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً نالائق، نابینا (فارسی علامت) غیر ممکن (عربی علامت) بے وقوف (فارسی علامت)

(۱) صفاتِ نسبتی

صفاتِ نسبتی وہ ہیں جن میں کسی دوسری شے سے لگاؤ یا نسبت ظاہر ہو، مثلاً ہندی، عربی وغیرہ۔

۱۔ عموماً یہ لگاؤ اسما کے آخر میں یاے معروف کے بڑھانے سے ظاہر ہوتا ہے، جیسے فارسی، ترکی، ہندوستانی، آبی، پیازی وغیرہ۔

(۲) جب کسی اسم کے آخر میں (ی) یا (ہ) یا (ا) ہوتا ہے تو اُسے واؤ سے بدل کر (ی) بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے دہلی سے دہلوی؛ سندیلہ سے سندیلوی موسیٰ سے موسوی، عیسیٰ سے عیسوی۔

۳۔ بعض اوقات (ہ) کو حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے مکہ سے مکی، مدینہ سے مدنی؛

۴۔ بعض اوقات (انہ) بڑھانے سے نسبت ظاہر کرتے ہیں۔ جیسے غلامانہ، جاہلانہ، مردانہ، (یہ فارسی ترکیب ہے)۔

۵۔ ہندی میں بھی چند علامتیں ہیں جن کے اسم کے آخر میں آنے سے صفت نسبتی بن جاتی ہے۔

(۱) یالا (ہندی ہیں) (ن) اور (ل) کا بدل عام طور پر ہوتا ہے) جیسے سنہرا۔ روپہلا، پچھرا، ممیرا،

(۲) ان۔ جیسے گیہواں

(۳) ار۔ جیسے گنوار (گاؤں سے)

لا یا الا - جیسے سانولا، رنگیلا، مٹیالا، اکیلا، منجھلا، پچھلا، اگلا،
والا - جیسے کلکتے والا -
کا - جیسے قیامت کا - غضب کا -
سا - جیسے چاند سا -

(۳) صفت عددی

جس سے تعداد کسی اسم کی معلوم ہو -

۱ - تعداد دو قسم کی ہوتی ہے - ایک جب ٹھیک عدد کسی شے کا معلوم ہو - جیسے پانچ آدمی، چھے گھوڑے - اسے تعداد معین کہتے ہیں - دوسرے جب ٹھیک ٹھیک تعداد کسی شے کی نہ معلوم ہو جیسے - چند لوگ - بعض شخص - اسے تعداد غیر معین کہتے ہیں -

۲ - تعداد غیر معین کے لئے اکثر یہ الفاظ مستعمل ہوتے ہیں
کئی، چند، بعض، سب، کل، بہت، بہت سے، تھوڑا، تھوڑے، کم، کچھ،

۳ - تعداد معین کی تین قسمیں ہیں -

ایک تعداد معمولی، جیسے دو، تین، چار وغیرہ کل اعداد

(ف) پراکرت سے ہندی الفاظ بنانے میں آخری حرف علت عموماً گر جاتا ہے - حرف ربط خارج کر کے درمیانی حرف علت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے - یہاں سنسکرت اور پراکرت کے اصلی ہندسوں کا لکھنا اور نہ بتانا کہ موجودہ ہندی ہندسے کیسے بنے ہیں دلچسپی سے خالی نہ ہو گا -

۱	سنسکرت	ایک	پراکرت	ایکا	ہندی	ایک
۲	"	دوا ہ دی	"	دو	"	دو

۳	״	تری	״	تلّی، تزنی	״	تین
۴	״	چتر	״	چتاری	״	چار
۵	״	پنچن	״	پانچا	״	پانچ
۶	״	ششش	״	چھا	״	چھ لہ
۷	״	سپتن	״	ستا	״	سات
۸	״	اشٹن	״	اٹھا	״	آٹھ
۹	״	نوا، نون	״	نا	״	نو
۱۰	״	دشن	״	دسا	״	دس

دس کے آگے کے ہند سے اکائیوں اور دہائیوں کے ملنے سے بنے ہیں اور ان میں جو تبدیلی ہوئی ہے وہ ظاہر کی جاتی ہے۔ اوّل پراکرت (دسا) بدل کر (دھا) ہوا اس کے بعد (دھا) سے (رہا) ہوگیا۔ یہ رہی رہا ہے جو گیارہ بارہ وغیرہ میں آتا ہے۔

۱۱ سنسکرت اکا دشن (یعنی ایک اور دس) پراکرت اِیا رہا ہندی اگیارہ سے گیارہ۔

(ہندی میں سنسکرت کا ک گ سے بدل گیا اور اوّل کا حرف علت گر گیا)

۱۲	سنسکرت	دوا دشن	پراکرت	وارہا	ہندی	بارہ
۱۳	״	تریودشن	״	تیرہا	״	تیرہ
۱۴	״	چتر دشن	پراکرت	چودھا	״	چودہ
۱۵	״	پنچ دشن	״	پن رہا	״	پندرہ

لہ ش چھ کا سے بدل گیا۔

۱۶	سنسکرت	شوڈشن	پراکرت	سودہا	ہندی	سولہ
۱۷	”	سپت دشن	”	سترہا	”	سترہ
۱۸	”	اشٹ دشن	”	اٹھارہا	”	اٹھارہ
۱۹	”	اُن وِیں شتی	”	ایکونوی سئی	”	انیس
۲۰	”	وِیں شتی	”	وی سئی	”	بیس

ان ہندسوں میں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ خلاف معمول نو کا ہندسہ ہر دہائی کے ساتھ اگلی دہائی سے ایک کم کرکے ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً انیس اصل میں ایک اون بیس ہے اون کے معنی کم اور انیس پراکرت وی سی کا بگڑا ہوا ہے۔ یعنے ایک کم بیس۔ اسی طرح اُنتیس ایک اون تیس، یعنی ایک کم تیس ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اُنتالیس اُنچاس اُنسٹھ، اُنہتر، اُناسی ہیں مگر نواسی (نو اور اسی) ننانوے (نو اور نوے) باقاعدہ ہیں۔

۳۰	سنسکرت	ترین شت	پراکرت	تیسا	ہندی	تیس
۴۰	”	چتواریں شت	”	چتّالیسا	”	چالیس
۵۰	”	پنچاشت	”	پان ناسا	”	پچاس
۶۰	”	ششٹی	”	سٹھی	”	ساٹھ
۷۰	”	سپتتی	”	ستّری	”	ستّر
۸۰	”	اشتی	”	اسی ای	”	اسّی
۹۰	”	نوتی	”	ناوے	”	نوے
۱۰۰	”	شت	”	ستا، سیا	”	سوئے

(شت) پراکرت (سات) سے (سو) یا (سے) بنا۔

تعداد معین کی دوسری قسم تعداد ترتیبی ہے جس سے ترتیب کسی شے

کی معلوم ہوتی ہے ۔ جیسے ساتواں، پانچواں وغیرہ ۔ اس کے بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ تعداد معیّن کے آگے (واں) لگاتے ہیں ۔ لیکن پہلے چار عدد اور چھے کا ہندسہ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے ۔ ان کی تعداد ترتیبی یہ ہے ۔

پہلا، دوسرا، تیسرا، چوتھا، چھٹا ۔

بعض اوقات اعداد کے آگے (وں) اظہار کلیت کے لئے بڑھا دیا جاتا ہے ۔ جیسے پانچوں تینوں چھیوں جاتے رہے، چاروں موجود ہیں، دونوں آگئے ۔ دونوں میں لفظ دوں بجائے دو کے استعمال ہوا ہے اور اس کے آگے وں بڑھایا گیا ہے ۔ بعض اوقات مزید تاکید کے لئے اُسے دہرا دیتے ہیں، جیسے دونوں کے دونوں چلے گئے ۔ ساتوں کے ساتوں موجود ہیں ۔

فارسی میں عدد کے آخر میں (میم) بڑھا دیتے ہیں جیسے یکم دوم سوم چہارم وغیرہ ۔

تیسری قسم تعداد معیّن کی تعداد اضعافی ہے جس میں کسی عدد کا ایک یا ایک سے زائد بار دہرانا پایا جاتا ہے ۔ اُردو میں کئی طرح مستعمل ہے ۔

۱۔ عدد کے آگے گنا بڑھانے سے جیسے دگنا، اکگنا، چوگنا وغیرہ ۔

گنا یا گونہ (فارسی) دراصل سنسکرت کے لفظ گُن سے ہے، جس کے معنی قسم کے ہیں ۔

۲۔ چند (فارسی) کے بڑھانے سے جیسے دوچند، سہ چند، دہ چند وغیرہ ۔

۳۔ ہرا بڑھانے سے جیسے دوہرا، تہرا، چوہرا ۔

ہرا درحقیقت بار کا مخفف ہے جو سنسکرت کے لفظ ارا سے بنا ہے ۔

بعض اوقات تعداد معیّن کے آگے ایک کا لفظ بڑھا دینے سے تعداد غیر معیّن ہو جاتی ہے جیسے پچاس ایک آدمی بیٹھے تھے، جس کے معنے ہوں گے تخمیناً یا کم و بیش پچاس۔ اسی طرح بیس ایک، دو ایک، ایک آدھ وغیرہ

دس، بیس، پچاس، سیکڑہ، ہزار، لاکھ، کروڑ جمع کی حالت میں تعداد غیر معیّن کے معنوں میں آتے ہیں اور اس سے کثرت کا اظہار ہوتا ہے، جیسے مجھے دسوں کام ہیں، اس مکان میں بیسوں (یا بیسیوں) کمرے ہیں، ہر روز سیکڑوں آدمیوں سے ملنا پڑتا ہے۔ ہزاروں آدمی جمع تھے۔ لاکھوں روپیہ صرف ہوگا۔

اسی طرح ان کی فارسی جمع صدہا، ہزارہا، لکھوکھا، کروڑہا بھی اسی طور سے استعمال ہوتی ہے۔

کسری اعداد۔ یہ بہت بے قاعدہ ہیں۔ زیادہ معروف ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

پاؤ	(¼)	پونے	(− ¼)
چوتھائی	(¼)	سوا	(زا ¼)
تہائی	(⅓)	ڈیڑھ	(۱ ½)
آدھا	(½)	ڈھائی (اڑھائی)	(۲ ½)
پون	(¾)	ساڑھے	(× ½)

پاؤ اکثر تنہا پاؤ سیر وغیرہ کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ وضاحت اور رفع اشتباہ کے موقع پر چوتھائی کے لفظ کو ترجیح دی جاتی ہے۔ پونے کے معنے ہیں، کہ اس عدد یا مقدار میں سے ایک چوتھائی کم۔ یہ اعداد نیز مقدار اور پیمائش کے الفاظ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ "سوا" کا بھی یہی

استعمال ہے۔ جب کسی اسم کے ساتھ آتا ہے تو یہ معنی ہیں کہ وہ عدد یا مقدار اور ایک چوتھائی جیسے سوا دو، سوا سو۔ ڈیڑھ بھی اسی طرح استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس عدد یا مقدار کا ایک اور آدھا گنا جیسے ڈیڑھ سیر، ڈیڑھ گز، ڈیڑھ سو۔ اڑھائی کے معنے ہیں، دو اور آدھا لیکن جب کسی عدد یا اسم کے ساتھ آتا ہے تو اس عدد یا مقدار کا دو اور آدھا گنا ظاہر کرتا ہے جیسے اڑھائی سیر، اڑھائی سو۔ ساڑھے کبھی تنہا استعمال نہیں ہوتا۔ جب یہ کسی عدد یا اسم کے ساتھ آتا ہے تو وہ عدد یا مقدار اور ایک نصف زیادہ بتاتا ہے جیسے ساڑھے چار سیر یعنے چار سیر اور آدھا سیر۔ یہ ایک اور دو کے عدد کے ساتھ نہیں آتا۔ ایسے موقع پر ڈیڑھ اور اڑھائی کے لفظ استعمال کئے جاتے ہیں "پونے" کے معنے ہیں ایک چوتھائی کم۔ جیسے پونے چار یعنے ایک چوتھائی کم چار۔ پون جب تنہا بغیر دوسرے عدد کے آتا ہے تو وہ پونے کی جگہ سمجھا جاتا ہے، جیسے پون روٹی، پون گز، پون سو۔

صفت مقداری

اعداد جس طرح گنتی کے لئے بطور صفت کے استعمال ہوتے ہیں، اسی طرح وہ مقدار یعنے وزن یا ناپ کے لئے بھی استعمال کئے جاتے ہیں جیسے چار سیر گھی چار گز کپڑا۔

بعض اور الفاظ بھی شمار اور مقدار کے لئے استعمال ہوتے ہیں لیکن اعداد کی طرح وہ کسی معین تعداد یا مقدار کو نہیں بتاتے جیسے، کتنے آدمی بیٹھے ہیں (تعداد) پانی کتنا چڑھ آیا (مقدار) جتنا کھانا کھا سکو کھاؤ (مقدار) اتنا پانی مت پیو (مقدار) اتنے آدمی یہاں نہیں سما سکتے (تعداد)۔

علاوہ اتنا، جتنا، کتنا کے، یہ اور وہ بھی کبھی کبھی مقداری صفت کے

معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے یہ ڈھیر کتنا بوں کا پڑا ہے۔ برسات کا وہ زور ہے کہ خدا کی پناہ۔

صفت ضمیری

وہ ضمیریں جو صفت کا کام دیتی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

وہ، یہ، کون، جو، کیا۔

مثالیں۔ وہ عورت آئی تھی، یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ کون شخص ایسا کہتا ہے۔ جو کام تم سے نہیں ہو سکتا اُسے ہاتھ کیوں لگاتے ہو؟ کیا چیز گر پڑی۔

یہ الفاظ جب تنہا آتے ہیں تو ضمیر ہیں اور جب کسی اسم کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں تو صفات ہیں۔

صفت کی تذکیر و تانیث اور جمع } اُردو میں صرف انھیں صفات میں تذکیر و تانیث یا واحد و جمع کا امتیاز ہوتا ہے، جن کے واحد کے آخر میں الف یا ہ (جو الف کی آواز دیتی ہے) ہوتی ہے۔

اسما کی طرح اُردو صفات کے آخر کا الف مذکر کی علامت ہے اور یائے معروف تانیث کی جمع حالت میں واحد کا آخر الف، یائے مجہول سے بدل جاتا ہے۔ مؤنث میں واحد اور جمع کی صورت یکساں رہتی ہے۔

	واحد	جمع
مذکر	اچھا مرد	اچھے مرد
مؤنث	اچھی عورت	اچھی عورتیں

وہ فارسی اور عربی لفظ جو کثرت استعمال سے اُردو میں گھل مِل گئے ہیں، اس قاعدے کے تحت میں آجاتے ہیں۔

جیسے سادہ سے سادی، تازہ سے تازی، دیوانہ سے دیوانی، جدا سے جدی لیکن عمدہ سے عمدی فصیح نہیں سمجھا جاتا۔

جن صفات کے آخر میں الف، یا ہ یائے معروف نہیں ہوتی اُن کی صورت واحد اور جمع، تذکیر و تانیث میں ایک ہی رہتی ہے اور کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

	واحد	جمع
مذکر	گرم کھانا	گرم کھانے۔
مؤنث	گرم روٹی	گرم روٹیاں

صفات عددی (باترتیب) میں مذکر کا (ا ں) مؤنث میں ی (معروف) اور ں سے بدل جاتا ہے لیکن جب مذکر کے بعد حرف ربط آتا ہے تو الف، یائے مجہول سے بدل جاتا ہے لیکن مؤنث میں حرف ربط کے بعد بھی وہی حالت رہتی ہے۔

مثالیں

مؤنث	پانچویں	(یائے معروف) عورت
	پانچویں	(یائے معروف) عورت نے
مذکر	پانچواں مرد	
	پانچویں یائے مجہول)، مرد نے	

اُردو میں اکثر صفاتی لفظ ایسے ہیں جو تنہا بطور اسم عام کے استعمال ہوتے ہیں اور ان کی جمع بھی اسماء کی طرح آتی ہے۔ اچھا آدمی (صفت) چاہیئے اچھوں کو جینا چاہیئے (اسم)۔ یہ بنگالی لڑکا بہت ذہین ہے (صفت) بنگالی بہت ذہین ہوتے ہیں (اسم)

صفات کی تصغیر } بعض اوقات صفات کی تصغیر بھی آتی ہے جیسے
لمبے سے لمبو، موٹے سے مٹلاً، چھوٹے سے چھٹکا۔

۳۔ ضمیر

وہ الفاظ جو بجائے اسم کے استعمال کئے جاتے ہیں ضمیر کہلاتے ہیں جیسے وہ نہیں آیا۔ میں آج نہیں جاؤں گا۔ اس میں (وہ) اور (میں) ضمیریں ہیں۔ ضمیر سے فائدہ یہ ہے کہ بار بار انھیں اسما کو جو گزر چکے ہیں دہرانا نہیں پڑتا۔ اور زبان میں الفاظ کے دہرانے سے جو بدنمائی پیدا ہو جاتی ہے وہ نہیں ہونے پاتی۔

ضمیر کی قسمیں

(۱) شخصی (۲) موصولہ (۳) استفہامیہ (۴) اشارہ (۵) تنکیر

(۱) ضمیر شخصی وہ ہے جو اشخاص کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔

ایک وہ جو بات کرتا ہے اُسے متکلم کہتے ہیں۔

دوسرا وہ جس سے بات کی جاتی ہے اُسے مخاطب کہتے ہیں۔

تیسرا وہ جس کی نسبت ذکر کیا جاتا ہے اُسے غائب کہتے ہیں۔

ضمائر کی حالتیں وہی ہوتی ہیں جو اسم کی ہیں (سوائے حالت خبری کے) ہر ایک کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے۔

ضمائر متکلم

	واحد	جمع
فاعلی حالت	مَیں	ہم
مفعولی حالت	مجھے یا مجھ کو	ہمیں یا ہم کو

اضافی حالت	میرا	ہمارا

ضمائرِ مخاطب

	واحد	جمع
فاعلی حالت	تو	تم
مفعولی حالت	تجھے یا تجھ کو	تمہیں یا تم کو
اضافی حالت	تیرا	تمہارا

ضمائرِ غائب

	واحد	جمع
فاعلی حالت	وہ	وہ
مفعولی حالت	اُسے یا اس کو	ان کو یا انھیں
اضافی حالت	اُس کا	اُن کا

اُردو ضمائر میں تذکیر و تانیث کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔

ضمائر غائب میں واحد اور جمع دونوں کے لئے (وہ) آتا ہے اور اس میں اشخاص اور اشیاء کا امتیاز نہیں ہوتا۔ پُرانی اُردو میں واحد کے لئے (وو) اور جمع کے لئے (وے) استعمال ہوتا تھا۔

(تو) بے تکلفی اور محبت کے لئے آتا ہے جیسے ماں بچے سے، گرو چیلے سے باتیں کرتا ہے۔ یا مخاطب کی کم حیثیتی کو ظاہر کرتا ہے جیسے آقا نوکر سے باتیں کرتے وقت استعمال کرتا ہے۔ بعض اوقات بہت بے تکلف دوست بھی تو کہہ کر باتیں کرتے ہیں۔

نظم میں اکثر مخاطب کے لئے (تو) لکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے لوگوں اور بادشاہوں کو بھی اسی طرح خطاب کیا جاتا ہے۔

بعد شاہان سلف کے تجھے یوں ہے تفضیل
جیسے قرآن پس توریت و زبور و انجیل (ذوق)

دعا پر کروں ختم اب یہ قصیدہ
کہاں تک کہوں تو چھپیں ہے چھپاں ہے (میں)

دعا مانگتے وقت خدا سے بھی (تو) سے خطاب کیا جاتا ہے۔ دوسرے مواقع پر واحد مخاطب کے لئے (تم) ہی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ سوائے بے تکلفی کے موقع کے تم بھی اکثر نوکروں اور چھوٹے لوگوں سے خطاب کرتے وقت بولا جاتا ہے۔ ورنہ اکثر اور عموماً واحد مخاطب اور جمع مخاطب دونوں کے لئے (آپ) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

آپ تعظیماً واحد غائب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے اگرچہ لوگ طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے تھے مگر آپ کو کبھی ملال نہ ہوتا۔ یا جب کوئی شخص کسی کو دوسرے سے ملاتا ہے تو تعظیماً کہتا ہے کہ آپ فلاں شہر کے رئیس ہیں۔ آپ شاعر بھی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

(ہم) ضمیر متکلم جمع میں استعمال ہوتا ہے، لیکن بڑے لوگ بجائے واحد متکلم کے بھی استعمال کرتے ہیں۔ جیسے ہم نے جو حکم دیا تھا اس کی تعمیل کیوں نہیں کی گئی۔ نظم میں یہ تخصیص نہیں وہاں اکثر واحد متکلم کے لئے بھی آتا ہے

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تیری عادت ہی سہی

ایک ہم ہیں کہ دیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنھیں تصویر بنا آتی ہے

کبھی متکلم عمومیت کے خیال سے (ہم) استعمال کرتا ہے جیسے ایک روز

ہمیں یہ سب کچھ چھوڑنا پڑے گا۔ ترقی کیسی ہماری حالت ہی اس قابل نہیں۔
کبھی متکلم اپنے لئے (ہم) کا استعمال کرتا ہے۔ جیسے یہ چند روزہ صحبت غنیمت ہے ورنہ پھر ہم کہاں تم کہاں۔ ہماری قسمت ہی بری ہے جو کام کیا بگڑ گیا۔ وہ بڑے ضدی ہیں کسی کو کیوں ماننے لگے آخر ہمیں کو دبنا پڑا۔

بعض اوقات اس کا استعمال مبہم ہوتا ہے اور یہ صحیح طور سے نہیں معلوم ہوتا کہ متکلم کے ساتھ اور کون شریک ہیں۔ مثلاً کوئی کہے "میرا ساتھ کون دے گا" اس کے جواب میں دوسرا شخص کہے "ہم سب تمہارا ساتھ دیں گے" اگرچہ کہنے والا واحد ہے مگر دوسروں کو بھی شریک کر لیتا ہے۔
بعض اوقات اس کے ساتھ دوسرے الفاظ کا اضافہ کیا جاتا ہے جیسے ہم رعایائے سرکار۔ ہم شرکائے مجلس۔
کبھی کبھی محض انکسار کی غرض سے جب کہ اپنی شخصیت کا اظہار سننے والوں کے سامنے مناسب خیال نہیں کیا جاتا۔ گویا متکلم اپنی رائے یا فعل کو دوسروں کی آڑ میں چھپا لیتا ہے جیسے ہماری رائے میں تعلیم کی اصلاح میں نہایت سرگرمی سے کوشش کرنی چاہئے۔
اس کا استعمال زیادہ تر اخباروں کے اڈیٹر کرتے ہیں جو گویا اہل ملک کے نائب ہیں۔

بعض اوقات ہمارا اور ہماروں کا لفظ واحد متکلم کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے یار تو گوشۂ تنہائی میں رہتے ہیں کہیں آئیں نہ جائیں۔ یاروں سے بچ کر کہاں جائے گا۔ یاروں کا لفظ واحد متکلم اور جمع متکلم دونوں کے لئے آتا ہے مگر عموماً بے تکلفی کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ یہ استعمال کسی قدر عامیانہ

سمجھا جاتا ہے۔

کیا مد نظر تم کو ہے یاروں سے تو کہئے
گر منہ سے نہیں کہتے اشاروں سے تو کہئے

(ذوق)

جب کسی جملے میں کوئی اسم یا ضمیر فاعلی حالت میں ہو اور وہی مفعول بھی واقع ہو تو بجائے ضمیر مفعولی کے "آپ کو، اپنے تئیں، یا اپنے آپ کو" استعمال کرتے ہیں جیسے احمد آپ کو دور کھینچتا ہے یا اپنے تئیں بڑا آدمی سمجھتا ہے یا اپنے آپ کو فاضل خیال کرتا ہے۔

اسی طرح جب کوئی اسم یا ضمیر کسی فقرے میں فاعل ہے اور اس کی اضافی حالت لانی منظور ہو تو بجائے اصل ضمیر اضافی کے اپنا، اپنی، یا اپنے حسب موقع استعمال ہوں گے، جیسے احمد اپنی حرکت سے باز نہیں آتا۔ تم اپنا کام کرو مجھے اپنے کام سے فرصت نہیں۔ وہ خود تو چلے گئے مگر اپنا کام مجھ پر چھوڑ گئے۔ یہ اسی حالت میں ہے جب کہ فاعل ایک ہو۔ اگر فاعل الگ الگ ہیں تو (اپنے) کی ضمیر نہیں آئے گی بلکہ جس ضمیر کا موقع ہوگا اسی کی اضافی حالت لکھی جائے گی جیسے وہ تو چلے گئے مگر اُن کا کام مجھ پر آپڑا۔ یہاں چلے گئے کا فاعل وہ ہے اور آپڑا کا فاعل اُن کا کام ہے۔ جیسے تم تو چلے گئے مگر تمہارا کام اُنھوں نے مجھے سونپ دیا۔ یہاں چلے گئے کا فاعل تم ہے اور سونپ دیا کا فاعل اُنھوں نے

اپنا، اپنی اور اپنے مضاف کے لحاظ سے حسب ترتیب واحد مذکر، واحد و جمع مؤنث اور جمع مذکر کے لئے آتے ہیں۔ اگر حرف ربط میں سے کوئی مضاف کے بعد آجاتا ہے تو (اپنا) بدل کر (اپنے) ہو جاتا ہے۔ جیسے وہ اپنے کام سے غافل ہے۔ وہ اپنے ہوش میں نہیں۔

دراصل ایسے فقروں میں اصل ضمیریں اپنا، اپنے اپنی سے بدل گئی ہیں۔ مثلاً مجھے اپنے کاموں سے فرصت نہیں۔ اصل میں تھا۔ مجھے میرے کاموں سے فرصت نہیں۔

آپ اور اپنا دوسرے ضمائر کے ساتھ تاکید کے لئے بھی آتے ہیں۔ مثلاً حالت فاعلی میں، میں آپ گیا تھا۔ وہ آپ آئے تھے۔ ہم آپ آئے تھے۔ تم آپ گئے تھے۔ حالت اضافی میں جیسے میرا اپنا کام تھا۔ یہ اُن کا اپنا باغ ہے۔

میرا اپنا جدا معاملہ ہے
اور کے لین دین سے کیا کام (غالب)

فارسی کا لفظ خود بھی (جس کے معنی آپ یا اپنے لکھے ہیں) انھیں معنوں میں آتا ہے جیسے اُنھوں نے خود فرمایا۔ خود بعض حالتوں میں زیادہ فصیح ہے، اور خصوصاً حالت مفعولی میں۔ جیسے مَیں نے خود اُسے دیا، یہاں خود کے استعمال سے ابہام پایا جاتا ہے کہ خود کا تعلق (میں) سے ہے یا (اُسے) سے۔ لہٰذا اس کے رفع کرنے کے لئے ایسے موقعوں پر استعمال کی یہ صورت ہونی چاہئے کہ جس لفظ سے اس کا تعلق ہو اس کے اوّل استعمال کیا جائے۔ مثلاً اگر یہاں خود کا تعلق (میں) سے ظاہر کرنا مقصود ہو تو یوں کہا جائے "خود میں نے اُسے دیا"، مگر حالت اضافی میں خود کا استعمال فصیح نہیں ہے۔ ایسے موقع پر (اپنا) زیادہ فصیح ہے۔ مثلاً "خود کا کام خود کرنا چاہئے" کی بجائے "اپنا کام آپ کرنا چاہئے" زیادہ فصیح ہو گا۔

۲۔ ضمیر موصولہ } وہ ہے جو کسی اسم کے بجائے آتی ہے مگر اس کے ساتھ ہمیشہ ایک جملہ ہوتا ہے جس میں اس کے اسم کا بیان

ہوتا ہے۔ جیسے وہ کتاب جو کل چوری گئی تھی مل گئی۔ آپ کے دوست جو چیچک رو ہیں مجھے ملے تھے۔ پہلے جملے میں (جو) کتاب کے لئے اور دوسرے میں (جو) دوست کے لئے اور ساتھ کے جملوں میں دونوں اسموں کا بیان ہے۔

ضمیر موصولہ صرف (جو) ہے جس کی مختلف حالتیں یہ ہیں۔

	واحد	جمع
فاعلی حالت	جس نے	جنھوں نے
مفعولی حالت	جس کو یا جسے	جن کو یا جنھیں
اضافی حالت	(مذکر) جس کا	جن کا
	(مؤنث) جس کی	جن کی

جن کو، جنھیں، جنھوں نے، جن کا، اگرچہ جمع ہیں مگر تعظیماً، واحد کے لئے آتے ہیں جس اسم کے لئے یہ ضمیر آتی ہے اسے مرجع کہتے ہیں

ضمیر موصولہ ہمیشہ ایک جملے کے ساتھ آتی ہے اور دوسرا جملہ اس کے جواب میں ہوتا ہے مثلاً وہ کتاب جو کل خریدی تھی، دوسرا "وہ کتاب جاتی رہی"۔ اس میں "جو" ضمیر موصولہ ہے۔

(جو) حالت فاعلی میں واحد اور جمع دونوں میں یکساں استعمال ہوتا ہے، مگر جب فاعل کے ساتھ نے ہو تو واحد میں (جو) بدل کر (جس) اور جمع میں (جنھوں) ہو جاتا ہے۔ مثلاً جس نے ایسا کیا برا کیا۔ وہ لوگ جنھوں نے قصور کیا تھا معاف کر دیئے گئے۔

کبھی (جو) کے جواب میں فقرہ ثانی میں (سو) آتا ہے جیسے جو ہو سو ہو جو چڑھے گا سو گرے گا۔

(جون بھی ہندی میں ضمیر موصولہ ہے۔ مگر اُردو میں (سا) کے ساتھ ملکر آتا ہے جیسے ان میں سے جون ساچاہو لے لو۔ جمع میں (جون سے) اور واحد و جمع مؤنث میں (جون سی) استعمال ہوتا ہے۔

کبھی (کہ) بطور ضمیر موصولہ کے استعمال ہوتا ہے جیسے

مَیں کہ آشوب جہاں سے تھا ستم دیدہ بہت
اس کو سمجھا غنیمت دل غم دیدہ بہت (آزاد)

جو، جس اور جن بہ تکرار بھی آتے ہیں، اور واحد یا جمع کی حالت میں ان کا اطلاق فرداً فرداً ہوتا ہے۔ مثلاً جو جو پسند ہو لے لو۔ جن جن کے پاس گیا انھوں نے یہی جواب دیا۔

ضمائر استفہامیہ

جو سوال پوچھنے کے لئے آتی ہیں، وہ ہیں۔ کون اور کیا۔ کون، جاندار کے لئے آتا ہے، (کیا) بے جان کے لئے۔

جیسے کون کہتا ہے، کیا چاہیئے۔

(کون) کی مختلف حالتیں یہ ہیں۔

	واحد	جمع
فاعلی	کون (نے کے ساتھ)	کون اور (نے کے ساتھ)
مفعولی حالت	کسے یا کس کو، کس سے	کن کو یا کنھیں، کن سے
اضافی حالت	کس کا	کن کا

جیسے۔ کون کہتا ہے، کس نے کہا، کس کے پاس ہے، کس کو دیا؟ کن

اب صورت فاعلی میں ضمیر کے بجائے نہیں آتا ہے بلکہ ہم کے ساتھ آتا ہے جیسے کن لوگوں نے کہا؟۔

کس کس، کن کن اور کیا کیا بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے کس کس کو روؤں، کن کن سے کہوں، کیا کیا کروں ؟

کون کون بھی بولتے ہیں۔ جیسے وہاں کون کون تھے۔

ان فقروں میں فعل کئی اشخاص یا اشیا پر فرداً فرداً واقع ہوتا ہے اور جمع کا ہونا بتاتا ہے۔

کون سا (کون سی، کون سے) بھی بجائے ضمیر مستعمل ہے۔ کون اور کون سا میں فرق اتنا ہے کہ (کون سے) میں ذرا خصوصیت پائی جاتی ہے، اور یہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کہ کئی چیزوں میں سے کسی ایک کا انتخاب مقصود ہو۔ مثلاً ان میں سے کون سی چاہیے؟ یہاں (کون) نہیں کہیں گے۔ (سا) کے ساتھ (کون) اشخاص اور اشیا دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ضمیر اشارہ } جو بطور اشارہ کے استعمال ہوتی ہے (وہ) بعید کے لئے اور (یہ) قریب کے لئے۔ ضمائر اشارہ اور ضمائر غائب شخصی ایک ہی ہیں لیکن جب بطور اشارہ استعمال ہوتی ہیں تو انھیں ضمائر اشارہ کہتے ہیں۔ جیسے وہ لوگ یا یہ۔ حروف ربط کے آنے سے وہ اس سے اور یہ اُس سے بدل جاتا ہے اور جمع میں اُن اور اِن ہوجاتا ہے۔

دین اور فقر تھے کبھی کچھ چیز
اب دہرا کیا ہے اس میں اور اس میں

ضمائر تنکیر } وہ ہیں جو غیر معین اشخاص یا اشیا کے لئے آئیں۔ ضمائر تنکیر دو ہیں، کوئی، اور، کچھ، (کوئی) اشخاص کے لئے اور کچھ اشیا کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے

کوئی ہے؟ کوئی نہیں بولتا کچھ ہے یا نہیں؟ کچھ نہ کہو۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے؟

حروف ربط کے آنے سے، کوئی، کی صورت، کسی، ہو جاتی ہے جیسے کسی کے پاس نہیں۔ کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھیری۔

جب یہ ضمائر تکرار کے ساتھ کوئی کوئی اور کچھ کچھ استعمال ہوتی ہیں تو اس میں خاص زور پایا جاتا ہے مگر معنے قلت کے آتے ہیں جیسے اب بھی کوئی کوئی نظر پڑ جاتا ہے، اگرچہ نایاب ہے مگر کسی کسی کے پاس اب بھی مل جاتی ہے، ابھی کچھ کچھ زور باقی ہے۔ نفی کے ساتھ بھی یہ تکرار آتا ہے جیسے ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا۔ کوئی نہ کوئی مل رہے گا۔

عربی کے الفاظ، بعض، اور بعضے، بھی ضمیر تنکیر کا کام دیتے ہیں بعض کا یہ خیال ہے بعض کہتے ہیں "بعض" تکرار کے ساتھ بھی آتا ہے جیسے بعض بعض ایسے بھی ہیں۔ اسی طرح، فلاں، کل، اور، چیز، بھی بطور ضمیر تنکیر کے استعمال ہوتے ہیں۔

ضمائر تنکیری دوسرے ضمائر کے ساتھ مل کر مرکب بھی آئی ہیں جیسے جو کوئی، جو کچھ، جس کسی، ہر کوئی، جیسے جس کسی سے کہتا ہوں وہ اُلٹا مجھی کو قائل کرتا ہے۔ جو کچھ کہو بجا ہے۔ ہر کوئی یہی کہتا ہے۔ جو کچھ ہے غنیمت ہے۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔

صفات ضمیری { یہ وہ صفات ہیں جن میں کہ دہیں ضمیر کی خاصیت بھی پائی جاتی ہے۔ یہ الفاظ جو اس میں داخل ہیں یا صفات ہوتے ہیں یا ضمیر، اسم کے ساتھ آنے سے صفات ہو جاتے ہیں اور بغیر اسم کے ضمیر، ان میں سے ایک تو وہ ہیں جو ضمیری مادوں کے آگے، تا، تنا، اور

اسا، بڑھ کر بنائے گئے ہیں اور باقی دوسرے الفاظ ہیں۔ ضمیری مادے ہندی میں پانچ ہیں۔

(۱) یا या ای ई (۲) وا वा او उ (۳) جا जा اسی جی जि
(۴) سا सा ۔ تی ति (۵) کا का کی कि

ان صفات کی دو قسمیں ہیں ایک صفات ذاتی دوسری صفات مقداری۔

صفات مقداری	صفات ذاتی
اِتنا (اِتّا)	ایسا
اُتنا (اُتّا)	ویسا
جتنا (جتّا)	جیسا
کتنا (کتّا)	کیسا

ان کے علاوہ دوسرے الفاظ یہ ہیں۔

ایک دوسرا، دونوں، اور، بہت، بعض، بعضے، نیز، سب، ہر، فلاں (فلانا)، کئی، کے، چند، کُل۔

ایک ورصفت عددی ہے۔ جب ضمیر ہوتا ہے تو اس کے جواب میں دوسرا آتا ہے۔ جیسے ایک یہ کہتا ہے، دوسرا یہ کہتا ہے۔ کبھی جواب میں دوسرے کے بجائے (ایک) ہی استعمال ہوتا ہے جیسے ایک آتا ہے ایک جاتا ہے۔ کبھی ایک اور دوسرا مل کر آتے ہیں اور تعلق باہمی ظاہر کرتے ہیں جیسے ایک دوسرے سے محبت کرو۔

ہر، کبھی اکیلا اور بطور اسم کے استعمال نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ (ایک) یا (کوئی) کے ساتھ مل کر آتا ہے۔ ہر ایک، ہر کوئی۔ ایسی حالت میں اسے

ضمیر کہہ سکتے ہیں۔

اور جیسے، مجھے اور سے کیا مطلب۔ اس کی جمع بھی آتی ہے۔ جیسے مجھے اوروں سے کیا غرض۔

"بہت" کی ایک اور صورت "بہتیرا" ہے جس سے کثرت ظاہر ہوتی ہے اور اکثر تمیز فعل واقع ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سا بھی مستعمل ہے بہت سے، بہتیرے، بطور ضمیر کے استعمال ہوتے ہیں جیسے بہتیرے یہ رائے رکھتے ہیں۔ بہت سے یہ کہتے ہیں۔

"کئی" اور "کے بطور ضمیر کے بھی آتے ہیں: کئی، کے ساتھ "ایک" بھی مل کر آتا ہے۔ جیسے کئی ایک اور اسی طرح کتنے ایک بھی مستعمل ہے۔ مثلاً کے جا ہنیں ہ کئی ایسے ہیں جو اسے نہیں مانتے۔ کئی ایک کی یہ رائے ہے۔ بعض کی یہ رائے ہے۔ سب چلے گئے وغیرہ۔

ضمائر کے ماخذ } اُردو کی تمام ضمیریں ہندی ہیں جو سنسکرت اور پراکرت سے ماخوذ ہیں۔ ان کی اصل کا پتا لگانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا لہذا مختصر طور پر یہاں بحث کی جاتی ہے۔

مَیں سنسکرت میں ضمیر واحد متکلم "میا" پراکرت میں "مے" اردو افعال متعدی ہیں جن کے ساتھ "نے" استعمال ہوتا ہے وہ زائد ہے چنانچہ مارواڑی قدیم بیسواڑی اور دیگر پُرانی ہندی اور دکنی میں بغیر نے کے استعمال ہوتا ہے۔ پنجابی میں بھی "میں" ہے، مرہٹی میں "می" آتا ہے۔

تو۔ سنسکرت کی واحد صورت فاعلی "توم" سے ہے۔ ہندی کی بعض زبانوں (مثلاً مارواڑی اور قدیم بیسواڑی نیز پُرانی اُردو میں "توں" اور "تیں" استعمال ہوتا ہے)۔

مجھ اور تجھ پراکرت کی اضافی حالت مجّھا اور تجّھا سے پیدا ہوئے ہیں جو بجائے مہہ اور تہہ کے ہیں۔ مہا اور تہا عوام کی پراکرت میں استعمال ہوتا تھا۔ پراکرت صورت مجّھا اور تجّھا کے آگے (ہی) کے اضافہ کرنے کے مجّھا ہی تجّھا ہی ہوا اور اس سے مجھے تجھے بنے۔

میرا، تیرا اسی طرح بنے کہ قدیم اضافی صورت مہا کے آگے حرف اضافت کیرا یا کیرو بجائے کیراکو (سنسکرت کرتا) بڑھا دیا گیا۔ بعض قواعد نویسوں نے عوام کی پراکرت کی صورت اضافی مہاکیرو بتائی ہے جن سے میرا بنا ہے۔ چنانچہ مارواڑی اور بسواڑی میں مہانرو، مہانلو مستعمل ہے۔ پراکرت کا کاف اڑ گیا، اس کے بعد میرو یا میرا اور تیرا بن گیا۔

(۴) ہم، پراکرت کی جمع متکلم حالت فاعلی مہے (امہے) سے بنا ہے؛ یہ صورت مارواڑی زبان میں اب تک قائم ہے۔ بنگالی "آمی" گجراتی "امے" مرہٹی "امہی" مفعولی حالت، ہمیں بھی اسی سے بنی ہے کیوں کہ اس کی پراکرت صورت امہائیں ہے اور اسی طرح تمہیں تمہائیں سے بن گیا ہمارا تمہارا کی اصل یہ ہے کہ امہا اور تمہا کے آگے پراکرت علامت کراکا "د" بڑھا دی گئی ہے۔ اس سے امہاکراکو اور تمہاکراکو بنا۔ اس سے برج کا ہمارو اور تمہارو ہوا اور اس سے ہندی ہمارا، تمہارا۔

(۵) یہ، سنسکرت کے لفظ اِشہ سے نکلا ہے۔ ہندی کی مختلف شاخوں میں یہ لفظ ذرا ذرا سے فرق سے موجود ہے۔ مثلاً یا، یہ، یہو، ایہ، ایہ، ہے لیکن یہ سب صورتیں اشہ سے نکلی ہیں اور ان سب میں ہ موجود ہے لیکن ایک دوسری صورت یو اور یا ہے جو یورپ میں مستعمل ہے۔ یہ غالباً پراکرت "امو" سے نکلی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جس طرح اشارہ قریب کی صورتیں اشہ اور

اماہ سے نکلی ہیں اسی طرح اشارۂ بعید وہ، تُم شہ اور اُ ماہ سے نکلا ہوگا۔ پُرانی دکنی اُردو میں یہ کے لئے "اے" بھی استعمال ہوا ہے۔

جہ، سو اور کون ، سنسکرت کے ضمائر یہہ، سہہ، اور کہہ سے نکلے ہیں۔ کون کے متعلق بعض کا یہ خیال ہے کہ سنسکرت کی مفعولی حالت کم سے بنا ہے۔ اسی طرح دجون پر قیاس کرنا چاہئیے۔

سنسکرت کی واحد اضافی حالت جیسیا تھی، پراکرت جسا (جیم کا زبر) یا جِسا (جیم کا زیر) ہوئی۔ آخری حرف علت گر گیا اور "جس" کی صورت قائم ہو گئی سنسکرت "کا کوپی" پراکرت میں دکوبی، ہوا اور اسی سے ہندی کوئی نکلا (کا) یا (کی)، تمام ضمائر تنکیر او ضمائر استفہامیہ کا اصل مادہ ہے "کسی، بھی اسی مادے سے نکلا ہے۔ سنسکرت میں اضافی حالت کسیاپی تھی، اس سے کسی، بنا۔

کیا، ہندی (کاہ) یا (کہا)، ان کی اصل بھی دکی، معلوم ہوتی ہے۔

سنسکرت کے کسچت سے کچھک اور اس سے کچھ بنا۔

آپ (بمعنی خود) کی اصل سنسکرت کا لفظ آتمن ہے۔

آپ نے اور اپنا۔ پراکرت کی صورت آتملکا سے ماخوذ ہے۔

آپس کی نسبت یہ خیال ہے کہ وہ پراکرت کی صورت اضافی آپپا سے بنا ہے۔

آپ (تعظیمی)، بھی آتمن سے ماخوذ ہے جو بعض ہندی بولیوں میں آپن اور آپو ہوا اور وہاں سے آپ بنا۔

فعل

فعل وہ ہے کہ جس سے کسی شے کا ہونا یا کرنا ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے تماشا شروع ہوا۔ اس نے خط لکھا۔ ریل چلی۔

فعل کی بلحاظ معنوں کے تین قسمیں ہیں۔

۱۔ لازم

۲۔ متعدی

۳۔ ناقص

فعل لازم وہ ہے جس میں کسی کام کا کرنا پایا جائے، مگر اس کا اثر صرف کام کرنے والے یعنی فاعل تک رہے اور بس۔ جیسے احمد آیا۔ پپیہا بولا۔

فعل متعدی وہ ہے جس کا اثر فاعل سے گزر کر مفعول تک پہنچے (مفعول یعنے جس پر فعل واقع ہو) جیسے احمد نے خط لکھا۔ یہاں لکھا فعل ہے، احمد اس کا فاعل اور خط (جس پر لکھنے کا فعل ہوا ہے) مفعول ہے۔

فعل ناقص وہ ہے جو کسی پر اثر نہ ڈالے بلکہ کسی اثر کو ثابت کرے جیسے احمد بیمار ہے۔ اس جملے میں فعل کا کرنا نہیں بلکہ ہونا پایا جاتا ہے۔ احمد جو یہاں فاعل ہے کام کرنے والا نہیں بلکہ فعل کا سہنے والا ہے اور ''بیمار'' اس کی حالت کی خبر دیتا ہے۔

افعال ناقص اکثر یہ آتے ہیں۔ ہونا، بننا، نکلنا، رہنا، پڑنا، لگنا، نظر آنا، دکھائی دینا۔ ان میں ہونا تو ہمیشہ فعل ناقص کے طور پر استعمال ہوتا ہے،

لیکن باقی افعال کبھی لازم ہوتے ہیں اور کبھی ناقص علاوہ ان کے، ہو جانا، بن جانا، معلوم ہونا، بھی افعال ناقص کا کام دیتے ہیں جیسے وہ مکار معلوم ہوتا ہے وہ پاگل ہو گیا۔

مثالیں

وہ چالاک ہے۔ احمد بے خبر تھا (ہونا فعل ناقص)

وہ جاہل ہی رہا	(ناقص)	وہ شہر میں رہتا ہے	(لازم)
وہ بڑا بے وقوف نکلا	ایضاً	وہ دروازے سے نکلا	ایضاً
وہ امیر بن گیا	ایضاً	میں ڈاکٹر بنوں گا	ایضاً
وہ بیمار نظر آتا ہے	ایضاً	تم کو کچھ نظر نہیں آتا	ایضاً
وہ ہشیار دکھائی دیتا ہے	ایضاً	وہ مجمع میں کہیں دکھائی دیتا تھا	ایضاً
وہ بھلا لگتا ہے	ایضاً	اس کے اینٹ لگی	ایضاً
وہ بیمار پڑا ہے	ایضاً	میں وہاں پڑا رہا	ایضاً

ان کے علاوہ چند افعال ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو بصورت تو لازم ہیں لیکن معناً ان کا میلان مجہول کی طرف کو ہوتا ہے۔ فعل کی یہ سب سے سادہ اور ابتدائی قسم ہے جیسے۔ پٹنا، کھلنا، بجنا، بکنا، گھٹنا، کٹنا، وغیرہ وغیرہ مثلاً دروازہ کھلا، مال بکا، احمد پٹا۔ اس میں کسی قدر مجہول کی شان پائی جاتی ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ یہ افعال درحقیقت نہ تو متعدی ہیں اور نہ لازم کیونکہ فاعل کا فعل ثابت نہیں۔

لوازم فعل

افعال میں علاوہ جنس و تعداد کے تین چیزیں اور بھی پائی جاتی ہیں۔

۱۔ طور ۲۔ صورت ۳ زمانہ

طورِ فعل۔ وہ حالت ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کام خود فاعل سے صادر ہوا یا کام کا اثر کسی پر واقع ہوا فعل کے طور دو ہیں۔

جب فاعل کے کام کا اثر کسی دوسری شے یا شخص پر واقع ہو تو اُسے معروف کہتے ہیں، جیسے احمد نے نوکر کو مارا۔ یہاں فاعل کے کام کا اثر نوکر پر واقع ہوتا ہے۔ مگر جب صرف وہ شے یا شخص معلوم ہو جس پر اثر واقع ہوا ہے اور فاعل معلوم نہ ہو تو اِسے مجہول کہتے ہیں، جیسے اُسے خط سُنایا گیا۔ یہاں سُنانے والا یعنے فاعل نامعلوم ہے اس لئے اُسے مجہول کہتے ہیں۔ مجہول کے معنے نامعلوم کے ہیں۔

ہر فعل کی کوئی نہ کوئی صورت ہوتی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فعل (کام) کس ڈھنگ سے ہوا۔

فعل کی پانچ صورتیں ہوتی ہیں۔

۱۔ خبری ۲۔ شرطی ۳۔ احتمالی

۴۔ امری ۵۔ مصدری

۱۔ خبری صورت وہ ہے جو کسی واقعے کی خبر دے یا کسی امر کے متعلق استفسار کرے جیسے حامد گر پڑا۔ آپ پانی پئیں گے؟

۲۔ شرطی صورت فعل کی وہ صورت ہے جس میں شرط یا تمنا پائی جائے، خواہ حرف شرط ہو یا نہ ہو، جیسے وہ آتے تو میں بھی چلتا۔ اس میں بعض اوقات توقع اور خواہش کا بھی اظہار ہوتا ہے، جیسے وہ آتا تو خوب ہوتا۔ یہ مکان مجھے مل جاتا تو اچھا ہوتا۔

۳۔ احتمالی صورت جس میں احتمال یا شک پایا جائے. جیسے۔ اسی نے

لکھا ہو گا۔ ممکن ہے کہ وہ نہ گیا ہو۔ شاید وہ آ جائے۔

۴۔ امری صورت جس میں حکم التجا پائی جائے جیسے پانی لاؤ۔ تشریف لائیے۔

۵۔ مصدری صورت، جس میں کام کا ہونا بلا تعین وقت کے ہو۔ اس کے آخر میں ہمیشہ (نا) ہوتا ہے۔ جیسے ہونا، کرنا، کھانا۔ حقیقت میں یہ ایک قسم کا فعلی اسم ہے جو تجریدی طور پر فعل کے کام یا حالت کو بتاتا ہے اور زمانہ اور تعداد سے بری ہوتا ہے۔

زمانہ فعل کے لئے زمانے کا ہونا ضرور ہے۔ زمانے تین ہیں۔ گذشتہ جسے ماضی کہتے ہیں، موجودہ، جسے حال کہتے ہیں اور آئندہ جس کا نام مستقبل ہے۔ ہر فعل یا کام کا تعلق بلحاظ زمانے کے ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ ضرور ہوگا۔ مادہ۔ مصدر کی علامت (نا) گرا دینے سے فعل کا مادہ رہ جاتا ہے اور اس سے اکثر باقاعدہ افعال بنتے ہیں۔ مثلاً (ملنا) کا مادہ مل ہے اور چلنا کا چل۔ ہندی فعل کا مادہ صورت میں امر مخاطب کے مشابہ ہوتا ہے۔

حالیہ ناتمام و تمام۔ فعل کے مادے سے حالیہ ناتمام و تمام بنتے ہیں۔

۱۔ حالیہ ناتمام۔ مادے کے آخر میں تا بڑھانے سے بنتا ہے۔

۲۔ حالیہ تمام مادے کے آخر میں (ا) بڑھانے سے بنتا ہے۔

ذیل کی مثالوں سے پوری کیفیت معلوم ہو گی۔

مصدر	مادہ	حالیہ ناتمام	حالیہ تمام
ٹلنا	ٹل	ٹلتا	ٹلا
ڈرنا	ڈر	ڈرتا	ڈرا
کھلنا	کھل	کھلتا	کھلا

لیکن جہاں مادے کے آخر میں ری، یا دو، ہو گا، وہاں (یا) بڑھانا پڑے گا۔ جیسے کھا سے کھایا، پی سے پیا، کھو سے کھویا۔
یہ بھی خیال رہے کہ جب آخر میں (ی) معروف ہے، تو حالیہ تمام کے اوّل اس کی صورت صرف زیر کی رہ جاتی ہے، جیسے پی سے پیا۔
مؤنث اور جمع کی صورت میں تبدیلی عام قاعدے کے مطابق ہوتی ہے

جیسے

مذکر واحد	مذکر جمع	مؤنث واحد	مؤنث جمع
لاتا	لاتے	لاتی	لاتیں
لایا	لائے	لائی	لائیں

سہ حرفی مادوں میں دوسرے حرف کی حرکت ساکن ہو جاتی ہے جیسے نکل سے نکلا، پھسل سے پھسلا وغیرہ۔
البتہ چند مفصلہ ذیل مصادر میں حالیہ خلاف مادہ افعال آتا ہے ہونا، سے ہوا۔ مرنا، سے موا۔ کرنا، سے کیا۔ دینا، سے دیا۔ لینا، سے لیا۔ جانا سے گیا۔
تیسری صورت حالیہ معطوفہ کی ہے جو مادے کے آخر "کے" یا "کر" لگانے سے بنتا ہے۔ جیسے کھا کر، جا کر، مل کے، سن کے۔
جب حالیہ کے ساتھ (ہوا) آتا ہے تو صفت کے معنے دیتا ہے جیسے کھویا ہوا، روتا ہوا وغیرہ۔ بعض اوقات ہوا کے بغیر بھی صفت کا فائدہ دیتا ہے جیسے کھلا مکان۔ بیٹھا جھونا، روتی صورت۔

افعال کے مختلف صیغوں کے بنانے کا طریقہ۔

افعال کے مختلف صیغے تین طرح سے بنتے ہیں۔ اوّل مادہ سے، دوم

حالیہ تمام اور امدادی افعال کے ذریعے سے، سوم حالیہ ناتمام اور امدادی افعال کی مدد سے۔

ہر کام کی تین حیثیتیں ہوتی ہیں (۱) کام جو ختم ہو چکا ہے (۲) جو شروع ہو چکا ہے اور ختم نہیں ہوا (۳) جو ابھی شروع نہیں ہوا۔ افعال کے تمام صیغے ان تین شقوں میں آجاتے ہیں۔ اب ہم زمانے کے لحاظ سے مختلف افعال کے بنانے کا ذکر کرتے ہیں لیکن اس سے قبل فعل (ہونا) کی گردان لکھ دینی مناسب معلوم ہوتی ہے کیونکہ ماضی اور حال کے اکثر صیغے اسی فعل کی مدد سے بنتے ہیں۔

ماضی

واحد	جمع
وہ تھا	وہ تھے
تو تھا	تم تھے
میں تھا	ہم تھے

حال

واحد	جمع
وہ ہے	وہ ہیں
تو ہے	تم ہو
میں ہوں	ہم ہیں

امر

واحد	جمع
تو ہو	تم ہو

ہو جئے۔ ہو جیے گا
ہوں۔

مستقبل

جمع	واحد
وہ ہوں گے	وہ ہو گا
تم ہو گے	تو ہو گا
ہم ہوں گے	ہیں ہوں گا

(در اصل ہونا کا تعلق ان صیغوں سے کچھ نہیں، کیوں کہ ہونا سنسکرت کے فعل ’بھو‘ سے نکلا ہے۔ حالاں کہ حال کے صیغے سنسکرت کے مادے (اس) سے اور ماضی کے صیغے دستھا سے نکلے ہیں۔ لیکن اب ہندی اور اُردو میں یہ تمام صیغے ہونا ہی کے تحت میں لکھے جاتے ہیں)

ماضی

افعال ماضی کے اقسام یہ ہیں۔ ماضی مطلق، ناتمام، تمام شرطیہ، تمنائی، احتمالی۔

ماضی مطلق وہ ہے جس سے محض ایک فعل کے گذشتہ زمانے میں واقع ہونے کی خبر ملے اور بس۔ جیسے احمد گیا، موہن بھاگا۔

ماضی مطلق اس طرح بنتی ہے کہ مادۂ فعل کے آخر (ا) بڑھایا جاتا ہے جیسے بھاگ سے بھاگا لیکن اگر مادۂ فعل کے آخر میں دالف، یا، واؤ، ہو تو بجائے الف، کے ’یا‘، بڑھا دیتے ہیں مثلاً رو سے رویا، کھا سے کھایا مے اور دے ہیں ”الف“ کے اضافے سے ”ل“ اور ”د“ کا تلفظ زیر سے کیا جاتا ہے، جیسے لیا، دیا۔

جا سے گیا۔ کر سے کیا اور مر سے ہوا، بے قاعدہ ہیں۔ لیکن موا اب نہیں بولتے اس کے بجائے مر آتا ہے۔ موا صرف مرکبات میں صفت کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے ادھ موا، موئی مٹی۔

ماضی ناتمام یہ ظاہر کرتی ہے کہ گزشتہ زمانے میں کام جاری تھا جیسے وہ کھا رہا تھا، یا کھاتا تھا۔ آخری حالت سے بعض اوقات عادت ظاہر ہوتی ہے، جیسے جب کبھی وہ آتا تھا تو ان سے ملنے ضرور جاتا تھا۔ اس کے ظاہر کرنے کی دو اور صورتیں بھی ہیں، جیسے کھایا کرتا تھا، کھاتا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ ماضی ناتمام ایک اور طرح بھی ظاہر کی جاتی ہے مثلاً کہتا رہا، کھاتا رہا، نکلتا رہا۔ اکثر یہ صورت فعل کے متواتر جاری رہنے کو ظاہر کرتی ہے یا کسی ایسی حالت کو بتاتی ہے جب کہ دو کام برابر ہو رہے ہوں مثلاً میں ہر چند منع کرتا رہا، مگر وہ بکتا رہا۔ بارش ہوتی رہی اور وہ نہاتا رہا۔ سوائے ان صورتوں کے ماضی ناتمام کے ظاہر کرنے کی ایک اور صورت بھی ہے، جیسے پکارا کیا، بکا کیا، سنا کیا، معناً اس کی حالت بھی گزشتہ صورت کی سی ہے

بعض اوقات آخری علامت حذف ہو جاتی ہے۔ جیسے، اس میں لڑائی کی کیا بات تھی، وہ اپنا کام کرتا تم اپنا کام کرتے (یعنی کرتے رہتے)۔ میری عادت تھی کہ پہلے کھانا کھاتا پھر پڑھنے جاتا (یعنے کھاتا تھا اور جاتا تھا) جب کبھی وہ آتے ہزاروں باتیں سناجاتے (آتے تھے اور سنا جاتے تھے)۔

ماضی تمام (بعید) جس سے فعل کا زمانہ گزشتہ میں ختم ہو جانا پایا جاتا ہے حالیہ تمام کے بعد (تھا) بڑھانے سے بنتی ہے۔ جیسے میں دلی گیا تھا۔ اس کی دوسری صورت "چکا تھا" بڑھانے سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ اس میں زیادہ زور ہوتا ہے اور اکثر اس وقت استعمال ہوتی ہے جب کہ اس سے پیشتر ایک

اور کام ہو چکا ہو جیسے وہ میرے پاس آنے سے پہلے نکل چکا تھا۔ میں جا کر کیا کرتا، اس کا کام پہلے ہی ہو چکا تھا۔

ماضی احتمالی (یا شکیہ) جس میں احتمال یا شک پایا جائے۔

حالیہ تمام کے بعد ہو یا ہوگا بڑھانے سے بنتی ہے جیسے آیا ہو، لایا ہو آیا ہوگا، لایا ہوگا۔ آیا ہو میں احتمال کا پہلو زیادہ ہے اور آیا ہوگا میں کم جیسے وہ ضرور آیا ہوگا۔ ممکن ہے وہ آیا ہو۔

ماضی شرطیہ (یا تمنائی) جس میں شرط یا تمنا پائی جائے۔

مادۂ فعل کے بعد "تا" بڑھانے سے بنتی ہے جیسے آتا، جاتا، کرتا، اگر وہ آجاتا تو اچھا ہی ہوتا۔ بعض اوقات ماضی شرطیہ سے بھی احتمال کے معنے پیدا ہوتے ہیں جیسے کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ بن بلائے آجاتا۔ میرا خیال ہے کہ وہ آجاتا۔

دوسری صورت اس کی حالیہ تمام کے بعد "ہوتا" بڑھانے سے بنتی ہے جیسے گرا ہوتا، کھایا ہوتا۔ پہلی صورت میں فعل کے وقوع سے تعلق نہیں بلکہ ایک فرضی صورت ہے۔ دوسری صورت میں شرط فعل کے وقوع کے ساتھ ہے۔ کبھی یہ زمانۂ گذشتہ میں محض وقوع فعل کو ظاہر کرتی ہے، شرط یا تمنا کا کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ جیسے، تھیں کیا وہ اپنا کام کرتا یا نہ کرتا۔ اول میں تمہارے پاس آتا پھر وہاں جاتا یہ کیونکر ممکن تھا۔

فعل حال

فعل حال سے زمانۂ موجودہ کا اظہار ہوتا ہے۔

اس کی چھے قسمیں ہیں۔

۱۔ سب سے اوّل وہ سادہ، اور قدیم حال مطلق ہے جس کی صورت سے

اب تک اس کی اصل ظاہر ہے، مگر موجودہ حالت میں وہ صاف صاف زمانۂ حال کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ زمانۂ حال کے ساتھ اس میں کئی قسم کے معانی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اُردو قواعد نویسوں نے مضارع کے نام سے اُسے ایک الگ فعل قرار دیا ہے اور ماضی، حال اور مستقبل تینوں میں سے کسی ایک زمانے کے اندر رہو۔ بعض انگریزی قواعد نویسوں نے اسے مستقبل کے تحت میں لکھا ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ درحقیقت یہ حال ہے اور اب بھی اس میں حال کے معنے پائے جاتے ہیں اس لیے ہم نے اسے حال ہی کے تحت میں رکھا ہے، اگرچہ نام اس کا مضارع ہی مناسب ہوگا۔

مادۂ فعل کے آخر یائے مجہول بڑھانے سے مضارع بنتا ہے جیسے "لا" سے "لاے"۔ جمع غائب میں لائیں، مخاطب میں لاؤ اور لائیں متکلم میں لاؤں اور لائیں۔

مضارع کی جو موجودہ صورت ہے، یہی قدیم حال مطلق تھا، مثلاً "جاے ہے" کچھ عرصہ پہلے بطور حال مطلق کے استعمال ہوتا تھا، اور اب بھی کہیں کہیں بول چال میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی سے موجودہ حال مطلق "جاتا ہے" بنا ہے یعنی اس کے تغیرات کی صورت یہ ہوئی۔ جاوے، جاوے ہے، جائے ہے، جاوت ہے، اور جات ہے، اور جاتا ہے۔ جاتا ہے موجودہ فصیح حال مطلق ہے باقی صورتیں ملک کے مختلف حصوں میں مستعمل ہیں مگر فصیح نہیں سمجھی جاتیں لیکن موجودہ حال مطلق انھیں سے تراش خراش کر بن گیا ہے۔ زبان میں افعال اور دیگر اجزائے کلام کے متعلق وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں لیکن پھر بھی بعض قدیم صورتیں باقی رہ جاتی ہیں اور وہ خاص خاص حالتوں میں استعمال ہونے لگتی ہیں یہی حالت مضارع کی ہے۔ اصل ماہیت پر غور نہ کرنے سے

دھوکا ہوجاناہے۔

۲۔ امر یہ دوسری سادہ صورت حال کی ہے۔ امر کے معنی حکم کے ہیں یہ عموماً حکم اور التجا کے لئے آتا ہے جیسے جاؤ، چلو، دور ہو، تشریف رکھیے۔ اس کا فاعل اکثر محذوف ہوتا ہے۔ اس لیے کہ مخاطب سامنے موجود ہے۔ علامت مصدر گرا دینے کے بعد باقی امر رہ جاتا ہے جیسے کھانے سے کھا، آنے سے آ۔ لیکن بہ نظر ادب و اخلاق واحد کے لئے جمع بولتے ہیں جیسے دوسرے افعال میں بھی ہوتا ہے۔ جمع مخاطب امر میں واحد کے بعد واؤ یا یے بڑھا دیتے ہیں۔ کریئے بیٹھو، بیٹھیے۔ واحد سوائے بے تکلفی، بچوں یا نوکروں کو خطاب کرنے یا نظم میں یا خدا کو خطاب کرنے کے دوسرے مواقع پر استعمال نہیں ہوتا۔ آخری صورت صرف آپ کے ساتھ استعمال ہوتی ہے جیسے آپ بیٹھیے۔ آپ ابھی نہ جائیے۔

مخاطب کے لیے امر غائب جمع صیغہ تعظیماً استعمال کرتے ہیں جیسے آپ تشریف رکھیں، آپ وہاں نہ جائیں۔ کبھی اور زیادہ تعظیم کے لئے امر کے بعد "ی" اور ہمزہ بڑھا دیتے ہیں جیسے آیئے، کھایئے وغیرہ۔ یہ دونوں صورتیں آپ کے ساتھ استعمال ہوتی ہیں۔ جس سادہ امر کے آخر میں ی ہوتی ہے تو وہاں امر تعظیمی کے لئے قبل ی اور ہمزہ کے ج بڑھا دیتے ہیں کیونکہ تین "یا" اور ہمزہ کے ایک جگہ جمع ہونے سے تلفظ میں بہت دقت ہوتی ہے شرا کیجئے، دیجئے، پیجئے۔ چوں کہ یا اور جا کا اکثر بدل ہوتا ہے اس لئے سہولت کے خیال سے ج کا استعمال ہوا ہے۔ اس صورت میں امر کے آخر کی یائے مجہول بھی معروف ہو جاتی ہے جیسے دینا اور لینا کی "ے" دیجیے اور لیجیے میں۔ کیجیے کر سے نہیں بنا بلکہ کیا سے بنایا گیا ہے۔

کبھی اس تعظیمی صورت کے آخر میں مزید تعظیم کے لئے گا بھی بڑھا

دیتے ہیں۔ جیسے آئیے گا، فرمائیے گا، کیجئے گا، (یہ درحقیقت مستقبل کی صورت ہے)

کبھی امر مخاطب جمع کی علامت آخر واؤ کے پہلے ایک "ی" بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے بڑوں سے رہیو، بچوں سے بچیو۔ یہ صورت "تو اور تم" کے ساتھ استعمال ہوتی ہے، آپ کے ساتھ نہیں آتی جیسے یہاں آئیو۔ عموماً یہ صورت دعا کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ خدا تم کو زندہ و سلامت رکھیو۔ صد و بیست سال کی عمر ہو جیو۔ مشرکوں پر لعنت ہو جیو اب یہ صورت بہت کم استعمال ہوتی ہے۔

کبھی لیجے اور دیجے (بغیر یا) بھی مخاطب کے لیے استعمال ہوتے ہیں جیسے۔

آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجے
جاتا ہو تو اس کا غم نہ کیجے

لیکن اب اس کا استعمال نہیں ہوتا۔

۳۔ حال مطلق جس سے زمانہ حال عام طور پر بلا کسی تخصیص کے ظاہر ہوتا ہے جیسے آتا ہے، کھاتا ہے۔ یہ حالیہ ناتمام کے آگے واحد غائب میں اور واحد مخاطب میں "ہے" جمع مخاطب میں "ہو" اور واحد متکلم میں "ہوں" بڑھانے سے بنتا ہے۔ جمع غائب اور جمع متکلم کی ایک صورت ہے۔ وہ آتے ہیں، ہم آتے ہیں۔ آئے ہے، جائے ہے، اب متروک سمجھا جاتا ہے، اگرچہ بول چال میں اب بھی کہیں کہیں مستعمل ہے۔

۴۔ حال ناتمام، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کام جاری ہے اور ابھی ختم نہیں ہوا جیسے وہ آ رہا ہے، وہ کھا رہا ہے، میں پڑھ رہا ہوں۔
مادۂ فعل کے آگے رہا ہے، رہے ہیں، رہا ہوں بڑھانے سے بنتا ہے۔

حال ناتمام ایک دوسری طرح سے بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔ جیسے مٹا ئے جاتا ہے۔ ایک کو ایک کھائے جاتا ہے۔ اس میں کسی قدر زیادہ زور اور فعل کا پے در پے یا متواتر ہونا پایا جاتا ہے۔

۵۔ حال تمام۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کام ابھی ابھی ختم ہوا ہے۔ جیسے وہ آیا ہے، پیغام لایا ہے۔ حالیہ تمام کے بعد ہے 'ہیں' ہوں بڑھانے سے بنتا ہے۔

کبھی مادۂ فعل کے بعد چکا ہے، چکا ہوں، چکے ہیں بڑھانے سے حال تمام ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے وہ کھا چکا ہے، میں کھا چکا ہوں۔ اس صورت میں مزید تاکید اختتام فعل کی پائی جاتی ہے۔

۶۔ حال احتمالی۔ جس سے زمانۂ حال کے کسی فعل میں احتمال پایا جائے جیسے وہ آتا ہو یا وہ آرہا ہو۔ آتا ہو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کام قریب زمانے میں واقع ہوگا اگرچہ احتمال ہے۔ اور آرہا ہو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنے کا فعل جاری ہے یعنی ظن غالب ہے کہ وہ چل دیا ہے۔ حالت رفتار میں ہے اور آنے کی اُمید ہے۔ یہی معنے آتا ہوگا اور آرہا ہوگا سے بھی پیدا ہوتے ہیں اور دونوں صورتیں جائز ہیں۔

(بعض اوقات "گا" کے اضافے سے ماضی احتمالی کے معنی بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے آیا ہوگا، لایا ہوگا۔ کرتا ہوگا سے عادت پائی جاتی ہے مثلاً ہم کسی سے سوال کریں کہ تم نے کبھی اُسے ایسا کرتے دیکھا۔ وہ جواب میں کہے میں نہیں جانتا کرتا ہوگا)

فعل مستقبل

(۱) مستقبل مطلق جس سے محض زمانہ آئندہ پایا جائے۔

مضارع کے بعد گا (یا گے یا گی) بڑھا دینے سے بنتا ہے جیسے کھلے گا، مگر مصدر ہونا سے ہوگا مستثنیٰ ہے۔ پرانی اُردو میں ہوے گا استعمال ہوتا تھا مگر اب متروک ہے۔ ہے گا اب بھی بول چال میں مستعمل ہے اور حال یعنی (ہے) کے معنوں میں آتا ہے، مگر غیر فصیح ہے۔ اسی طرح ہوگا بعض اوقات حال کے معنی دیتا ہے۔ جیسے تجھ سے بڑھ کر بھی کوئی بے وقوف ہوگا (یعنی ہے)

(۲) مستقبل دوامی جس میں آئندہ زمانے میں کام کا جاری رہنا پایا جائے۔ جیسے کرتا رہے گا۔ چلتا رہے گا۔

جو اس شور سے میر روتا رہے گا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

حالیہ تام کے بعد "رہے گا" بڑھانے سے بن جاتا ہے۔ مگر "جاتا رہے گا" مستقبل مطلق ہے۔ جیسے اس کا کام جاتا رہے گا، یعنی ہاتھ سے نکل جائے گا یا بگڑ جائے گا۔ اس کا مصدر "جاتا رہنا" (ضائع ہونا) مصدر مرکب ہے۔

"رہے گا" سے ایک قسم کا استغنا بھی ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے آپ جائیے وہ آتا رہے گا۔ آپ چپ رہیے وہ خود بہ خود پڑھتا رہے گا۔

کبھی ماضی بھی مستقبل کے معنی دیتی ہے۔ جیسے اگر وہ آگیا تو ضرور جاؤں گا، وہ آیا اور میں چلا (یہاں دونوں ماضیاں مستقبل کے معنی دیتی ہیں)

کبھی حال بھی مستقبل کے معنی دیتا ہے، جیسے میں کل صبح جاتا ہوں (اگرچہ زیادہ فصیح نہیں ہے)۔ مصدر کے بعد "والا" کا لفظ بھی استقبال کے معنی دیتا ہے اور مصدر ہونا کے حال کے ساتھ اکثر استعمال ہوتا ہے جیسے میں کتاب

لکھنے والا ہوں، وہ اب جانے والا ہے۔ اس سے قریب کا آئندہ زمانہ ظاہر ہوتا ہے۔

بعض اوقات علامت مستقبل گر جاتی ہے جیسے ایسا کبھی ہوا اور نہ ہو (یعنی نہ ہو گا)۔

"گا علامت مستقبل جدید تراش ہے، پراکرت اور قدیم ہندی میں اس کا کہیں پتا نہیں، قدیم ہندی میں زمانۂ مستقبل کو مضارع کے ذریعے سے ظاہر کرتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ یہ طریقہ ناکافی سمجھا گیا اور زیادہ تر امتیاز کے لیے مستقبل کے لئے ایک الگ علامت قائم کی گئی۔

"گا" دراصل سنسکرت کے مصدر گم (بمعنے جانا) کے حالیۂ تمام مجہول گتھ اور پراکرت گنڑ سے ماخوذ ہے۔ ہندی میں بھی مصدر جانا کا ماضی گیا ہے۔ زمانۂ وسطیٰ کے شعراء نے گیا کا اختصار "گا" کر دیا جو مذکر میں استعمال ہوا اور "گانی" اس کی تانیث ہوئی جو بعد میں "گی" رہ گئی۔

مصدر کے بعد کا کے، کی لانے سے بھی مستقبل مطلق کے معنی پیدا ہوتے ہیں، لیکن یہ ہمیشہ نفی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور تاکیدی معنی دیتا ہے۔ جیسے وہ نہیں آنے کا، میں نہیں جانے کا۔

فعل کی گردان

فعل کی گردان میں تین باتوں کا لحاظ ہوتا ہے۔ جنس، تعداد اور حالت

جنس و تعداد

جنس کے معنی تذکیر و تانیث، تعداد کے معنی واحد و جمع کے ہیں۔

اردو میں فعل مذکر و مونث کی صورت میں فرق ہوتا ہے، واحد مذکر غائب میں الف اور مونث میں یائے معروف جیسے آیا اور آئی، تھا اور تھی،

آتا اور آتی، ہوگا اور ہوگی۔ جمع مذکر غائب میں یلئے مجہول، مونث میں اس کے آگے حرف ںَ بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے آ، آئے اور آئیں جن افعال میں اصل فعل کے بعد کوئی دوسرا فعل یا علامت لگائی جاتی ہے، ان کی گردان میں ذرا اختلاف ہے مثلاً ماضی بعید (تمام) و فعل حال مطلق و تمام میں بحالت مذکر اصل فعل اور علامت دونوں کو بدلنا پڑے گا۔ جیسے آئے تھے، آیا ہے، آئے ہیں، آتا ہے، آتے ہیں، تو آتا ہے، تم آتے ہو، مگر بحالت مونث صرف امدادی فعل کو بدلنا پڑے گا؛ جیسے آئی تھی، آئی تھیں، آئی ہے، آئی ہیں، آتی ہیں، تو آتی ہے، تم آتی ہو۔

مگر فعل مستقبل میں بہ حالت مذکر تو یہی صورت قائم رہے گی یعنی اصل فعل اور علامت دونوں بدل جائیں گے، لیکن مونث کی صورت میں اصل فعل تو حسب معمول بدل جائے گا لیکن علامت مونث ایک ہی رہے گی جیسے آئے گی، آئیں گی، آئے گی، آؤ گی وغیرہ

حال امریہ میں مونث اور مذکر کی کوئی تمیز نہیں۔ جیسے چل اور چلو مذکر و مونث دونوں کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے۔ تمام افعال کے جمع متکلم میں تذکیر و تانیث کے صیغے یکساں آتے ہیں غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ بالمشافہ باتیں کرنے میں تذکیر و تانیث کا امتیاز فضول ہے لیکن جہاں عورتوں وغیرہ کا لفظ یا کوئی اور قرینہ موجود ہو تو فرق کر دیا جاتا ہے۔ جیسے ہم سب عورتیں جائیں گی، ہم سب سہیلیاں یا بہنیں جائیں گی۔

حالت

فعل کی تین حالتیں ہیں۔ غائب، واحد، اور متکلم اور ان میں سے ہر ایک کی بہ لحاظ تعداد دو دو حالتیں ہیں، اس لئے کل چھ ہوئیں اور پھر یہ

لہٰذا جنس کے ان چھے کی دو دو حالتیں ہیں۔ اس لئے ہر فعل کی بارہ حالتیں ہوئیں، ان میں سے ہر ایک کو صیغہ کہتے ہیں۔

گردان افعال

ماضی

۱- ماضی مطلق

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لایا	وہ لائے	تو لایا	تم لائے	میں لایا	ہم لائے
مؤنث	وہ لائی	وہ لائیں	تو لائی	تم لائیں	میں لائی	ہم لائے

۲- ماضی تمام (بعید)

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لایا تھا	وہ لائے تھے	تو لایا تھا	تم لائے تھے	میں لایا تھا	ہم لائے تھے
مؤنث	وہ لائی تھی	وہ لائی تھیں	تو لائی تھی	تم لائی تھیں	میں لائی تھی	ہم لائے تھے

۳۔ ماضی ناتمام

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لاتا تھا یا لایا کرتا تھا	وہ لاتے تھے یا لایا کرتے تھے	تو لاتا تھا یا لایا کرتا تھا	تم لاتے تھے یا لایا کرتے تھے	میں لاتا تھا یا لایا کرتا تھا	ہم لاتے تھے یا لایا کرتے تھے
مؤنث	وہ لاتی تھی یا لایا کرتی تھی	وہ لاتی تھیں یا لایا کرتی تھیں	تو لاتی تھی یا لایا کرتی تھی	تم لاتی تھیں یا لایا کرتی تھیں	میں لاتی تھی یا لایا کرتی تھی	ایضاً

۴۔ ماضی احتمالی

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لایا ہو لایا ہو گا	وہ لائے ہوں لائے ہوں گے	تو لایا ہو لایا ہو گا	تم لائے ہو لائے ہو گے	میں لایا ہوں لایا ہوں گا	ہم لائے ہوں لائے ہوں گے
مؤنث	وہ لائی ہو لائی ہو گی	وہ لائی ہوں لائیں ہوں گی	تو لائی ہو لائی ہو گی	تم لائی ہو لائیں ہو گی	میں لائی ہوں لائی ہوں گی	ایضاً

۵ - ماضی شرطیہ

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ گرتا گرا ہوتا	وہ گرتے گرے ہوتے	تو گرتا گرا ہوتا	تم گرتے گرے ہوتے	میں گرتا گرا ہوتا	ہم گرتے گرے ہوتے
مؤنث	وہ گرتی وہ گری ہوتی	وہ گرتیں وہ گری ہوتیں	تو گرتی تو گری ہوتی	تم گرتیں تم گری ہوتیں	میں گرتی میں گری ہوتی	ایضاً

فعل حال

۱۔ حال قدیم یا مضارع

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	[1] وہ لائے	وہ لائیں	تو لائے	تم لاؤ	میں لاؤں	ہم لائیں
مؤنث	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً

[1] ماضی مطلق جمع غائب اور مضارع واحد غائب کی صورت یکساں ہے ان میں تمیز کرنا ضروری ہے خصوصاً جب کہ ضمیر غائب واحد اور جمع میں ایک ہی ہے ۔

۲۔ حال مطلق

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لاتا ہے	وہ لاتے ہیں	تو لاتا ہے	تم لاتے ہو	میں لاتا ہوں	ہم لاتے ہیں
مؤنث	وہ لاتی ہے	وہ لاتی ہیں	تو لاتی ہے	تم لاتی ہو	میں لاتی ہوں	ایضاً

۳۔ حال ناتمام

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لا رہا ہے	وہ لا رہے ہیں	تو لا رہا ہے	تم لا رہے ہو	میں لا رہا ہوں	ہم لا رہے ہیں
مؤنث	وہ لا رہی ہے	وہ لا رہی ہیں	تو لا رہی ہے	تم لا رہی ہو	میں لا رہی ہوں	ایضاً

۴. حال تمام

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لایا ہے	وہ لائے ہیں	تو لایا ہے	تم لائے ہو	میں لایا ہوں	ہم لائے ہیں
مؤنث	وہ لائی ہے	وہ لائی ہیں	تو لائی ہے	تم لائی ہو	میں لائی ہوں	ایضاً

۵. حال احتمالی

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ آتا ہو آتا ہو گا یا آ رہا ہو گا	وہ آتے ہوں آتے ہوں گے یا آ رہے ہوں گے	تو آتا ہو آتا ہو گا یا آ رہا ہو گا	تم آتے ہو تم آتے ہو گے یا آ رہے ہو گے	میں آتا ہوں آتا ہوں گا یا آ رہا ہوں گا	ہم آتے ہوں آتے ہوں گے یا آ رہے ہوں گے
مؤنث	وہ آتی ہو آتی ہو گی یا آ رہی ہو گی	وہ آتی ہوں آتی ہوں گی یا آ رہی ہوں گی	تو آتی ہو آتی ہو گی یا آ رہی ہو گی	تم آتی ہو آتی ہو گی یا آ رہی ہو گی	میں آتی ہوں آتی ہوں گی یا آ رہی ہوں گی	ایضاً

۶۔ امر

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لائے	وہ لائیں	تو لا	تم لاؤ	میں لاؤں	ہم لائیں
مؤنث	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً

فعل مستقبل

۱۔ مستقبل مطلق

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لائے گا	وہ لائیں گے	تو لائے گا	تم لاؤ گے	میں لاؤں گا	ہم لائیں گے
مؤنث	وہ لائے گی	وہ لائیں گی	تو لائے گی	تم لاؤ گی	میں لاؤں گی	ایضاً

امر دوامی و مستقبل دوامی

رہنا اور اس کے مشتقات. بعض دوسرے الفاظ کے ساتھ بطور امدادی فعل کے آتے ہیں. اس سے فعل میں دوام کے معنے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے جیتا رہ، امر دوامی ہے، کھاتا رہے گا مستقبل دوامی ہے۔ آرہا تھا، جا رہا ہے، ان سب میں یہی معنے پائے جاتے ہیں۔

طورِ مجہول

اسے مجہول اس لیے کہتے ہیں کہ فعل کا فاعل معلوم نہیں ہوتا۔
طورِ مجہول عموماً اور اکثر افعال متعدی کا ہوتا ہے
جس فعل متعدی کا مجہول بنانا ہو اس فعل کی ماضی مطلق کے آگے مصدر جانا سے جو زمانہ بنانا منظور ہو وہی زمانہ بنا کر لگا دیا جائے۔ مثلاً کھانا سے حال مطلق مجہول بنانا منظور ہے، تو کھانا کے ماضی مطلق کے آگے جانا کا حال مطلق لگا دیا جائے تو وہ ہوگا "کھایا جاتا ہے" اسی طرح کھایا جائے گا (مستقبل)، کھایا گیا (ماضی مطلق)، کھایا جاتا تھا (ماضی ناتمام) کھلایا جائے (امر غائب یا مضارع)۔
وہ افعال جو طبعی طور پر مجہول واقع ہوئے ہیں مثلاً پٹنا، لٹنا، پلنا، کھلنا، بٹنا (تقسیم ہونا) چھدنا، سجنا، کٹنا، سلنا، کھلنا۔ جیسے وہ پٹا، اب یہاں بظاہر وہ فاعل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ نہیں ہے پیٹنے والا کوئی اور ہی ہے "وہ" صرف قائم مقام فاعل ہے۔ اصل میں یوں تھا۔ "وہ پیٹا گیا"۔

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

اس شعر میں نہ لٹتا کے معنی ہیں نہ لوٹا جاتا۔ اسی طرح آٹا تلا۔ ظاہر ہے کہ آٹا خود بخود تلتا نہیں تولنے والا کوئی اور ہے۔ اس لیے آٹا فاعل کیسے

ہو سکتا ہے۔ دراصل تھا "آٹا نولا گیا" اسی طرح کپڑے سلے، روپے بٹے، گھوڑا لدا، کان چھدا، دروازہ کھلا، لکڑی کٹی وغیرہ وغیرہ

بعض اوقات فعل لازم کے ساتھ بھی طور مجہول استعمال ہوتا ہے جیسے مجھ سے وہاں جا کر آیا نہ گیا۔ مجھ سے اتنی دور نہیں چلا جاتا۔ مجھ سے آیا نہیں جاتا۔ لیکن یہ صورت ہمیشہ نفی کے ساتھ آتی ہے اور اس کے معنی بھی خاص ہیں یعنی یہ ہمیشہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کہ فاعل یا فائل کو کسی فعل کا کرنا منظور نہیں یا وہ اس کے کرنے سے معذور ہے انھیں معنوں میں یہ طور مجہول افعال متعدی کے ساتھ بھی آتا ہے جیسے مجھ سے کھانا کھایا نہ گیا۔

گل میں اس کی سی جو بو آئی تو آیا نہ گیا
ہم کو بن دوش ہوا باغ میں لایا نہ گیا (میر)

یہاں گیا کے معنی "سکے" کے ہیں، اگرچہ صورت مجہول کی ہے۔

لیکن بعض اوقات جانا بطور فعل امدادی کے دوسرے افعال کے ساتھ آتا ہے مثلاً کھا جانا، ڈر جانا، اُٹھ جانا، لہٰذا ان افعال میں اور طور مجہول میں فرق کرنا چاہیئے۔ اس کا امتیاز بہ آسانی اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اگر فعل کے ساتھ صورت فاعلی استعمال ہو سکتی ہے تو وہ طور معروف ہے اور اگر نہیں ہو سکتی تو وہ طور مجہول ہے۔

طور مجہول میں جو جانا استعمال ہوتا ہے وہ پراکرت کے طور مجہول سے ماخوذ ہے۔ پراکرت میں طور مجہول کے بنانے کے لئے (اِجا) مادۂ فعل کے آگے بڑھا دیتے ہیں (سنسکرت میں علامت مجہول یا ہے)۔ مارواڑی میں اب تک پراکرت کی اصل کا پتا لگتا ہے۔ مارواڑی میں طور مجہول کے لئے

"اجنو" استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کر اجنو یعنے کیا جانا۔ مرورِ زمانہ اور نیز اصل پر نظر نہ رہنے سے غالباً اجا کا جا، جانا کا جا سمجھا گیا۔ اور رفتہ رفتہ طور مجہول کے لئے جانا استعمال ہونے لگا۔

افعال کی نفی

۱۔ افعال کے شروع میں نہ یا نہیں لگانے سے فعل منفی ہو جاتا ہے۔ مثلاً وہ اب تک نہیں آیا۔ تم کل کیوں نہیں آئے۔ اُسے کچھ نہ ملا۔

بعض اوقات نہیں بعد میں آتا ہے جیسے میں تمام دن انتظار کرتا رہا مگر وہ آیا ہی نہیں۔ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں۔ وہ بیٹھا تو نہیں۔ یہ اکثر تخصیص کے موقع پر ہوتا ہے، لیکن نظم میں پابندی نہیں۔

۲۔ نہ اور نہیں کے استعمال میں فرق ہے۔ ماضی شرطیہ اور مضارع کے ساتھ "نہیں" استعمال نہیں کرتے بلکہ "نہ" استعمال ہوتا ہے۔ اگر وہ نہ آتا تو خوب ہوتا۔ اگر وہ نہ آئے تو میں کیا کروں۔ تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا اور نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

جملہ شرطیہ کے دوسرے حصے میں بھی جیسے جزا کہتے ہیں نہیں" نہیں آتا۔ اگر وہ آتا تو اچھا نہ ہوتا۔ بعض اوقات اس کے استعمال میں غلطی ہو جاتی ہے مثلاً

"ہم خدا تجھ کو سمجھتے گر خودی ہوتی نہیں"

میں اگر بجائے نہیں کے نہ ہوتا تو بہتر اور فصیح تر ہوتا۔ ماضی مطلق میں شرط کے ساتھ بھی اکثر نہیں استعمال نہیں

کرتے ۔ جیسے اگر وہ نہ آیا تو کیا ہوگا۔

وہ نہ آیا تو تو ہی چل رنگیں
اس میں کیا تیری شان جاتی ہے

۳۔ حال امر یہ کی نفی نہ اور مت دونوں سے آتی ہے۔ جیسے نہ کر مت کر، مت میں مزید تاکید پائی جاتی ہے۔

۴۔ ماضی مطلق میں اکثر اور عموماً "نہیں" آتا ہے۔ لیکن بعض اوقات "نہ" ہی استعمال ہوتا ہے جیسے۔

نہ ہوا پھر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

اسی طرح ماضی تمام و نا تمام و احتمالی کے ساتھ بھی "نہیں" آتا ہے۔ لیکن جب ماضی احتمالی کی آخری علامت "تھا" محذوف ہو تو ہمیشہ "نہ" استعمال ہوگا۔ جیسے ممکن ہے کہ وہ نہ سمجھا ہو اور یوں ہی چلا گیا ہو۔

۵۔ فعل مستقبل کی نفی مثل دوسرے افعال کے آتی ہے۔ کبھی مصدر کے بعد کا (کی، کے) لگا دینے سے مستقبل کے معنے پیدا ہوتے ہیں مگر یہ صورت ہمیشہ نفی کے ساتھ آتی ہے اور اس سے تاکید مخصوص ہوتی ہے جیسے، میں نہیں آنے کا، ہم نہیں آنے کے، وہ نہیں آنے کی۔ ایسی صورت میں نفی کے لیے ہمیشہ "نہیں" آتا ہے۔

۶۔ نفی حال مطلق میں آخری علامت ہے یا ہیں حذف ہو جاتی ہے جیسے میں نہیں آتا، وہ نہیں آتا، اس سے نہیں کہا جاتا۔

کوئی صورت نظر نہیں آتی کوئی امید بر نہیں آتی

لیکن جب کسی جملے کے دونوں حصوں میں حرف نفی لانا مقصود

ہو نو" نہ "لکھنا چاہیے۔ اس وقت آخر کا فعل امدادی (ہیتے ہے یا ہیں) نہیں گرتا۔ جیسے نہ خود آتا ہے نہ دوسروں کو آنے دیتا ہے۔ حال تمام کے ساتھ بھی "نہیں" استعمال ہوتا ہے اور آخر سے فعل امدادی 'ہے' یا 'ہیں' گر جاتا ہے جیسے وہ اب تک نہیں آیا (آیا ہے لہ)

۷۔ ایسے افعال کو جو کسی اسم یا صفت اور فعل سے مرکب ہوں ان کی نفی دو طرح ہوتی ہے یا تو حرف نفی اسم یا صفت کے اوّل ہوتا ہے یا فعل کے اوّل، جیسے میں یہ کتاب نہیں پسند کرتا۔ اور میں یہ کتاب پسند نہیں کرتا۔ میں ان باتوں سے نہیں خوش ہوتا اور میں ان باتوں سے خوش نہیں ہوتا۔ ہماری رائے میں فعل کے ساتھ حرف نفی لانا بہتر ہے۔

۸۔ بعض افعال کے آخر میں حرف نفی کبھی زائد بھی آتا ہے، مگر اس سے بھی ایک قسم کی تاکید اثباتی پائی جاتی ہے۔ جیسے آؤ نہ وہاں چلیں۔ آخر مکر گیا نہ۔

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

"نہ" کے ساتھ "ہی" کا استعمال غیر فصیح ہے۔ جیسے وہ آیا نہ ہی تم آئے۔

افعال تعدیہ

سوائے ایک آدھ کے باقی تمام افعال لازم متعدی بن سکتے ہیں اور متعدی سے متعدی المتعدی، جیسے ہنسنا سے ہنسانا چلنا سے چلانا، یہ لازم سے متعدی ہوئے۔ دینا سے دلانا، کھانا سے کھلانا، متعدی سے متعدی المتعدی

لہ اس فعل امدادی (ہے) کے گر جانے کی وجہ یہ ہے کہ نہیں میں خود یہ فعل (ہے) موجود ہے کیونکہ نہیں مرکب ہے نہ اور ہیں سے جو قدیم حال ہے۔ اور اس لیے (ہے) کی ضرورت نہیں۔

اس کے علاوہ ایک قسم متعدی بہ دو واسطہ کی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ فعل کے وقوع کے لیئے دو واسطوں کی ضرورت ہے۔ جیسے کھانا متعدی کھلانا یہ متعدی بہ یک واسطہ ہے اور متعدی المتعدی کھلوانا متعدی بہ دو واسطہ یعنی یہ متعدی بہ دو مفعول ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ "کھلایا" میں ایک فاعل اور دو مفعول ہیں۔ جیسے میں نے اُسے کھانا کھلایا۔ اور میں نے اُسے کھانا کھلوایا" میں فاعل میں ہے۔ لیکن کھلانے والا کوئی دوسرا ہے۔ اس لیے دو واسطے ہو گئے۔

۱۔ اوّل افعال لازم سے متعدی اور متعدی سے متعدی المتعدی بنانے کے قاعدے لکھے جاتے ہیں۔

(ا) عام قاعدہ فعل لازم کو متعدی کو اور متعدی کو متعدی المتعدی بنانے کا یہ ہے کہ فعل کے مادے کے آگے (" بڑھا دیا جائے، جیسے چلنا سے چلانا، ملنا سے ملانا، اُٹھنا سے اُٹھانا۔

لیکن اگر ایسے افعال کا دوسرا حرف متحرک ہو تو متعدی بنانے کی حالت میں ساکن ہو جائے گا۔ جیسے پگھلنا سے پگھلانا۔ پکڑنا سے پکڑانا۔ سمجھنا سے سمجھانا۔

(ب) کبھی مادۂ فعل کے آخر حرف سے قبل "اَ" بڑھا دیا جاتا ہے۔ جیسے نکلنا سے نکالنا، اُترنا سے اُتارنا، اُبھرنا سے اُبھارنا بگڑنا سے بگاڑنا۔

(ج) کبھی پہلے حرف کی حرکت کو اس کے موافق حرف علّت سے بدلنے سے یعنے زبر کو الف سے جیسے مرنا سے مارنا، تپنا سے تاپنا، ٹلنا سے ٹالنا، تھمنا سے تھامنا، کٹنا سے کاٹنا۔ زیر کو (ی) سے جیسے چرنا سے چیرنا، پھرنا سے پھیرنا، گھرنا سے گھیرنا، پسنا سے پینا، گھسٹنا سے گھسیٹنا، کھنچنا سے کھینچنا، نبڑنا سے

نہیں پڑتا۔ پیش کو واؤ سے جیسے مُڑنا سے موڑنا، جڑنا سے جوڑنا، کھلنا سے کھولنا
لُٹنا سے لوٹنا، گُھلنا سے گھولنا۔ ان مصادر میں بعض اوقات ٹ ڑ سے بدل
جاتی ہے۔ جیسے ٹوٹنا سے توڑنا، پھوٹنا سے پھوڑنا، پھٹنا سے پھاڑنا، چھوٹنا
سے چھوڑنا۔

۷۔ کبھی مصادر چار حرفی ہیں جب کہ حرف دوم حرف علت ہو تو اُس
حرف علت کو ساقط کر کے اوّل کو اس کے موافق حرکت دیتے ہیں اور اس کے
آگے "ا" یا بجائے اُکے "لا" بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے رونا سے رُلانا، پینا سے
پلانا، سونا سے سلانا، دھونے سے دھلانا، جینا سے جلانا، جیتنا سے جتانا،
کھانا سے کھلانا، (اس میں خلاف قاعدہ پہلے حرف کو زبر دیا گیا ہے) جاگنا
سے جگانا، بیٹھنا سے بٹھانا (یا بٹھلانا جو فصیح نہیں)، ڈوبنا سے پہلے ڈوبانا
آتا تھا۔ لیکن اب وہ غیر فصیح سمجھا جاتا ہے، آج کل ڈبونا کہتے ہیں۔ اسی
طرح بھیگنا سے بھگونا آتا ہے۔

اگر مصدر پانچ حرفی ہے اور دوسرا حرف حرف علت ہے تو حرف
علت حذف کر کے پہلے حرف کو اس کے موافق حرکت دے کر اس کے آگے
الف بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے، تڑپنا سے تڑپانا، تیرنا سے ترانا، جاگنا سے جگانا،
بھاگنا سے بھگانا۔

۲۔ متعدی المتعدی کے بنانے کے یہ قاعدے ہیں۔

ا۔ کبھی علامت مصدر کے اول الف بڑھا دینے سے جیسے کرنا سے کرانا۔

ب۔ کبھی وا بڑھانے سے دوسرا حرف حرف علت ہو تو گر جاتا ہے اور
اس کے بجائے اس کے موافق حرکت آجاتی ہے۔ جیسے تولنا سے تلوانا۔ اُٹھانا
سے اُٹھوانا، دبانا سے دبوانا، جھاڑنا سے جھڑوانا۔ تیسرا اور چوتھا حرف

علت بھی گر جاتا ہے جیسے نچوڑنا سے نچڑوانا، بِچنا سے بکوانا آتا ہے، کیونکہ متعدیٔ لازم اس کا بکنا تھا اس سے متعدی بیچنا ہوا، اور متعدی المتعدی بکوانا متعدی المتعدی اکثر صورت اول کی طرف عود کرتا ہے۔

۳۔ بیٹھنا سے بٹھانا اور بٹھلانا، دیکھنا سے دکھانا اور دکھلانا، سیکھنا سے سکھانا، اور سکھلانا، سوکھنا سے سکھوانا اور سکھلانا دو دو آتے ہیں لیکن بٹھلانا، سکھلانا، دکھانا، سکھلانا، فصیح نہیں سمجھے جاتے۔ یہی حال تنلانا کا ہے۔

ٹوٹنا لازم ہے، توڑنا اور تڑانا دونوں اس کے متعدی ہیں۔ توڑنا عام طور پر ہر ایک چیز کے توڑنے کو کہیں گے، لیکن تڑانا صرف اسی وقت استعمال کریں گے جب کوئی جانور رسّی توڑ کر بھاگ جائے۔ جیسے بیل رسّی تڑا کر بھاگ گیا۔

اسی طرح گھلنا کے دو متعدی ہیں، ایک گھولنا دوسرا گھلانا۔ گھولنا جیسے دوا یا نمک اور اسی قسم کی اشیا کے متعلق کہیں گے جو پانی وغیرہ میں گھل سکیں۔ لیکن گھلانا اکثر مجازاً استعمال ہوتا ہے جیسے غم نے اسے گھلا دیا۔ طور لازم گھلنے میں بھی یہ معنے پائے جاتے ہیں۔ لیکن گھولنا جو متعدی ہے اس میں یہ معنی نہیں ہیں، البتہ دوسرے متعدی گھلانے میں یہ معنے ہیں۔

اسی طرح بھولنا اور بھلانا دونوں متعدی بیک مفعول ہیں مگر معنوں میں فرق ہے۔ جیسے وہ مجھے بھول گیا، یعنے درازی مدت یا کسی اور وجہ سے اس نے مجھے بھلا دیا۔ یعنے جان بوجھ کر وہ لکھا پڑھا سب بھول گیا۔ اس نے لکھا پڑھا سب بھلا دیا۔ پہلے فقرے میں ایسی وجوہ ہیں جو اختیاری نہیں ہیں، دوسرے میں ارادہ یا ایسی وجوہ پائی جاتی ہیں جو ایک حد تک اختیاری تھیں۔

۵۔ کبھی امدادی افعال کے آنے سے متعدی بنتا ہے۔ جیسے وہ اسے لے ڈوبا۔ وہ اسے لے بھاگا۔ وہ مجھ پر آ پڑا۔ ڈوبنا، بھاگنا اور پڑنا افعال لازم ہیں مگر افعال امدادی کے آنے سے متعدی ہو گئے۔

۶۔ سنسکرت میں علامت تعدیہ (اپا) تھی، پراکرت میں (اسے) ہوئی۔ یہ "اسے" بعض اوقات مادۂ فعل کے آگے بڑھا دی جاتی تھی لیکن سنسکرت میں زیادہ تر "پ" بعض ایسے مادوں کے ساتھ آتی تھی جن کے آخر میں حروف علت ہوتے تھے۔ پراکرت میں اس "پ" کے قبل آ کا اضافہ کیا گیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد پ کا بدل (ب) اور (و) سے ہو گیا جیسے اسپے سے لبے اپے سے اوے ہوا اور یہ ہندی میں "وا" اور "آ" رہ گیا۔ مثلاً سنسکرت میں کری سے کاریا، پراکرت میں کارے اور بعد ازاں کراوے بجائے "کراپے" پوچ میں کراوا، ہندی میں کرا۔ بعض ہندی مصادر مثلاً بھگونا اور ڈبونا اور بگڑونا میں جو واو آ گیا ہے وہ درحقیقت (اوا) کا بگاڑ ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ بعض افعال کے تعدیہ میں "ل" کہاں سے آیا مثلاً پینا سے پلانا۔ بعض کا خیال ہے کہ صرف کانوں کو اچھا معلوم ہونے کی وجہ سے (ل) بڑھا دیا گیا، مگر یہ ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔

ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ سنسکرت میں "پا" کے معنے محفوظ رکھنے کے ہیں۔ متعدی بنانے کے لئے حسن صورت کے خیال سے بجائے "پ" کے "ل" کا اضافہ کیا گیا جس سے "پالیا" (ہندی پالنا) بنا۔ غالباً پراکرت کی یہ صورت بہ کثرت استعمال ہونے لگی اور یہی "ل" کی اصل بتائی جاتی ہے۔

مرکب افعال

مرکب افعال دو طرح سے بنتے ہیں۔
۱۔ دوسرے افعال کی مدد سے جنھیں افعال امدادی کہتے ہیں۔
۲۔ افعال کو اسما یا صفات کے ساتھ ترکیب دینے سے

امدادی فعل

ہندی اُردو افعال موجودہ حالت میں اُن ترکیبی پیچیدگیوں سے آزاد ہوگئے ہیں جو سنسکرت میں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ اب ہندی فعل نے ترکیبی طرز چھوڑ کر تفصیلی طریقہ اختیار کیا ہے، یعنی بجائے خود فعل کے اندرونی تغیر سے نئے معنی پیدا کرنے کے دوسرے افعال کی مدد سے وہ معنے پیدا کیے جاتے ہیں۔ اصل فعل کے ساتھ بعض دوسرے فعل یا اُن کے اجزا کے آجانے سے اصل فعل کے معنوں میں تھوڑا بہت تغیر ہو جاتا ہے۔ یا تو اصلی معنوں میں زیادہ قوت پیدا ہو جاتی ہے یا کلام میں کوئی حسن اور خوبی آجاتی ہے۔ یہ طریقہ زیادہ آسان اور ترقی یافتہ ہے اور اس سے اسے کچھ نقصان نہیں پہنچتا بلکہ امدادی افعال کی مدد سے بے شمار لطیف اور نازک معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اُردو زبان میں امدادی افعال نے بڑی وسعت اور نزاکت پیدا کر دی ہے۔ اکثر اوقات امدادی افعال سے معانی میں جو فرق پیدا ہو جاتا ہے وہ بہت نازک اور پُرلطف ہوتا ہے۔ یہ ذکر زیادہ تر نحو سے متعلق ہے لیکن چونکہ فعل کا بیان یہاں مفصل آچکا ہے لہٰذا موقع کے لحاظ سے یہ بھی لکھا جاتا ہے۔

۱۔ سب سے زیادہ کارآمد اور کثیر الاستعمال امدادی فعل ہو (سنسکرت

بھی) ہے۔ اس سے اکثر افعال بنتے ہیں۔ مثلاً ماضی ناتمام، تمام، احتمالی، فعل حال کے مختلف اقسام اور مستقبل اسی کی امداد سے بنتے ہیں۔

ہوتا کی مدد سے جو فعل بنتے ہیں اگرچہ ان کا ذکر فعل کے بیان میں ہو چکا ہے لیکن بعض خاص صورتوں کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(ا) مثلاً آیا ہوتا یا منایا ہوتا وغیرہ۔ اگر وہ آیا ہوتا تو مجھے ضرور اطلاع ہوتی۔ یہ شرطیہ صورت کے ساتھ زمانہ ماضی کے لیے آتا ہے۔

ماضی شرطیہ یہ ہے، اگر وہ آتا تو مجھے ضرور اطلاع ہوتی۔ اس میں اور اُس میں کچھ یوں ہی سا فرق ہے۔ البتہ پہلی صورت میں زیادہ زور پایا جاتا ہے۔

(ب) کیا ہو، سنا ہو وغیرہ۔ جیسے کہیں تم نے کبھی اس کا نام سنا ہے۔ دوسرا شخص اس کے جواب میں کہے ممکن ہے سنا ہو (مگر اس وقت یاد نہیں) یا کہیں سُنا ہو گا۔

پہلی صورت احتمالی خفیف ہے، دوسری میں قوی۔ یا مثلاً ممکن ہے اس نے ایسا کیا ہو۔ اور غالباً اس نے ایسا کیا ہو گا۔

(ج) آتا ہوتا، کرتا ہوتا وغیرہ جیسے اگر وہ ایسا کرتا ہوتا تو اب تک تہ بچتا (یعنے وہ ایسا نہیں کرتا تھا)۔ اگر پڑھتا ہوتا تو آج بڑے عہدے پر ہوتا۔ یہ صورت بھی شرطیہ ہے اور عادت کو ظاہر کرتی ہے۔

۲۔ بعض امدادی افعال تکمیل فعل یا تفید اور زور ظاہر کرتے ہیں مثلاً دینا، لینا، جانا، ڈالنا، پڑنا، رہنا۔

(ا) دینا سوا چل دینا کے اکثر طور متعدی کے ساتھ آتا ہے جیسے سمجھا دینا۔ تبا دینا، نکال دینا، ہٹا دینا۔ بعض صورتوں میں اس میں جبر کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ جیسے میں نے اُسے گھر سے نکال دیا۔ اُٹھا کے

پھینک دیا، پٹک دیا وغیرہ۔

(ب) لینا۔ اس میں تکمیل فعل کے ساتھ فاعل کی قربت، فائدہ یا جانبداری ظاہر ہوتی ہے جیسے بلا لینا (یعنے اپنے پاس بلانا)۔ رکھ لینا (اپنے پاس رکھ لینا) اسی طرح سُن لینا، لے لینا، بچا لینا، دکھا لینا (دوسرے کو اپنے فائدے کے لئے) دیغیرہ وغیرہ۔ یہ طور لازم ومتعدی دونوں کے ساتھ آتا ہے۔ امدادی افعال دینا میں اور لینا میں فرق یہ ہے کہ لینا میں اپنا فائدہ یا قرب ظاہر ہوتا ہے اور دینا میں بخلاف اس کے دوسرے کا فایدہ یا قربت نکلتی ہے، گویا ایک دوسرے کے برعکس ہیں۔ معانی کا یہ فرق مثال ذیل سے بخوبی عیاں ہے۔

۱۔ میں نے اُسے سمجھا لیا ہے۔

۲۔ میں نے اُسے سمجھا دیا ہے۔

پہلے جملے سے ظاہر ہے کہ میں نے معاملہ اُسے اس طرح سمجھایا ہے جس میں میرا فائدہ ہے۔ دوسرے جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسے جو کچھ سمجھایا گیا ہے وہ اسی کے فائدہ کے لیے ہے۔ یا عام الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ لینا میں فاعل کو اپنی غرض ملحوظ ہوتی ہے مگر دینا میں ذاتی غرض سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ جیسے میں نے کتاب میز پر رکھ دی اور میں نے کتاب جیب میں رکھ لی اسی طرح بٹھا دینا اور بٹھا لینا (یعنی اپنے پاس)۔ مگر لیے افعال جیسے پی لینا کھا لینا میں صرف فعل کی تکمیل ظاہر ہوتی ہے۔

(ج) جانا بکثرت افعال کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور زیادہ تر طور لازم کے ساتھ جیسے ٹوٹ جانا، بکھر جانا، بگڑ جانا، چلے جانا وغیرہ وغیرہ اس سے صرف تکمیل فعل ظاہر ہوتی ہے اور بعض وقت یہ بھی نہیں بلکہ سادہ فعل کی بجائے عموماً جانا مرکب کرکے بولتے اور لکھتے ہیں جیسے مل جانا، ہو جانا،

ٹوٹ جانا۔ جانا سے بعض بہت ہی لطیف محاورے بن گئے ہیں۔ مثلاً پانا سادہ فعل ہے لیکن پاجانے کے معنی ہی دوسرے ہیں یعنی تاڑنا۔ اسی طرح کھونا سے کھوئے جانا وغیرہ وغیرہ۔

(ھ) آنا اور جانا میں وہی نسبت ہے جو لینا اور دینا میں ہے۔ آنا بطور امدادی فعل کے بہت کم استعمال ہوتا ہے اور وہ بھی زیادہ افعال ابتدائی لازم کے ساتھ جیسے بن آنا اور بنا آنا۔ اکثر یہ افعال کے ساتھ آکر تکمیل فعل کے معنی دیتا ہے اور ساتھ ہی ظاہر کرتا ہے کہ فاعل کسی کام کو انجام دے کر واپس آگیا جیسے میں اُسے دیکھ آیا ہوں، ہو آیا ہوں۔ ان معنوں میں وہ لازم اور متعدی دونوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ مگر بعض اوقات تکمیل فعل کے ساتھ زور کا اظہار کرتا ہے جیسے اُبھر آنا۔ اُگ آنا وغیرہ

(و) ڈالنا۔ اس میں تکمیل فعل کسی قدر زیادہ زور کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے، نیز اس میں جبر کی شان بھی پائی جاتی ہے جیسے مار ڈالنا، مسل ڈالنا، کاٹ ڈالنا، گاڑ ڈالنا، چیر ڈالنا، اُدھیڑ ڈالنا وغیرہ۔

(ز) رہنا، جیسے بیٹھ رہنا، سو رہنا، اٹک رہنا۔ جیسے وہاں جا کے بیٹھ رہا۔ اس سے فعل کا ایک حالت پر قائم رہنا پایا جاتا ہے۔ مگر جاتے رہنا کے معنی تلف ہوجانے اور ضائع ہونے کے ہیں۔

(ذ) پڑنا جیسے دکھائی پڑنا، اس میں محض تکمیل فعل ہے۔ بعض افعال کے ساتھ جیسے ٹوٹ پڑنا، لڑ پڑنا، وغیرہ میں ایک قسم کی حالت کو بتاتا ہے۔ دوسرے معنی اس کے دوسری جگہ بیان کیے جائیں گے۔

(ح) بیٹھنا۔ اس میں بھی جبر اور زور پایا جاتا ہے جیسے سینے پر چڑھ بیٹھا، لڑ بیٹھا، دبا بیٹھا۔

اس کے علاوہ بعض وقت تسلیم و رضا کے معنے دیتا ہے۔ جیسے ہم تو اپنی قسمت کو رو بیٹھے، وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

۳۔ چکنا۔ اختتام فعل کو کامل طور پر ظاہر کرتا ہے جیسے کام ہو چکا۔ کام کر چکا۔ میں خط لکھ چکا۔ وہ کھا چکا۔ ان تمام جملوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کام ختم ہو گیا ہے۔

۴۔ بعض افعال سے امکانی حالت اور قابلیت یا اجازت ظاہر ہوتی ہے۔

(الف) سکنا۔ جیسے میں کر سکتا ہوں۔ وہ نہیں دیکھ سکتا۔ (اس سے قابلیت فعل کی ظاہر ہوتی ہے)

وہ نہیں بول سکتا۔ وہ نہیں جا سکتا، میں نہیں جا سکوں گا (امکانی صورت ہے)۔ اجازت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے، وہ نہیں آ سکتا، کیا میں آ سکتا ہوں؟ سکنا کبھی تنہا استعمال نہیں ہوتا، ہمیشہ کسی دوسرے فعل کے ساتھ بطور فعل امدادی کے آتا ہے۔

(ب) دینا سے بعض اوقات اجازت کے معنی نکلتے ہیں، جیسے اُسے آنے دو، اسے کس نے جانے دیا۔

(ج) کبھی کبھی 'پانا' بھی سکنے اور اجازت کے معنوں میں آتا ہے مگر ہمیشہ مصدر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے وہاں کوئی نہیں جانے پاتا (یعنی کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے) کیا مجال کہ آدمی ٹھیرنے پائے (ٹھیر سکے)

اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
آج اُس سے کوئی ملنے نہ پایا نہ مل سکا

کسی کو اُس شہ خوباں تلک جانا نہیں ملتا
مگر خلوت میں اُس کے ایک میں ہی جانے پاتا ہوں

یہاں ملنے کے معنے بھی سکنے کے آئے ہیں۔ یہ بھی ہمیشہ مصدر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔

(د) جانا بھی کبھی سکنے کے معنی دیتا ہے، جیسے مجھ سے چلا نہیں جاتا اُس سے کھانا کھایا نہیں جاتا۔

(۵) بعض امدادی افعال سے جاری ہوتے یا فاعل کی عادت کا اظہار ہوتا ہے جیسے۔

(الف) کرنا، وہ آیا کرتا تھا، کہا کرتا تھا، آیا کرو۔ اسی طرح دیا کیا، سنوارا کیا۔

(ب) رہنا۔ جیسے وہ بولتا رہا۔ کہتا رہا، سوتا رہا، وہ کھیلتا رہتا ہے، سوتا رہتا ہے، وہ کیا کھا رہا ہے، کھاتا رہ، کھاتا رہے گا۔

(ج) جانا بھی کبھی ان معنوں میں آتا ہے، جیسے، ہزار منع کرو مگر وہ اپنی ہی کہے جاتا ہے، کیے جاتا ہے، ایک کو ایک کھائے جاتا ہے۔

تا اُمیدی مٹائے جاتی ہے
شوق نقشہ جمائے جاتا ہے

خاص یہ صورت عموماً فعل حال ہی کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ ماضی میں استعمال دوسری طرح ہوتا ہے جیسے وہ پڑھتا جاتا تھا اور میں لکھتا جاتا تھا۔ یہی صورت حال میں بھی ہے جیسے پانی بہتا جاتا ہے۔ اس سے فعل کا آہستہ آہستہ جاری ہونا پایا جاتا ہے۔

۶۔ بعض امدادی افعال کسی کام کے دفعتاً ہو جانے یا کرنے کے معنوں

کا اظہار کرتے ہیں۔

(ا) بیٹھنا۔ جیسے کہہ بیٹھا، کر بیٹھا، پوچھ بیٹھا۔ وہ ایسے کام اکثر بے سوچے سمجھے کر بیٹھتا ہے۔ اس میں فعل کے یکایک ہو جانے یا بے سوچے سمجھے کرنے کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔

(ب) اُٹھنا بھی انھیں معنوں میں آتا ہے جیسے بول اُٹھا، بلبلا اُٹھا، بھڑک اُٹھا، جھلّا اُٹھا۔

(ج) پڑنا ــ جیسے لڑ پڑنا، ہن پڑنا، اُلجھ پڑنا، برس پڑنا۔

(د) نکلنا ــ جیسے بہ نکلا، چل نکلا، پھوٹ نکلا، یعنی حالتِ سکون سے دفعتاً حرکت میں آجانے کے معنی دیتا ہے۔ ان معنوں میں نکلنا بہت کم استعمال ہوتا ہے اور شاید زیادہ تر انھیں تین مصدروں کے ساتھ آتا ہے۔

(ہ) فعل کے شروع میں 'آ' یا 'جا' بھی انھیں معنوں میں آتے ہیں جیسے آ پڑنا، آ نکلنا، آ ملنا، جا پڑنا۔

۷۔ لگنا کام کے آغاز کو بتاتا ہے، جیسے کہنے لگا، کھانے لگا، مُنہ سے پھول جھڑنے لگے۔ وہ کھانے لگا ہے۔ جب وہ بیان کرنے لگتا ہے تو دو دو گھنٹے دم نہیں لیتا۔

۸۔ پڑا (ماضی مطلق) کسی دوسرے فعل کے شروع میں آنے سے فعل میں زور اور کثرت کے معنی پیدا کرتا ہے اور عموماً ایسے افعال کے ساتھ آتا ہے جن میں کام کا جاری رہنا پایا جائے۔ جیسے منہ سے پڑے پھول جھڑ رہے ہیں۔ پڑا مارا پھرتا ہے۔ پڑا روتا پھرتا ہے۔ باغوں کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔

۹۔ 'چاہنا'، ایک تو فاعل کی خواہش ظاہر کرتا ہے، دوسرے یہ

بتاتاہے کہ کام قریب زمانۂ آیندہ میں ہونے والا ہے، مگر اصل فعل ہمیشہ ماضی کی صورت میں رہتا ہے۔ جیسے وہ بولا چاہتا ہے، دیکھیے کیا ہوا چاہتا ہے۔ یہ حالت صرف فعل حال میں استعمال ہوتی ہے۔

دل اس بت پہ شیدا ہوا چاہتا ہے
یہ کعبہ کلیسا ہوا چاہتا ہے

خواہش ظاہر کرنے کے لیے اصل فعل صورت مصدریہ کے ساتھ ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے اس نے بولنا چاہا، وہ بولنا چاہتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہی معنی مصدر کے الف کو یائے مجہول سے بدلنے اور اس کے بعد "کو" اور "ہونا" کے افعال ماضی و حال بڑھانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے کہنے کو ہے، کہنے کو تھا، جانے کو ہے، جانے کو تھا، وغیرہ یعنے ابھی جانا چاہتا ہے یا جانے والا ہے، جانا چاہتا تھا یا جانے والا تھا۔

۱۰۔ چاہتا ہے چاہیے بطور امدادی فعل کے مستعمل ہے۔ یہ اخلاقی امر یا فرض منصبی کے جتانے کے لیے آتا ہے، اور ہمیشہ مصدر کے بعد استعمال ہوتا ہے۔ جیسے انھیں وہاں جانا چاہیے۔ تم کو وقت پر حاضر ہونا چاہیے۔ انسان کو سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے۔

۱۱۔ (لے) فعل کے شروع میں آنے سے اپنے ساتھ کسی دوسرے شخص یا شے کو لے جانے یا مبتلا کرنے کے معنوں میں آتا ہے جیسے لے بھاگنا، لے اڑنا، لے ڈوبنا، لے مرنا وغیرہ۔

۱۲۔ اسی طرح "دے" بھی فعل کے شروع میں بطور امدادی فعل کے آتا ہے۔ جیسے دے مارنا، دے پٹکنا، یہ محض کلام میں زور پیدا کرنے

کے لیے آتا ہے۔

۱۳۔ رہا اور چھوڑا جب حالیہ کے بعد آتے ہیں تو اس کے معنی ہوتے ہیں کہ باوجود مشکلات کے پوری سعی کے ساتھ کام کو انجام دیا جو منشا تھا اُسے کسی نہ کسی طرح پورا کر دیا۔ جیسے کر کے رہا، مکان بنا کے چھوڑا۔

۱۴۔ "رکھنا" بطور امدادی فعل کے کئی طرح استعمال ہوتا ہے۔

(۱) کسی کی مرضی کے خلاف دوستی، محبت یا جبر یا کسی دوسرے اثر سے کام لینا جیسے اس نے مجھے صبح سے بٹھا رکھا ہے اور جانے نہیں دیتا اس نے میرا مال دبا رکھا ہے۔

(۲) سکھا پڑھا کر پہلے سے تیار کر لینا جیسے اس نے اسے خوب سمجھا رکھا ہے۔ میں نے اسے پہلے سے کہہ رہا ہے، یا بتا رکھا ہے۔

(۳) محض تاکید کے لئے، جیسے سُن رکھو، دیکھ رکھو۔

(۴) محاورے ہیں۔ جیسے، میں نے یہ کام اگلے سال کے لئے اُٹھا رکھا ہے۔

(۱۵) کبھی فعل میں تکرار ہوتی ہے، یعنی دوسرا فعل اسی کا مترادف یا اس کا ہم آواز ساتھ آتا ہے اور معنوں میں زور پیدا کر دیتا ہے۔ جیسے دیکھ بھال کر، سوچ سابچ کر، میں شام کو ہارا تھکا گھر پہنچا، وہ مُردوں کے گاڑنے دابنے میں مصروف رہے۔ بیس پاس کے مسالا تیار کر دیا۔ دھل دُھلا کر خاصا سفید ہو گیا۔ گرتے پڑتے گھر پہنچ گیا۔ اسی طرح چلنا پھرنا، سینا پرونا، کھانا پینا، رونا دھونا وغیرہ۔

۲۔ اسماء صفات کی ترکیب سے

(۱) ہندی اسم یا صفت کے ساتھ سادہ مصادر کا آنا جیسے پوجا کرنا۔

نام دھرنا، برا کہنا، اچھا کہنا، دم لینا، دم دینا، دم مارنا، دم توڑنا، مار کھانا، رکھوالی کرنا، ادھار دینا، ڈینگ مارنا، چھلانگ مارنا، دھوکا کھانا جاڑا لگنا، ناک لگانا، پتا لگانا، ہل چلانا، رستہ دیکھنا وغیرہ وغیرہ بکثرت اور بے شمار مستعمل ہیں۔ اس قسم کے مرکب افعال میں زیادہ تر یہ امدادی افعال آتے ہیں۔ ہونا، کرنا، کھانا، دینا، لینا، پڑنا، مارنا، آنا، ڈالنا دھرنا، پکڑنا، بھرنا، لگنا، لگانا، رکھنا۔ ان کے علاوہ اور بہت سے فعل لبطور امداد کے آتے ہیں جن کی تفصیل لغت سے تعلق رکھتی ہے۔

۲۔ فارسی اسم کے ساتھ ہندی مصدر کا آنا جیسے دل دینا، باز آنا، باز رکھنا، دلاسا دینا، پیش آنا، بر آنا، بر لانا وغیرہ۔

۳۔ عربی اسم کے ساتھ جیسے شروع کرنا، یقین کرنا، یقین لانا، علاج کرنا، جمع ہونا وغیرہ۔

۴۔ فارسی یا عربی صفت کے ساتھ جیسے قوی کرنا، روشن کرنا، مشہور کرنا، ضعیف ہونا وغیرہ۔

۵۔ بعض اوقات ہندی اسما یا صفات میں کسی قدر تغیر کرکے نا علامت لگا دیتے ہیں اور مصدر بنا لیتے ہیں۔ جیسے پانی سے پنیانا، جوتی سے جتیانا، ساٹھ سے سٹھیانا، ٹکی سے ٹکیانا، پتھر سے پتھرانا، ٹھوکر سے ٹھکرانا، چکر سے چکرانا، لالچ سے للچانا، کیچ سے کچیانا، لنگڑے سے لنگڑانا، بھن بھن سے (جو مکھیوں کی آواز ہے) بھنبھنانا، ٹھن ٹھن سے ٹھنٹھنانا، بڑبڑ سے بڑبڑانا، منمن سے منمنانا وغیرہ۔

۶۔ بعض مصدر اُردو میں ایسے ہیں کہ عربی یا فارسی افعال یا اسما کے آگے ہندی مصدر کی علامت نا لگا کر اُردو بنا لیا گیا ہے۔

مثلاً فارسی کے افعال سے فرمانا، بخشنا، آزمانا، نوازنا۔ فارسی اسم گرم سے گرمانا، نرم سے نرمانا، داغ سے داغنا، خرید سے خریدنا۔
اسی طرح عربی کے لفظ بدل سے بدلنا، بحث سے بحثنا، قبول سے قبولنا دفن سے دفنانا، کفن سے کفنانا۔
اس طور سے مصدر بنانے کا رواج کم ہوتا جا رہا ہے حالاں کہ اس سے زبان میں بڑی وسعت ہو سکتی ہے۔
۷۔ بعض اوقات علامت مصدر حذف ہو جاتی ہے مگر یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ دوسرا مصدر ساتھ ہو۔ جیسے بنا جاننا، بنا آنا وغیرہ۔

ایک اسم ہیں کہ دیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنھیں تصویر بنا آتی ہے

۸۔ بعض اوقات حالیا معطوفہ بھی اسی صورت سے آتا ہے اس میں اور مرکب فعل میں فرق کرنا چاہیئے۔ مثلاً میں وہاں ہو آیا ہوں۔ میں اسے دیکھ آیا ہوں۔

۵. تمیز یا متعلق فعل

تمیز فعل یا صفت کی کیفیت بیان کرتی ہے اور اس کے آنے سے فعل یا صفت کے معنوں میں تھوڑی بہت کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے۔ چند تمیزی الفاظ ایسے ہیں جو ہندی ضمائر سے بنتے ہیں اور چوں کہ وہ سب سے سادہ ہیں لہذا ان کا ذکر اول کیا جائے گا اور ان کے ساتھ اسی قسم کے دوسرے الفاظ بیان کیے جائیں گے جو اسما سے بنے ہیں۔

۱۔ زماں یا وقت کے لئے۔ اب۔ جب۔ تب۔ کب۔

یہ سب الفاظ سنسکرت سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً جب اور تب سنسکرت کے الفاظ یاوت اور تاوت سے بنے ہیں، جو پراکرت میں جاوا اور تاوا ہوئے اور ان سے ہندی کے جب اور تب بنے۔ یہی حال اب اور کب کا ہے۔

ان کے علاوہ دوسرے ہندی الفاظ جو تمیز زماں کا کام دیتے ہیں، یہ ہیں۔ آگے، پیچھے، پہلے، آج، کل، پرسوں، ترسوں، تڑکے، ترت، نت، سدا، سویرے، پھر۔

فارسی الفاظ ان معنوں میں یہ مستعمل ہیں۔

ہمیشہ، جلد، جلدی، یکایک، اچانک، ناگاہ، ناگہاں، بعد ازاں، شب و روز

۲۔ مکان، یا جگہ کے لئے۔ یہاں، وہاں، جہاں، تہاں، کہاں یہ الفاظ بھی سنسکرت سے ماخوذ ہیں۔ ہاں یا آں جو سنسکرت کے لفظ ستھان

کا مخفف ہیں اور جیسے کے معنی جگہ کے ہیں، ضمیری مادے کے میل سے یہاں اور وہاں بن گئے۔ کہاں کا کاف سنسکرت کے لفظ کت سے ہے جس کا بگاڑ گدھے جواب بھی قصبات و دیہات میں مستعمل ہے اور اسی سے مرہٹی میں اکا دسے بنا ہے۔

اس کے علاوہ ہندی میں تمیز مکان کے لیے یہ الفاظ آتے ہیں:-

آگے، پیچھے، پرے، پاس، اوپر، نیچے، بھیتر، باہر، اندر،

۳۔ سمت۔ ادھر، اُدھر، جدھر، تدھر، (ہندی) کدھر

۴۔ طور و طریقہ۔ یوں، جوں، کیوں، کیوں کر، کیسے (بمعنے کیوں)

یہ الفاظ سنسکرت کے لفظ ایوم پراکرت ایوم سے نکلے ہیں جن کی صورت بعد میں امی ادرام ہوئی اور ہندی میں "یو"۔

علاوہ ان کے دوسرے الفاظ یہ ہیں ٹھیک، اچانک، دھیرے ہولے، لگاتار، برابر، تابڑ توڑ، سچ مچ، جھوٹ موٹ، تھوڑا، بہت، جھٹ پٹ، جھپٹ، ہٹ،

فارسی، عربی کے الفاظ ذرا، تخمیناً، تقریباً، خصوصاً، زیادہ، بالکل، مطلق، بعینہٖ، بجنسہٖ، ہرچند، سوا، جیسہ، یعنی من و عن، باہم، فوراً، دفعتاً، ناگہاں، ناگاہ، یکایک، فی الفور، القصہ، الغرض، فی الجملہ وغیرہ

۵۔ تعداد کے لئے ایک بار، دو بار، وغیرہ، اکثر ایک، ایک، دو دو وغیرہ، اتنا، جتنا، کتنا،

۶۔ ایجاب و انکار۔ ہاں جی۔ جی ہاں، نہیں، نہ۔

شاید، غالباً، یقیناً، بیشک، بلاشبہ، ہرگز، زنہار، بارے، البتہ فی الحقیقت، درحقیقت۔

۷۔ سبب و علت۔ اس لئے، اس طرح، چناں چہ، کیوں کہ، لہذا۔

۸۔ مرکب تمیز۔ کبھی تمیز مرکب ہوتی ہے۔ یعنے دو مل کر ایک تمیز کا کام دیتی ہیں۔ جیسے کب تک، جب کبھی، جہاں کہیں، جہاں جہاں، کہیں نہ کہیں، کبھی نہ کبھی، اِدھر اُدھر، اندر باہر۔ بعض اوقات تکرار کے ساتھ آتی ہیں۔ جیسے جب جب، کہیں کہیں۔

۹۔ بعض اوقات ایک ایک دو دو لفظ مل کر بطور جزو جملہ کے تمیز کا کام دیتے ہیں جیسے رفتہ رفتہ، خوشی خوشی، ایک ایک کرکے، روز روز، آئے دن، گھڑی گھڑی، ہو نہ ہو، دھوم دھام، دونوں وقت ملتے، آس پاس، اطراف و جوانب، جم جم، نت نت، کیوں نہیں، الگ الگ، صبح و شام، چوری چھپے، آہستہ آہستہ، جوں توں، جوں کا توں۔

عربی کے جزجملے۔ کما حقہ، حتی الامکان، کما ینبغی، من وعن، حتی المقدور، حاصل کلام، طوعاً کرہاً، آخرالامر وغیرہ

۱۰۔ کبھی تمیز یا اسم کے بعد سے، تک، ہیں، وغیرہ آنے سے تمیز بن جاتی ہے جیسے کب تک، بھولے سے، پھرتی سے، لنتے ہیں۔ فارسی کی (ب) فارسی الفاظ کے ساتھ آنے سے یہ کام دیتی ہے جیسے بخوشی، بخوبی، بدل و جان۔

۱۱۔ بعض اسم "وار" کے ساتھ مل کر یہ معنی دیتے ہیں جیسے تفصیل وار، ہفتہ وار، ماہوار، نمبروار وغیرہ

۱۲۔ بعض الفاظ صفات بھی تمیز کا کام دیتے ہیں۔ مثلاً خوب، ٹھیک، بجا، درست۔ جیسے خوب کہا۔ بجا فرمایا۔ ٹھیک کہتے ہو۔ درست فرماتے ہیں۔

ہزار اور لاکھ، کثرت کے معنوں میں تمیز کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے میں نے لاکھ سمجھایا کچھ اثر نہ ہوا۔ ہزار سر مارا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیوان ہی رہا۔

۱۳۔ کبھی اسمائے عام بھی تمیز کے معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے انگلوں بڑھتا ہے، بانسوں اچھلتا ہے، گھٹنوں چلتا ہے، کوسوں مرتا ہے، جھوٹوں بھی نہ پوچھا۔ یہ سب الفاظ جمع میں استعمال ہوتے ہیں۔

۱۴۔ بعض اوقات حالیہ معطوفہ بھی تمیز کا کام دیتے ہیں جیسے کھل کھلا کر ہنسنا، بلبلا کر رونا۔

حروف

حروف وہ غیر مستقل الفاظ ہیں جو تنہا (بولنے یا لکھنے میں کوئی خاص معنی پیدا نہیں کرتے جب تک کسی جملے میں یا دوسرے الفاظ کے ساتھ استعمال نہ ہوں جیسے کو، تک، جب وغیرہ۔

اردو میں ان کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ ربط۔
۲۔ عطف
۳۔ تخصیص
۴۔ فجائیہ۔

۱۔ ربط

حروف ربط وہ ہیں جو ایک لفظ کا علاقہ کسی دوسرے لفظ سے ظاہر کرتے ہیں۔

(۱) کا، کے، کی۔
(۲) نے۔
(۳) کو، تئیں، سے، میں، تک، پر۔

یہ حروف ربط سادہ قسم کے ہیں جو عموماً اسم یا ضمیر یا تمیز کے ساتھ آتے ہیں اور ان کی حالت کا پتا دیتے ہیں مثلاً نمبر (۱) حالت اضافی کے لیے۔ نمبر (۲) حالت فاعلی کے لیے۔ نمبر (۳) حالت مفعولی یا طوری کے لیے آتے ہیں۔

اگرچہ بظاہر یہ حروف بہت سادہ معلوم ہوتے ہیں لیکن جب ان کی اصل پر نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنسکرت میں مستقل الفاظ تھے لیکن زمانے کے تغیرات سے رفتہ رفتہ ایسے ہو گئے کہ وہ اب محض ایک سادہ علامت کا کام دیتے ہیں۔ مثلاً 'کے' جو پرانی اردو میں پاس کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا اصل میں کرن یا کرنے سے ہے جس کے معنی کان کے ہیں۔ چوں کہ کان قریب کا عضو ہے اس لیے یہ معنی ہو گئے۔ یہی حال دوسرے حروف کا ہے۔ (کا) مذکر واحد (کے) جمع مذکر (کی) واحد و جمع مونث اسماء ضمائر، دونوں کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔

یہ لفظ کرتا کی خرابی ہیں جو سنسکرت کے فعل کری کا مفعول ہے۔ پراکرت میں کرتا کے ساتھ مفعولی علامت کا اضافہ کیا گیا، بعد ازاں ت نکل گئی اور ری کا ی سے بدل ہو گیا اور لفظ کی صورت کیرا کا ہو گئی۔ پراکرت میں یہ لفظ اضافی حالت کے ساتھ استعمال ہوتا تھا، رفتہ رفتہ اضافت تو مٹ گئی اور یہ اس کی جگہ قائم ہو گیا۔ اسی رو کا سے بعد میں کیرو، کیرا، کرا، کرے کے نکلے جو قدیم ہندی میں حالت اضافی کے لیے استعمال ہوتے تھے اور انھیں کی مختلف صورتیں برج اور ہندی کے 'کون' کو اور کا ہیں۔ اور جب ان کے شروع سے ک نکل گیا، تو باقی 'را' اور اس کی دوسری صورتیں 'ری' 'رے' پیدا ہو گئیں جو ضمیر ذاتی میں صرف متکلم کے ساتھ استعمال ہوتی ہیں۔

'نے' صرف فاعل کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور وہ بھی افعال متعدی میں سنسکرت کا مفعول 'لگیا'، پراکرت میں 'لگیو' ہوا، وہاں سے ہندی لگے لے، نے نے۔ گجراتی اور پنجابی میں (نے) مفعول اور فاعل دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن چوں کہ ہندی میں مفعول کی علامت (کو) موجود ہے لہٰذا (نے)

صرف فاعل کے لیے مخصوص ہوگیا۔

گو بعض کا خیال ہے کہ یہ بھی کرنا سے اسی طرح نکلا ہے جیسے کا، لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ سنسکرت کے ظرف کاکشے سے بنا ہے۔ کاکشے، کاکشا سے نکلا ہے جس کے معنی بغل کے ہیں اسی سے پنجابی کچھ بمعنی بغل ہے اور بنگالی کاچھے کچی اسی سے بنا ہے، جس کے معنی اس زبان میں نزدیک کے ہیں۔ کیوں کہ بغل سب سے قریب ہے، اس لیے اُس کے یہ معنی ہوگئے۔ قدیم ہندی میں کاکھ اور کاکھیم ہوا، کاکھم سے معمولی تغیر و تبدل کے بعد کا ہاں، کہاں، کہاؤں، کادن اور کو بنا۔

سے سنسکرت کے لفظ سانگے سے ہے جس کے معنی معیت کے ہیں۔

میں سنسکرت کے لفظ مدھیلے سے بنا ہے۔ مدھیا کی مختلف صورتیں رفتہ رفتہ مدھیا، مدھی، مہی، ماہی اور ماہ ہوئیں ان میں دھا، ہا اور یا سے بدلا اور یا بعد میں ای ہوگئی اور بھرای بھی غائب ہوگئی۔

مانجھ (جس کے معنی درمیان کے ہیں) بھی اسی سے ہے، اس کے بعد کی صورتیں ماہیں، مہاں، میں، ہوں، ہیں۔ غرض میں آخر میں ماہیں سے بنا ہے۔

پر، سنسکرت کے اُپری سے ہے۔

تک سنسکرت میں ایک لفظ ترتیکے ہے جس کی اصل تری ہے اور جو سنسکرت میں اکثر معنوں میں آتا ہے جیسے اردو میں تک۔ تری کے ساتھ (کو) اضافہ کیا گیا تو تریکو ہوا (د) اُڑ گئی تک رہ گیا۔

تلک کی بھی یہی اصل ہے۔ ترکیوں میں ر، ل سے بدل گئی (ر اور ل کا بدل عام طور پر ہوتا ہے) تو تلیکو بنا اور تلیکو سے تلک بن گیا۔ ہندی

اور پُرانی اُردو، اور آج کل کے دیہات میں بھی لگ بمعنی تک کے آتا ہے۔
چوں کہ الگ کے معنی قریب پہنچنے کے ہیں اور تک اور تلک حد کو بتاتا ہے کہ
اُسے چھو سکتے ہیں اسی لیے لگ ان معنوں میں استعمال ہونے لگا۔

تئیں بھی غالباً سنسکرت کے لفظ تر تیلا سے بنا ہے۔

ان کے علاوہ اور بہت سے الفاظ ہیں جو حروف ربط کا کام دیتے ہیں، مثلاً پاس، تلے، پیچھے، آگے، بیچ، سمیت، اوپر، نیچے، باہر، لیے، ساتھ، سنگ، سلمنے، مارے، لیکن یہ تمام الفاظ بجز "سمیت" کے اضافی حالت کے ساتھ آتے ہیں۔ جیسے اس کے پاس۔ صندوق کے نیچے۔ دھوپ کے مارے سر دکھنے لگا۔ گھر بچوں سمیت۔

اسی طرح بہت سے فارسی و عربی کے الفاظ بھی حروف ربط کا کام دیتے ہیں، جیسے بغیر، اندر، نزدیک، باعث، واسطے، سبب، سوا، طرح، نسبت، بجا، بجز، موجب، پیش، پس، قبل، گرد، درمیان۔ یہ الفاظ بھی اضافی حالت کے ساتھ آتے ہیں۔

ہندی کے بعض حروف ربط دو دو مل کر آتے ہیں اور ایک حرف کا کام دیتے ہیں۔ جیسے وہ چھت پر سے گر پڑا۔ نالی میں سے نکل گیا۔ یہ تو اس میں کا ہے۔ دیوار پر سے کود گیا۔

۲۔ حروف عطف

حروف عطف وہ ہیں جو دو یا دو سے زیادہ لفظوں یا دو جملوں کو ملانے کا کام دیتے ہیں۔ جیسے جوان اور بوڑھے سب تھے۔ ہرکارہ آیا اور خط دے کر چلا گیا۔ میں تو آ گیا مگر وہ نہیں آیا۔ اگر ہم جانتے تو وہ نہ جاتا۔ اخبار، رسالے اور کتابیں نکال کر الگ رکھ دو۔

ان کی کئی قسمیں ہیں۔

(۱) وصل (۲) تردید (۳) استدراک (۴) استثنا (۵) شرط (۶) علت (۷) بیانیہ۔

۱۔ وصل کے لئے اور، و، کیا ... کیا، کہ، یا۔ اس میں واو رکہ فارسی ہیں۔ مثالیں۔

جوان اور بوڑھے سب تھے۔ ہرکارہ آیا اور خط دے کر چلا گیا۔ بادشاہ و وزیر کھڑے ہیں۔ کیا وہ اور کیا تم دونوں ایک ہو۔ اُس نے کہا کہ ابھی مت جاؤ۔ (اور) اور (و) کے استعمال میں فرق ہے جس کا ذکر نحو میں کیا جائے گا۔ (یا) جیسے کوئی ہے یا نہیں۔ (کہ) بھی انھیں معنوں میں آتا ہے۔ جیسے کوئی ہے کہ نہیں۔

۲۔ تردید۔ نہ نہ، خواہ، چاہے، یا یا۔ مثالیں، نہ وہ آیا نہ تم آئے خواہ تم آؤ خواہ اُسے بھیج دو، چاہے رہو چاہے چلے جاؤ۔ یا یہ لو یا وہ۔

۳۔ استدراک۔ پر، لیکن، بلکہ

جہاں یہ لفظ آتے ہیں تو جملوں کے مضمون میں جو مغائرت ہوتی ہے ان الفاظ کے آنے سے شک و شبہ رفع ہو جاتا ہے۔ یہ سب سچ ہے پر وہ نہیں مانتا۔ اُنہوں نے بہت سی شرطیں پیش کیں لیکن میں نے ایک نہ مانی۔ ایک نہیں بلکہ دو ہیں۔

۴۔ استثنا۔ مگر، الا

سب آئے مگر وہ نہ آیا، سب آئے الا وہ نہیں آیا۔

۵۔ شرط۔ جو، اگر

اور جو تم نے کچھ کہا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" جو روئی کی بو بھی ہوتی

توکہیں دو چار ہوتا " (غالب)

اگر وہ نہ آیا تو مجھے جانا پڑے گا۔

ورنہ اور نہیں تو اور تو شرط کے جواب میں آتے ہیں۔ وہ آیا تو آیا ورنہ مجھے خود جانا پڑے گا۔

کچھ کہتے ہو تو کہو نہیں تو میں جاتا ہوں

پہلے جملے میں حرف شرط آتا ہے اور دوسرے جملے میں جواب کے لئے اکثر تو آتا ہے جسے جزا کہتے ہیں۔

۶۔ علت ۔ سو ، پس ، اس لئے ، لہٰذا ، بنا بریں ، کیوں کہ ۔ مثالیں آپ نے اُسے جانے کا حکم دیا تھا ، سو وہ گیا۔ اس نے ہمیں حاضر ہونے کہا تھا ، پس ہم حاضر ہو گئے۔

بعض حروف علت جوڑا جوڑا آتے ہیں یعنی ایک علت کے ساتھ دوسرا معلول کے ساتھ جیسے ، چونکہ آپ نہ تھے اس لئے میں نہ آیا۔

تا اور تاکہ اور مبادا کو بھی اسی ضمن میں سمجھنا چاہیئے۔ مثلاً کتابیں بھیج دیجئے تاکہ جلد بندھوا دوں۔ آپ کہلا بھیجئے مبادا وہ نہ آئے۔

۳ حروف تخصیص

حروف تخصیص جب کسی اسم یا فعل کے ساتھ آتے ہیں تو خصوصیت یا حصر کے معنے پیدا کرتے ہیں۔

حروف تخصیص یہ ہیں :۔ ہی ۔ تو ۔ بھی ۔ ہر

جیسے میں نے اختر ہی سے سنا تھا۔

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

"یہیں جہاں سو ہزار ہم بھی ہیں"

فعل کے ساتھ بھی یہ حروف استعمال ہوتے ہیں۔

"کسی نے اُن کو سمجھایا تو ہوتا۔" "صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں۔"

ہر شخص اپنی اپنی فکر میں مبتلا ہے۔ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہے۔

ہر، ایک کے ساتھ بھی مل کر آتا ہے جیسے ہر ایک آدمی پر لازم ہے کہ اپنا فرض ایمانداری سے ادا کرے۔ ہر ایک کا یہ مقدور نہیں۔

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمھیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے (غالب)

کوئی اور کسی کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ہر کسی کے کہنے کا یقین کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اب تو ہر کوئی تمھاری سی کہنے لگا۔

ہی، بعض اسماء ضمائر اور حروف کے ساتھ مل کر مرکب لفظ کا جزو بن جاتا ہے مثلاً:

کب	ہی کے ساتھ مل کر	کبھی	ہوا
جب	"	جبھی	"
اب	"	ابھی	"
تب	"	تبھی	"

سب	ہی کے ساتھ مل کر	سبھی	ہوا
کہاں	"	کہیں	"
وہاں	"	وہیں	"
یہاں	"	یہیں	"
وہ	"	وہی	"
یہ	"	یہی	"
اس	"	اسی	"
تم	"	تمھیں	"
ہم	"	ہمیں	"
تجھ	"	تجھی	"
مجھ	"	مجھی	"
جوں	"	جونہیں۔ جونہی	"
یوں	"	یونہیں۔ یونہی۔ یہیں	"

حروف فجائیہ

وہ الفاظ جو جوش یا جذبے میں بے تحاشا زبان سے نکل جاتے ہیں جیسے ہیں ہیں! اوہو، ہائے وغیرہ۔

مختلف جذبات اور تاثیرات کے لیے الگ الگ حروف مستعمل ہیں بعض اوقات چند جملے بھی ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے! ماشاءاللہ! سبحان اللہ، استغفراللہ وغیرہ۔

۱۔ حرف ندا۔ اے 'یا' جیسے اے صاحبو۔ یا اللہ۔

" ہوت" دور سے بلانے کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن شائستہ

زبان میں اس کا استعمال نہیں ہے۔

ارے۔ اُبے، اجی، ارے او، لبے او عموماً یا تو انتہائی بے تکلفی میں یا خفگی کی حالت میں چھوٹے درجے کے لوگوں کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

فارسی میں کبھی الف اسم کے آگے بڑھا دیا جاتا ہے۔ جیسے شاہا، شاہنشاہا، بادشاہا، واعظا وغیرہ، مگر اردو میں یہ صرف شعر میں آتا ہے۔ جسے بلاتے ہیں اُسے منادیٰ کہتے ہیں۔ جب منادیٰ جمع کی حالت میں ہوتا ہے تو جمع کا آخری ن گر جاتا ہے۔ اے صاحبو! اے بھائیو! بعض وقت حرف ندا محذوف بھی ہوتا ہے جیسے۔ لوگو دوڑو۔ صاحبو یہ کیا بات ہے

۲۔ خوشی اور مسرت کے لیے۔ اہاہا، اوہو ہو، واہ واہ، سبحان اللہ ماشاءاللہ۔

۳۔ رنج و تاسف کے لیے۔ ہائے، وائے، آہ، اُف لے، وائے، ہائے رے، افسوس۔ حیف، ہیہات۔

۴۔ تعجب کے لیے سبحان اللہ، اللہ اللہ، اللہ اکبر، تعالی اللہ، صلّے علیٰ، اُفو، اہا۔

۵۔ نفرت کے لیے۔ دُر، دُر دُر، دور، تف، تھو، استغفر اللہ معاذ اللہ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ، ہشت، چھی۔

۶۔ تحسین و آفریں کے لیے۔ سبحان اللہ، ماشاءاللہ۔ بارک اللہ، خوب، شاباش، جزاک اللہ، واہ وا، اللہ اللہ، صلِ علیٰ، چشم بد دور،

۷۔ پناہ مانگنے کے لیے۔ الامان، الحفیظ، الامان الامان، توبہ، الٰہی توبہ، معاذ اللہ، عیاذاً باللہ۔

۸۔ تنبیہ کے لیے ۔ ہیں ہیں ، ہوں ، ہوں ہوں ، خبردار ، دیکھو ، سنو !۔

فصل سوم

مشتق اور مرکب الفاظ

اس فصل میں مشتق اور مرکب الفاظ کا ذکر کیا جائے گا

مشتق

مشتق وہ ہے جو کسی دوسرے لفظ سے کسی قدر تغیر سے نکلا یا بنا ہو۔
یہاں زیادہ تر ہندی الفاظ کے اشتقاق سے بحث کی جائے گی۔
فارسی اشتقاق اکثر ہندی سے ملتا جلتا ہے۔ عربی فی الحال ہماری بحث سے خارج ہے۔

۱۔ اسمائے کیفیت عام طور پر اس طرح بنتے ہیں۔

(ا) اکثر افعال کے مادے (یعنی علامت مصدر کے گر جانے کے بعد) اسمائے کیفیت کا کام دیتے ہیں۔ مثلاً ہار، جیت، مار، پھیر، ناک، بیک، بول، لوٹ، روک، ٹوک وغیرہ۔

بعض اوقات اعراب کو لمبا کر کے حروف علت کی شکل بن جاتے ہیں۔ جیسے اُترنا سے اُتار، چلنا سے چال، ٹلنا سے ٹال، ملنا سے میل۔

(ب) مادے کے آخر میں الف کے بڑھانے سے۔ جیسے جھگڑا، پھیرا، چھاپا۔

(ج) ن کے بڑھانے سے۔ جیسے جلن، مرن، کہن، اترن، کترن،

سوجن وغیرہ

(د) بعض اوقات صفات کے آگے ن بڑھانے سے اسمائے کیفیت بن جاتے ہیں۔ اُنچان، چوڑان، لمبان وغیرہ۔

(ہ) فعل کے آگے ا، ن کے اضافے سے۔ جیسے اُٹھان، لگان، اڑان، ڈھلان۔

(و) فعل کے مادے کے آگے ائی معروف یا وای بڑھانے سے، لیکن اس میں ہمیشہ اُجرت یا مزدوری کے معنی پائے جاتے ہیں۔ جیسے ڈھلائی، چرائی، پسوائی، دھلائی، سلائی، رنگوائی۔

(ز) صفت کے بعد ائی یا ی بڑھانے سے اسمائے کیفیت بن جاتے ہیں جیسے اچھائی، برائی، گولائی، بڑائی، چھٹائی۔

(ح) اسم کے بعد ی معروف بڑھانے سے۔ چوری۔ ٹھگی، کھیتی، بنیٔ،

(ط) ت یا تی کے بڑھانے سے جیسے بچت۔ کھپت، بھرتی، بڑھتی، پھبتی۔

(ی) انت کے اضافے سے جیسے بھنانت، کھلمنانت۔

(ک) اسم کے بعد ٹ، ہٹ، اٹ کے بڑھانے سے جیسے گھبراہٹ، بناوٹ، رکاوٹ، لگاوٹ وغیرہ

(ل) بعض اوقات صفات کے آگے یہی علامت بڑھانے سے بھی اسمائے کیفیت بنتے ہیں۔ جیسے چکناہٹ، کڑواہٹ، بیلاہٹ

(م) مادۂ فعل کے بعد آؤ کے اضافہ کرنے سے۔ جیسے بچاؤ، چڑھاؤ، چھڑکاؤ، جھکاؤ، لگاؤ، رکاؤ وغیرہ۔

(ن) پا، پن اور پنا اسم کے آگے بڑھانے سے جیسے بڑھاپا، چھٹاپا، مٹاپا، لڑکپن، بچپن، شہدپن، دیوانہ پن، بچپنا، گنوارپنا، بھٹپنا۔

(س) کس کے بڑھانے سے، اسم یا فعل کے بعد جیسے ٹھنڈک، بھٹک،

(ع) کی کے اضافے سے جیسے چکی۔

(ف) اس کے اضافے سے جیسے مٹھاس، پیاس، کھٹاس،

(ص) مادۂ فعل کے بعد آپ کے اضافے سے جیسے ملاپ۔

(ق) پنت سے جیسے سیان پنت، گنوارپنت۔

(ر) نا کے لگانے سے۔ جیسے چاندنا۔

(س) ڑاس کے بڑھانے سے۔ جیسے بکڑاس۔

(ت) وا کے اضافے سے جیسے بڑھاوا، بلاوا، دکھاوا وغیرہ۔

(ض) پیت۔ جیسے اپناپیت۔

یہ سب ہندی صورتیں ہیں لیکن بعض فارسی ترکیبیں بکثرت استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً گی کے لگانے سے بندگی، زندگی، مردانگی، دیوانگی یہ علامت ان فارسی الفاظ کے آگے اضافہ کی جاتی ہے، جن کے آخرہ ہوتی ہے)

اسم کے بعدی کے اضافے سے، جیسے گرمی، نرمی، جوانی، روشنی وغیرہ

امر کے آگے ش یا ش کے اضافے سے جیسے سوزش، آزمائش، گردش وغیرہ۔

امر کے آگے اک بڑھانے سے جیسے خوراک، پوشاک۔

۲۔ اسم فاعل، جو کسی کام یا پیشے کے ظاہر کرنے کو استعمال ہوتا ہے مفصلۂ ذیل علامات کے اضافے سے بنتا ہے۔

(ا) والا، جیسے رکھوالا، گوالا، وغیرہ۔
(ب) وال۔ جیسے دوال، رکھوال۔
(ج) ہار، ہارا، جیسے بنہارا، لکڑ ہارا، پنہارا، گھسیارا، جانہارا، ہا سنسکرت کے لفظ کارک سے بگڑ کر بنا ہے، جس کے معنے آنے والے کے ہیں۔
بعض الفاظ میں ہارا کی ہ اُڑ گئی ہے اور آرا، آر، یار، ہو گیا ہے۔ جیسے کرتار، چمار، کمہار، بنجارا، بھٹیارا، سنار، لوہار۔
(د) اری یا اڑی کے اضافے سے بنتا ہے، جیسے پجاری، بھکاری، کِھلاڑی۔
(ھ) ایرا کے اضافے سے جیسے لیٹرا، کیرا، سپیرا، کمیرا۔
(و) اکے اضافے سے، جیسے بھڑبھوجے ہیں بھوبنجا جو پُرانے فعل بھنجنا (بھوننا) سے نکلا ہے۔ جوتا (زمین جوتنے والا) اُچکا۔
(ز) یا کے اضافے سے جیسے گڈریا (گڈر بمعنے بھیڑ) دیوالیا، بخیلیا۔
(ح) یا کے اضافے سے جیسے گوتیا، ٹٹوتیا۔
(ط) ہا کے اضافے سے، جیسے چرواہا۔
(ی) وا کے اضافے سے، جیسے مچھوا، بھڑوا (بھاڑے سے) پٹوا (پٹ = ریشم)
(ک) اک کے اضافے سے، جیسے پیراک۔ لڑاک، تیراک، چالاک
(ل) تا کے اضافے سے، جیسے داتا۔ یا رشتے کو ظاہر کرنے کے لئے جیسے پِتا (یہ سنسکرت علامت ہے)
(م) کڑ کے اضافے سے، جیسے بھلکڑ، کودکڑ، بھجکّڑ۔

(ن) و کے اضافے سے، جیسے ڈاکو، ہٹو۔
(س) و کے اضافے سے، جیسے پکھیرو، کسیرو۔
اس کے علاوہ فارسی علامتیں بھی اردو میں بکثرت استعمال ہوتی ہیں۔
مثلاً گر، گار، کار، جیسے کاریگر، نیسلگر، زرگر، خدمت گار، مدد
گار، دستکار۔
بر، جیسے، رہبر، دلبر، پیغام بر؛
بان، دان، جیسے باغ بان، گاڑی بان، کوچوان (اسی طرح ہم کہہ
سکتے ہیں موٹر بان)،
مند، جیسے دولت مند، حاجت مند۔
ور، آور، جیسے جانور، زور آور۔
ترکی علامت چی سے جیسے خزانچی، طبلچی، بندوقچی، باورچی۔ ان
فارسی علامات والفاظ کا ذکر تفصیل سے آئے گا۔
۳۔ اسمائے آلہ، فعل کے بعد ان علامات کے بڑھانے سے بنتے ہیں۔
جیسے:-
(ا) نی، نا، ن کے اضافے جیسے دھونکنی، اوڑھنی، بیلن، چھلنی، بالنا،
بیانا، اسم کے بعد ن بڑھانے سے جیسے دتون۔
(ب) ا کے اضافے سے جیسے گھیرا۔
(ج) یل کے اضافے سے جیسے نکیل۔
(د) و کے اضافے سے جیسے جھاڑو۔
فارسی میں ہ کے اضافے سے جیسے دستہ، چشمہ۔
آئنہ " " " انگشتانہ، دشانہ۔

۴۔ اسمائے ظرف اسم کے بعد ان علامات کے لگانے سے بنتے ہیں۔
(ا) باڑی، باڑہ، واڑہ، وارا، واری جیسے بانس باڑی، بید باڑہ۔
امام باڑہ، رسول باڑی، ڈھیر واڑہ، ہرواڑ، پھلواری، پچھواڑا۔
(ب) ستان جیسے راجستان، ہندوستان۔
(ج) الا یا الی سے جیسے ہمالا، شوالا، منالی۔
(د) ال، یال سے۔ جیسے سسرال۔ ننھیال۔
(ہ) سال، سالہ یا شالہ سے ٹکسال، گھڑسال، پاٹ شالا، دھرم شالہ۔
(و) انہ جیسے سمدھیانہ، سرہانہ۔
(ز) اوسے جیسے بیاؤ، ڈلاؤ۔
(ح) دوار یا دوارا سے جیسے ہردوار، گردوارا۔
(۵)، اسم کی تصغیر ان علامات کے اضافے سے بنتی ہے۔
(ا) کے لگانے سے جیسے ڈبیا، پھڑیا، لٹیا،
اس قسم کی تصغیر سے اکثر پیار اور محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسے
بٹیا، بہنیا، بھتیا۔
(ب) ی معروف سے ٹوکری، رسی، شیشی،
(ج) یا سے جیسے انبیاء، کھٹیا، تلیا (تال سے)
(د) وا سے جیسے مردوا، جورووا، بٹوا۔
(ہ) ری، ری اور را، رہ، کے لگانے سے۔ جیسے دمڑی (دام سے)
پلنگڑی، جبڑا، جبڑی، گلیاری، کھاڑی، لنگڑا، تکڑا (ٹاکا سے)
ٹھیکرا (ٹھیک سے) مکھڑا، جیوڑا۔
(و) ایلا، اولا سے جیسے دھیلا (ادھیلا یعنے آدھے سے) بگھیلا یا بھگیلا

(و) لا گھ سے) کھٹولا، ننھ ولا، گگیا، سپولیا (ہندی سپولا) کھبنڈیلا، گدیلا۔

(ز) ٹا یا وٹا سے جیسے ہرنوٹا، چوٹا، بامنٹا۔

(ح) نا سے جیسے بُھتنا، ڈھولنا۔

(ط) ک ہندی اور فارسی دونوں میں مشترک ہے۔ جیسے ڈھولک سمردک، عینک، طفلک، بلیطخ، بطک)۔

(ی) وڑے جیسے بندوڑ۔

علاوہ کی کے فارسی علامت چی یا چہ اردو میں مستعمل ہے جیسے صندوقچہ باغچہ، دیگچہ، دیگچی، نیمچہ، ڈولچی، بیچہ، سینچہ، دمچی،

۴۔ اب ان صفات کا ذکر کیا جاتا ہے جو دوسرے الفاظ سے مشتق ہیں۔

(ا) ی کے اضافے سے جیسے شہری، پہاڑی، دیسی، بھاری، اونی، ملی وغیرہ۔

(ب) اکے بڑھانے سے جیسے دودھیا، چھوٹا، میلا، پھوکا، نیلا، گیروا،

(ج) اک سے جیسے لڑاکا، پیراک یا تیراک۔

(د) (ایلا یای معروف) کے بڑھانے سے جیسے پتھریلا، شرمیلا، رسیلا، نکیلا، سجیلا، رنگیلا، نشیلا، سریلا وغیرہ۔

ایلا (یای مجہول)	اکیلا، سوتیلا، کسیلا، غصیلا۔
ایل، یل، ل۔	دودھیل، دبیل، تندیل، عضیل، دڑھیل، پائل، گھائل، بوجھل،
الا	مٹیالا۔ کوڑیالا۔
ایرا۔ وڑ	چچیرا، حمیرا، کمیرا، ہنسوڑ۔

الو، } لجالو، ٹنرمالو، جھگڑالو۔

(ک) او، جیسے بکاؤ، دباؤ، کماؤ، کھاؤ۔

(و) ک۔ جیسے ویدک، سماجک، بچھوٹک۔

(ز) کا جیسے بکا۔

(ح) ینت۔ بچپنت، کرڑکینٹ، بھکینت، ڈکینت۔

(ط) ونت۔ بلونت، بھگونت۔

(ی) مان یا وان۔ جیسے بھاگوان، بدہیمان، گنمان، دھنوان۔

(ک) و، سے جیسے بازارو، دیدارو۔

(ل) وا سے جیسے پروا، پچھوا۔

(م) سا سے جیسے پیاسا، روانسا (رونگھا) ننداسا۔

(ن) والا۔ جیسے متوالا۔

(س) وال۔ جیسے گھیوال، ڈھلوال، پھسلوال، گنفوال۔

(ع) نا۔ جیسے پھسلنا۔

(ف) ہار جیسے ہونہار، جانہار، مرن ہار وغیرہ۔

(ص) ہای (تانیث کے لئے، جیسے فیلہای۔

(ق) ہرا یا ہری اور ہلی جیسے سنہرا، سنہری، رپہلی۔

(ر) یرا۔ جیسے ممیرا، خلیرا، بہنیرا۔

اس کے علاوہ فارسی کی بعض علامات بھی اسی طرح اردو میں مستعمل ہیں جیسے ی ہندی اور فارسی دونوں میں یکساں استعمال ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ :۔

آنہ جیسے مردانہ، سالانہ، ماہانہ۔

ایں یا ایں جیسے زرّیں، آتشیں، رنگین، نمکین، شوقین، کمین، ناک۔ جیسے غضبناک، ہولناک، خطرناک،

اس کے علاوہ اسم اور امر سے ملکر سینکڑوں فارسی صفات بنتے ہیں جو اُردو میں بلا تکلف بولے جاتے ہیں لیکن اس کا تعلق مرکبات سے ہے۔

فارسی حروف بے، بر، با، بہ، اسم کے ساتھ آکر صفات بناتے ہیں۔ جیسے برمحل، بروقت، برقرار، بجا، بے جا، بے دل، باتدبیر، بے عقل وغیرہ۔

علاوہ اس کے ہندی میں (س) خوبی کے لئے اور (ک) عیب کے لئے بعض الفاظ کے شروع میں آتا ہے مگر عموماً بہ قیاسی ہوتے ہیں، جیسے سڈول، سپوت، سہل، بچپن، کپوت، کڈھب، کراہ وغیرہ۔

مرکب

مرکب الفاظ دو قسم کے ہیں۔

اوّل وہ جہاں ایک خاص حرف یا علامت یا لفظ دوسرے مختلف الفاظ کے ساتھ ملکر خاص معنی پیدا کرتا ہے۔

دوسرے، وہ جب کہ دو مختلف اسم یا ایک اسم اور صفت یا اسم و فعل یا صفت و فعل مل کر ایک لفظ بن جاتا ہے، ایسے مرکبات زیادہ تر ہندی ہوتے ہیں۔

اب ہم دونوں قسموں کا الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

(۱)

(۱) اوّل ان الفاظ کا بیان کیا جاتا ہے جن کے شروع میں آنے سے صفات کی نفی ہوتی ہے۔

(أ) ہندی سے جیسے اندھر، اٹل، امٹ، اچل، اچھوت، اچھوتا وغیرہ

ان	ر	ر	انجان، ان پڑھ، ان گھر، ان مول، ان مل وغیرہ۔
ن	ر	ر	نڈر، نہتا، نکما، ندیدہ، وغیرہ۔
نر	ر	ر	نراسا، نرمل، نربل، نرگن وغیرہ۔
بن	ر	ر	بن سلا، بن سرا، بن جتی (زمین)۔
کُ، ک، ر		ر	کڈھب، کُراہ، کپوت، وغیرہ۔

پر (بمعنی غیر، دوسرا) پردیس، پرسال، پرتال، پرلوک وغیرہ۔

بعض فارسی اور عربی الفاظ بھی اسی طرح نفی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے :-

نا (فارسی) ہندی الفاظ کے ساتھ بھی آتا ہے) جیسے نالائق، ناداں نادقت، ناسمجھ، ناچار، نادان،

بے	ر	ر	بےہوش، بےخبر، بے دل، بےمثل بےصبر، ہندی الفاظ کے ساتھ جیسے بےچین، بے تہا، بےڈھب، بےڈھنگا بے دھڑک وغیرہ۔
کم	ر	ر	کمزور، کمیاب، کم عقل، کم حوصلہ، کم اصل
غیر (عربی)	ر	ر	غیر حاضر غیر مفید۔
خلاف	ر	ر	خلاف عقل، خلاف شرع، خلاف قاعدہ

اسی طرح بد، تنگ، زشت، دون وغیرہ الفاظ، دوسرے الفاظ کے ساتھ آکر ذم کے معنی پیدا کرتے ہیں جیسے بدگمان، بدشکل، بدچلن، تنگ دل تنگ چشم، زشت رو، زشت خو، دول ہمت وغیرہ۔

(۱) مرکب صفات جو اکثر فارسی ہوتے ہیں اور اکثر بطور اسم فاعل مستعمل ہیں۔
(اسم کے ساتھ دار یا دوسرا اسم اضافہ کرنے سے)

دار کے ساتھ جیسے دلدار، زردار، جان دار، وفادار، مال دار وغیرہ۔

بر کے ساتھ جیسے دلبر، فرمان بر۔

باز " " جاں باز، سرباز، دغاباز۔

ساز " حیلہ ساز، دم ساز، سخن ساز، زمانہ ساز، کارساز

آور (ور) " نامور، زور آور، دلاور، قد آور، نام آور،

خواہ " خیر خواہ، دل خواہ، خاطر خواہ، عذر خواہ۔

اندیش " دور اندیش، خیر اندیش، کوتہ اندیش۔

طلب " خیر طلب، مرمت طلب، شہرت طلب۔

شناس " ادا شناس، مردم شناس، قدر شناس، سخن شناس۔

دان " قدردان، سائنس دان، کاردان، مزاج دان۔

فہم " سخن فہم، شعر فہم، معاملہ فہم۔

پوش " عیب پوش، خطا پوش، پردہ پوش، خوان پوش،

بخش " خطا بخش، زر بخش، صحت بخش۔

پرست " آشنا پرست، زن پرست، شکم پرست، بت پرست، خدا پرست، وطن پرست۔

پسند " دل پسند، ترقی پسند، شہرت پسند۔

فروش " خود فروش، یار فروش، دل فروش، وطن فروش۔

گیر " جہاں گیر، عالم گیر، دست گیر، دل گیر، دامن گیر، گلوگیر،

خوار (خور) خون خوار، دانہ خور، میخوار، شراب خوار، بسیار خوار۔

گو ،، راست گو، دروغ گو، کم گو، پوچ گو۔

جو ،، عیب جو، جنگ جو، نام جو۔

بیں ،، باریک بیں، عیب بیں، خورد بیں، آخر بیں، پیش بیں۔

نشیں ،، جیسے دل نشیں، خانہ نشیں، ذہن نشیں۔

رُبا ،، دل رُبا، ہوش رُبا، اندوہ رُبا۔

چیں ،، نکتہ چیں، سخن چیں، عیب چیں، خوشہ چیں۔

ریز ،، خوں ریز، شکر ریز، برگ ریز، زر ریز، گوہر ریز۔

فشاں (افشاں) گلفشاں، نور افشاں، درافشاں، اشک فشاں۔

سوز ،، جگر سوز، دل سوز، عالم سوز، جہاں سوز۔

کن ،، بیخ کن، گورکن، (اسم فاعل)۔

زدہ ،، غم زدہ، آتش زدہ، قحط زدہ۔

آلودہ ،، خون آلودہ، گرد آلودہ، شکر آلودہ۔

زن ،، لات زن، نیش زن۔

آزار ،، دل آزار، مردم آزار، خلق آزار۔

افروز ،، دل افروز، بزم افروز، جہاں افروز، عالم افروز۔

افراز (فراز) گردن افراز، سرافراز (سرفراز)۔

آموز ،، علم آموز، جنگ آموز، نو آموز۔

آمیز ،، خاک آمیز، گلاب آمیز، مکر آمیز، مصلحت آمیز۔

انگیز ،، فتنہ انگیز، آتش انگیز، بغاوت انگیز۔

پرور ،، غریب پرور، امیر پرور، شریف پرور، بندہ پرور، ناز پرور
زبان پرور، سخن پرور۔

نواز ״ غریب نواز، بندہ نواز، ذرہ نواز، پلک نواز۔

پرداز ״ سخن پرداز، معنی پرداز،

کشا ״ دل کشا، مشکل کشا، عقدہ کشا۔

گداز ״ دل گداز، تن گداز، جاں گداز۔

نما ״ خوش نما، بدنما، خودنما، انگشت نما۔

بوس ״ خاک بوس، قدم بوس، دست بوس، پابوس۔

لیس ״ کاسہ لیس، رکابی لیس۔

بار ״ بردبار، زیر بار، گراں بار، سبکبار۔

رو ״ تیز رو، سبک رو، کم رو، گرم رو۔

دوز ״ زمین دوز، دل دوز،

رس۔ ״ فریادرس، سخن رس، شاہ رس، دربار رس، نارس، دوررس۔

گوں ״ نیلگوں، گلگوں، (رنگ کے لئے)

فام ״ گلفام، سیاہ فام، لالہ فام (״)

اسی طرح بعض خاص اسم دوسرے اسما کے ساتھ آنے سے یہ معنی پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً:-

دوست کے ساتھ جیسے غریب دوست، وطن دوست، خانہ دوست:

دشمن ״ آشنا دشمن، زن دشمن۔

فریب ״ دل فریب، مردم فریب، ابلہ فریب،

مائل ״ سبزی مائل، زردی مائل، سرخی مائل۔

خوش لفظ کے اول میں خوش رو، خوش خلق، خوش مزاج۔

نیک	،،	نیک دل، نیک طینت، نیک مزاج۔
خوب	،،	خوب صورت، خوب شکل۔
خود	،،	خود نما، خود پسند، خود غرض، خود فریب، خود رو۔
صاحب	،،	صاحب نصیب، صاحب شعور، صاحب دل۔
اہل	،،	اہل دل، اہل کمال، اہل علم وغیرہ (یہ الفاظ ہمیشہ جمع میں استعمال ہوتے ہیں)۔
کار	،،	بدکار، نیکوکار۔
نیم	،،	نیم پخت، نیم جاں، نیم بسمل، نیم بریاں، نیم مردہ، (نیم ملّا بطور اسم)۔

ترکیب اضافی لائق اور قابل کے ساتھ جیسے قابل سزا، قابل علاج قابل داد، قابل رشک، قابل تحسین، لائق انعام، لائق تعریف وغیرہ۔

۳۔ بالکل اسی طرح اسم فاعل بھی بنتے ہیں، بلکہ اکثر اوقات صفات و اسمائے فاعل مشترک ہوتے ہیں۔ مثلاً۔

بر کے ساتھ جیسے پیغمبر، رہبر وغیرہ۔

بردار	،،	عصا بردار، حقہ بردار، علم بردار، حکم بردار۔
گر	،،	کاریگر، نیل گر، زرگر، بادشاہ گر۔
کار	،،	دست کار، کاشت کار، پیش کار، قلم کار۔
دار	،،	زمیندار، قرض دار، چوب دار، دکاندار۔
باز	،،	مرغ باز وغیرہ۔
کش	،،	جریب کش، تارکش، آرہ کش، بادکش۔
پوش	،،	سرپوش، پلنگ پوش، پاپوش۔

فروش " میوہ فروش، مے فروش۔
خوان " قصہ خوان، سل خوان، مرثیہ خوان، فارسی خوان۔
انداز " گولہ انداز، تیر انداز، برقنداز، ازبر انداز، پا انداز۔
نشین " جانشین، فیل نشین، کرسی نشین، تخت نشین،
ربا " کاہ ربا، آہن ربا۔
کن " گورکن، پشتہ کن۔
دوز " خیمہ دوز، چکن دوز، کفش دوز۔
شو " مردہ شو، پاشو۔
چی " خزانچی، ازبچی، طنبورچی، طبلچی۔

جس طرح شروع میں بعض حروف اور الفاظ ترکیب کے لئے آتے ہیں۔ اسی طرح آخر میں بھی آتے ہیں۔ شروع میں جو آتے ہیں انھیں سابقہ کہتے ہیں اور آخر میں آنے والے لاحقہ کہلاتے ہیں۔

فارسی لاحقوں کا ذکر آچکا ہے، اب یہاں چند فارسی سابقے لکھے جاتے ہیں جو عام طور پر مستعمل ہیں۔

پا پاانداز پابوس، پابند، پاجامہ، پازیب، پامال وغیرہ۔
پس پس انداز، پس ماندہ، پس پا وغیرہ۔
پر پرجوش، پرمعنی، پرمغز، پردرد وغیرہ۔
پنج پنج روزہ، پنجتن، پنجگانہ، پنج شنبہ وغیرہ۔
پیش پیشانی، پیشاب، پیش دست، پیش خیمہ، پیش کش وغیرہ۔
تہ تہ خانہ، تہ بند، تہ بازاری، تہ دے گی وغیرہ۔
خر خرگاہ، خرمہرہ، خرمن، خرگوش وغیرہ۔

خوش	خوش اسلوب، خوشبو، خوش بیان، خوش خصال، خوش نصیب وغیرہ۔
در	درپردہ، درپیش، درکار، درگزر، درپے وغیرہ۔
زبر	زبردست وغیرہ۔
زیر	زیر بار، زیردست، زیرلب وغیرہ۔
زود	زودرنج، زودفہم، زودنویس، زودآشنا وغیرہ۔
سر	سرخوش، سربلند، سرتاج، سررشتہ، سرحد، سرکش وغیرہ۔
سہ	سہ دری، سہ منزلہ، سہ چند، سہ گوشہ وغیرہ۔
شاہ، شہ	شاہ راہ، شاہ رگ، شاہ نشین، شہ نشین، شہتیر، شہ بانہ شہسوار وغیرہ۔
شش	شش جہت، شش ماہی، ششدر وغیرہ۔
صاحب	صاحب خانہ، صاحب دل، صاحب کمال، صاحب علم، صاحب نصیب وغیرہ۔
صدر	صدر مدرس، صدر اعظم، صدر اعلیٰ، صدر محاسب وغیرہ
غیر	غیر ممکن، غیر مناسب، غیر موزوں، غیر ضروری، غیر منقولہ وغیرہ۔
لا (عربی)	لاابالی، لازوال، لاوارث، لامکان، لایعنی وغیرہ۔
میر	میر فرش، میر آتش، میر عمارت، میر منشی، میر مجلس وغیرہ۔
نیم	نیم حکیم، نیم روز، نیم راضی، نیم باز وغیرہ۔
نو	نوآبادی، نوبہار، نودولت، نوعمر، نوگرفتار وغیرہ۔
ہر	ہر دل عزیز، ہر روزہ، ہرکارہ وغیرہ۔

ہزار	ہزار داستان، ہزار دانہ، ہزار پایہ وغیرہ۔
ہشت	ہشت پہلو، ہشت ہزاری وغیرہ۔
ہفت	ہفت اقلیم، ہفت خوان، ہفت زبان وغیرہ۔
ہم	ہم آواز، ہم پیالہ، ہم نوالہ، ہم نشین، ہم درد وغیرہ۔
ہمہ	ہمہ دان، ہمہ گیر وغیرہ۔
یک	یک دل، یک چشم، یک رنگ، یک جہتی وغیرہ۔

ہندی کے بھی بعض الفاظ بطور سابقے کے استعمال ہوتے ہیں مثلاً

تر	ترپھلا، ترسول، ترلوک وغیرہ۔
چو	چوبولا۔ چوبارہ، چوپھلا، چوراہا وغیرہ۔
سر	سرکٹا، سرمنڈا، سردھرا، سرپنچ، سرتوڑ وغیرہ۔
مہا	مہاتما، مہابلی، مہا بھارت، مہابر، مہاجن، مہاراج وغیرہ۔
یک (اک)	یکنگ (اکنگ)، یکنا یا اکنا ما، اکتالہ، اِک بیجا، اک ڈال اکلونا۔

یہاں صرف وہی فارسی ترکیبیں بیان کی گئی ہیں جو اکثر اسما خاص الفاظ کے ساتھ آکر خاص معنی پیدا کرتے ہیں، اسی ڈھنگ سے دوسرے نئے الفاظ مرکب بنتے ہیں ان کا ذکر آگے کیا جاتا ہے۔

(۲)

اُردو میں جب دو مختلف لفظ مل کر ایک بن جاتے ہیں، تو اس کی دو حالتیں ہیں۔

اوّل، بلحاظ ترکیب لفظی، یعنی جب دو لفظ مل کر ایک ہو جاتے ہیں تو لفظ کی صورت کیا ہوتی ہے۔

دوسرے بلحاظ معنی یعنی معنی کے لحاظ سے ایسے الفاظ کی کیا حیثیت ہوتی ہے
اوّل ہم پہلی حالت کا بیان کرتے ہیں اور وہ ہمارے خیال میں بہت ضروری ہے، تاکہ آئندہ جو نئے الفاظ ہم بنانا چاہیں تو وہ اسی ڈھنگ پر ہوں اور غیر مانوس نہ معلوم ہوں اور آسانی سے رائج ہو سکیں۔

(۱) دو لفظ مل کر اپنی اصلی حالت قائم رکھتے ہیں اور ان میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا، جیسے بھلا مانس، ان داتا، کرن پھول، کارخانہ، کارچوب مانس گند، گیدا شاہی، باگ ڈور، دیا سلائی۔

(۲) پہلے لفظ کے الف ممدودہ کا مد گر جاتا ہے اور حرف سادہ الف رہ جاتا ہے جیسے اَدھ کچرا، ادھ کھلا، ادھ مرا، امرس۔

(۳) دو لفظوں کے ملنے پر پہلے لفظ کے آخر کا (ا) یا (ی) گر جاتی جیسے ادھ کچرا، ادھ کھلا، بڑبھاگی، بڑپن، بڑبٹا، بڑدنتا، بڑکنا، بڑمنہا، بھتیج بہو، بھتیج داماد، کپڑ چھن، کپڑ گند، کچ پیندیا، کچ لہو، کھٹمٹھا۔

(۴) پہلے لفظ کے بیچ کا حرف علت گر جاتا ہے، جیسے پن چھڑ، پن چکی، پن گھٹ، پن کپڑا، پن کٹی (پان کا مخفف) ہت پھیری، ہت چھٹ، ہت کڑی، ہتکھنڈا، دھن کٹی، کن ٹوپ، کن چھیدن، گل جٹا، گل تکیہ گل مچھے گل مالا، گل بھلا، کن رس، کن رسیا، کن کٹا، ست نجا، کن پھٹا، پن کالی، تل جٹا (تل تیل کا مخفف ہے) پچپیل، منجدھار، پھلجھڑی،

(۵) پہلے لفظ کے بیچ اور آخر کے دونوں حرف علت گر جاتے ہیں، جیسے گھڑبہل، گھڑچڑھا، گھڑدوڑ، گھڑناو، گھڑمنہا۔

(۶) دونوں لفظوں میں حروف علت کا گرنا جیسے بگ ٹٹ، بھلمنسائی، بھلمنسات۔

(۷) جب پہلے لفظ کا آخر حرف اور دوسرے لفظ کا اول حرف ایک ہوں تو ایک گرجاتا ہے جیسے کچالو، نکٹھ، ہرٹال، (مٹ تال کا مخفف ہے۔ ت اور ٹ کے یکجا آنے سے ٹ ٹ سے بدل گئی)

(۸) اسم فاعل یا صفت یا اسم عام بنانے کی غرض سے آخر میں الف یا مونث کے لئے ی بڑھا دیتے ہیں جیسے چربفلا، کن رسیا، لم ڈڑھیا مرکھنا (مرا اور رکھن سے مرکب ہے اکھن کے معنی ٹکڑے کرنے کے ہیں) ست لڑا، ست ماسا، ست نجا، انگرکھا، بڑوتا، بڑمنھوا، بڑمنھی، گٹھ کٹا، کن پھٹا، کن کٹا، بھڑبھونجا، (بھڑبھاڑ کا مخفف ہے اور بھونجنا کے معنی بھوننا کے ہیں)

(۹) بعض اوقات دو لفظوں کے بیچ میں نسبت یا تعلق ظاہر کرنے کیلئے الف بڑھا دیتے ہیں جیسے مٹیا محل، ہیرا پھیری، بیچا بیچ، دھڑا دھڑ

(۱۰) بعض الفاظ عجب طرح سے مرکب ہوتے ہیں مثلاً پھیبل، اصل میں پھول تیل تھا، پھول میں سے و کو اور تیل میں سے ت کو حذف کرکے ایک لفظ بنا لیا۔ لوچون، لوہے چورن سے ہے (چورن بمعنی سفوف) اسی طرح بھتیجا اصل میں بھائی جایا اور بھانجا بہن جایا تھا۔

(۱۱) آندہ کے معنی ہندی میں بو کے ہیں اس سے کئی لفظ مرکب بنے ہیں مثلاً چرانْد، لسانْد، سڑانْد، ہرانْد۔

(۱۲) ہندی میں مرکب الفاظ کی سب سے بہتر ترکیب ہندی اعداد میں نظر آتی ہے جیسے ہم بالتفصیل صرف کے حصے میں لکھ چکے ہیں۔ یہ ہندی ترکیبیں قریب قریب اسی قسم کی ہیں جو سنسکرت میں پائی جاتی ہیں۔ لہذا ان کی تقسیم بلحاظ معنی کے اسی صورت سے کی

جاتی ہے جو سنسکرت میں ہے۔
اول :۔ مرکبات تابع، جن میں الفاظ کا تعلق اسم کی حالت کے تابع ہوتا ہے
دوم :۔ مرکبات ربطی جن میں الفاظ کا تعلق حرف ربط سے ظاہر ہوتا ہے۔
سوم :۔ مرکبات توضیحی، جن میں صفت کسی دوسرے اسم سے مل کر آتی ہے
چہارم :۔ مرکبات اعدادی، جن میں اول جزو عدد یہ ہوتا ہے
پنجم :۔ مرکبات تمیزی، جن میں پہلا جز تمیز ہوتا ہے اب ہم ان کی تفصیل ذیل میں لکھتے ہیں۔

اول مرکبات تابع، اسما کی حالت کے مطابقت کے لحاظ سے مختلف قسم کے ہیں۔

(۱) تابع مفعولی جو عام طور پر مستعمل ہے، اس میں دوسرا جز اسم فاعل یا فعل ہوتا ہے اور پہلا جز حالت مفعولی میں دوسرے کے تابع ہوتا ہے۔ جیسے بٹ مار، چڑیمار، ان داتا، تل چٹا، کنٹھ پھورا، گٹھ کٹا۔

(۲) تابع ظرفی یا طوری، جس میں پہلا لفظ دوسرے سے ظرفی یا طوری تعلق رکھتا ہو، جیسے دیش نکالا، بچپیل، دو غلا

(۳) تابع اضافی، جس میں پہلا جز دوسرے سے اضافی تعلق رکھتا ہو۔ یہ مرکبات کثرت سے مستعمل ہیں جیسے لکھ پتی، پن گھٹ، پن چکی، امرس، کن رس، کٹھ پتلی، راجپوت، سوت جلا پا، بھتیج بہو، کنٹوپ پت جھڑ، کپڑ گند مانس گند، ہت کڑی، راج، ہٹ وغیرہ وغیرہ

(۴) تابع ظرفی، جس میں پہلے لفظ کا تعلق دوسرے سے بہ لحاظ مقام کے ہو

جیسے گھڑ چڑھا، سورگ باسی، بن باسی، بن مالنس، جل مالنس، جل گکڑ، اوپر والا، اوپر والی

دوم مرکبات ربطی، وہ ہیں جن کے پہلے اور دوسرے جز میں حرف ربط واقع ہوتا ہے جیسے مٹیا محل، دھڑا دھڑ، اینچا بانی، بھاگا بھاگ، شرما شرمی، آب وہوا، سراسر اس قسم کے فارسی مرکبات بکثرت مستعمل ہیں،

(۱) اکثر اوقات حرف ربط محذوف ہوتا ہے جیسے ماں باپ، دال روٹی تلپت، ان جل، دل گردہ، بول چال، جوڑ توڑ، گھربار، خاک دھول، جوتی پیزار، دم درود، دم دلاسا، دم خم وغیرہ۔

(۲) اجتماع ضدین جیسے ہار جیت، کمتی بڑھتی، (کمی بیشی) سر پیر، دن رات جوڑ توڑ، برا بھلا، دیر سویر۔

(۳) لفظی مناسبت اور قافیے کے لحاظ سے جیسے دم خم، رونا دھونا، بھولا بسرا، تانا بانا، بھولا بھٹکا، پاس پڑوس۔

(۴) مذکر کا مونث بنا کر بڑھا دیتے ہیں جیسے دیکھا دیکھی۔

(۵) مترادف الفاظ کے ملنے سے، جیسے رونا جھینکنا، اینچا تانی، بھول چوک، دیکھ بھال، چھان بین، سوچ بچار، بھلا چنگا. کاٹ چھانٹ. روک ٹوک، بھولا بسرا

کبھی ہندی فارسی مترادف لفظ مل کر آتے ہیں جیسے تن من، دھن دولت

(۶) ایک ہی مادے کے دو لفظ جیسے چال چلن

اسی ضمن میں توابع مہمل بھی آسکتے ہیں. ان الفاظ کے کچھ معنی نہیں ہوتے

. . . . لیکن بامعنی الفاظ کے ساتھ آکر اس کے معنوں میں خاص کیفیت پیدا کر دیتے ہیں، بول چال میں ان کا کثرت سے استعمال ہوتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ایک ہی لفظ کو اس طرح دھرایا جاتا ہے کہ یا تو پہلا حرف گرا دیا جاتا ہے یا پہلے حرف کے بجائے کوئی دوسرا حرف قایم کر دیا جاتا ہے یا درمیانی حرف علت میں کچھ تبدیلی کر دی جاتی ہے۔ اس سے مذکور کے لوازم و متعلقات کا بیان مقصود ہوتا ہے مثلاً روٹی ووٹی یعنی روٹی اور اس کے ساتھ کی دوسری چیزیں۔ یا ڈیرے ویرے۔ وغیرہ۔

(ا) اکثر یہ ہوتا ہے کہ پہلے لفظ کو واؤ سے بدل کر دہرا دیتے ہیں جیسے روٹی ووٹی، ڈیرے ویرے، پانی وانی، کاغذ واغذ وغیرہ۔ یہ طریقہ قیاسی ہے اور تقریباً ہر لفظ کے ساتھ استعمال ہو سکتا ہے مگر باقی طریقے سماعی ہیں جن کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

(ب) بعض توابع عموماً الفاظ کی مناسبت، وزن یا کسی قدر قافیے کے لحاظ سے بھی آتے ہیں جیسے بچا کھچا، میل کچیل، تالا بالا، ٹال مٹول، لٹ پٹ، چوری چکاری، لوگ باگ۔

(ج) بعض اوقات پہلے حرف ایک دو حرف ایک سے ہوتے ہیں اور باقی بدلے ہوئے ہوتے ہیں جیسے دانہ دنکا، گالی گلوچ، سودا سلف

(د) کبھی کلمۂ اول ہی کو کھینچ تان کر درمیانی حرف علت کو بدل کر تابع بنا لیتے ہیں جیسے ٹیپ ٹاپ، ٹھیک ٹھاک، ڈیل ڈول، تول تال،

(ہ) کبھی تابع اول آجاتا ہے جیسے ادلا بدلی، آمنے سامنے۔ آس پاس اردگرد۔

سوم مرکبات توصیفی وہ ہیں جن میں کوئی صفت یا کوئی لفظ بطور صفت

کے دوسرے لفظ سے مل کر آئے۔ جیسے بھلا مانس، کن کٹا، نکٹا، مہاراجا، مہاراج، کلجگ، پرمیشور، پرم، بڑا۔ ایشور، خدا، لم ڈڈھیا، بڑکنا، ادھ موا کھٹمٹھا، لکھ لٹ۔

بعض علامات ہندی لفظ کا جزو ہیں خصوصاً ک (ذم کے لئے اور س (وصف کے لئے) جیسے کپوت، سپوت، کڈھب، سڈول، سلونا، سودیشی ان کا ذکر علامات میں ہو چکا ہے۔

کبھی اسم کبھی صفت کا کام دیتا ہے جیسے راج ہنس، لاٹ پادری، یہاں راج اور لاٹ صفت کا کام دیتے ہیں۔

چہارم مرکبات اعدادی، وہ ہیں جن میں پہلا جز عدد ہوتا ہے ہندی اعداد مروجہ کو دیکھا جائے تو درحقیقت سب سے عمدہ مثال مرکبات کی ہے اس کا مفصل ذکر ہم صفات میں دے چکے ہیں یہاں ہم صرف چند مثالیں ایسے مرکبات کی دیتے ہیں جن میں ایک جز عدد ہے جیسے

تراہا، دوپٹا۔ ست نجا، ست ماسا، ست لڑا، ہشت پہل، نرپولیا، چوراہا دوتہی، چوتھی، چوبولا، تکنا، چولغلا، پنج محلا، چومحلا، چوتالا۔ چوپہل دوتارا، ستار، دوشالہ، دوغلا۔

پنجم مرکبات تمیزی، یہ مرکبات اردو میں ہندی علامات نفی کے ساتھ آتے یا بعض علامات فارسی کے ساتھ مثلاً بے، بر، بہ وغیرہ کے ساتھ جن کا بیان پہلے آچکا ہے۔

یہ صرف ہندی مرکبات کا بیان تھا ان کے علاوہ فارسی مرکبات کثرت سے اردو زبان میں اور خاص کر نظم میں مستعمل ہیں جن کا ذکر بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اگر ان تمام صورتوں کو جو بیان کی گئی ہیں نظر میں رکھا جائے تو آئندہ جدید الفاظ بنانے میں بہت مدد مل سکتی ہے۔

فصل چہارم

نحو

اس باب میں دو امور سے بحث ہوگی

اوّل۔ اجزاء کلام اور ان کے مختلف تغیرات کے عمل سے جو ان میں بلحاظ تعداد وحالت وزمانہ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اگرچہ اس کا ذکر صرف میں ہوچکا ہے مگر یہاں یہ بحث دوسری نظر سے یعنی معنی ومفہوم کے لحاظ سے ہوگی

دوم۔ جملوں کی ساخت سے۔

اول کا نام نحو تفصیلی ہے اور دوسرے کا نحو ترکیبی۔

نحو تفصیلی

جنس

زبانوں میں جنس کی حالت بھی بہت مختلف اور پیچیدہ ہے میں حقیقی اور نحوی (غیر حقیقی) جنس میں اختلاف پڑنے سے پیچیدگی اور بڑھ جاتی ہے اردو میں اگرچہ بجائے تین کے دو ہی جنسیں ہیں لیکن بے جان چیزوں کی تذکیر وتانیث نے جو غیر حقیقی اور بے معنی ہے، زبان کی مشکلات کو اور بڑھا دیا ہے کیونکہ اس کا حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ دقت اسی وجہ سے

اور بھی زیادہ معلوم ہوتی ہے کہ کوئی قاعدہ ایسا نہیں کہ جس کی بنا پر ہم ایک شے کو مذکر کہتے ہیں اور دوسری کو مونث۔ یہ بالکل زبان کے عام رواج پر منحصر ہے۔

بعض عربی مونث لفظ، جن کی تانیث عربی قاعدے سے بنائی گئی ہے اردو زبان میں رائج ہو گئے ہیں اور بلا تکلف استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے ملکہ، سلطانہ وغیرہ۔ لیکن ہر عربی مذکر لفظ کے آخر میں ہ بڑھا کر مونث بنا لینا ہماری رائے میں درست نہیں۔ بعض لوگ تو یہ غضب کرتے ہیں کہ فارسی اور انگریزی لفظوں کی تانیث بھی اسی قاعدے سے بنا لیتے ہیں۔ زبان کا رجحان اب اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے اسم یا صفاتی الفاظ مرد عورت دونوں کے لئے یکساں استعمال کئے جائیں مثلاً عالم فاضل، شاعر، لائق مصنف وغیرہ الفاظ جس طرح مردوں کے لئے بولے جاتے ہیں اسی طرح عورتوں کے لئے بھی استعمال ہونے چاہئیں، کچھ ضرور نہیں کہ عورت کے لئے عالمہ، لائقہ، شاعرہ، مصنفہ کہا جائے۔ ایسا کہنا خواہ مخواہ کا تکلف ہے عام بول چال اور تحریر میں بیگم صاحب کا لفظ استعمال ہوتا ہے کیوں نہ دوسرے لفظ بھی اسی طرح بولے یا لکھے جائیں۔ جوں جوں عورتوں کی تعلیم اور آزادی میں زیادہ ترقی ہوگی، یہ خیال زیادہ قوی ہوتا جائے گا مثلاً جب عورتیں وکیل بیرسٹر، حکیم یا ڈاکٹر ہونے لگیں تو یہی نام بھی ان کے ساتھ لئے جائیں گے، وکیلہ، بیرسٹرہ کوئی نہیں کہے گا۔ البتہ بعض پیشے جیسے دائی وغیرہ ایسے ہیں جو اب تک عورتوں ہی کے لئے مخصوص ہیں۔

جانوروں کی تذکیر و تانیث کے تین درجے معلوم ہوتے ہیں۔

ایک تو عام طریقہ کہ مذکر کے مقابل میں مونث، اور یہ مونث اکثر مذکر ہی سے بنتا ہے۔ جیسے گھوڑا، گھوڑی، ہاتھی، ہتنی، ہرن، ہرنی وغیرہ

دوسرا درجہ یہ ہے کہ نر، مادہ، کے لفظ بڑھانے سے تذکیر د تانیث کی شناخت ہوتی ہے یہ اکثر وہ جانور ہیں جن کا تعلق انسان سے زیادہ نہیں ہے جیسے مادہ خرگوش یا خرگوش کی مادہ،

تیسرے وہ کم درجے کے جانور ہیں یا کیڑے مکوڑے کہ جن میں تذکیر د تانیث کی شناخت مشکل ہے یا اس کی ضرورت نہیں پڑتی، جیسے مکھی بھڑ، چھچھوندر دیغرہ۔

بعض الفاظ مثلاً انسان، آدمی شخص وغیرہ ایسے ہیں جو مذکر ہی استعمال ہوتے ہیں اور عام طور پر مردوں ہی کے لئے آتے ہیں لیکن جمع کی حالت میں ان میں مرد اور عورتیں دونوں شریک ہو سکتے ہیں اور خاص حالتوں میں یہی استعمال ہونا بھی ہے چنانچہ ان سے جو انسانیت، آدمیت، شخصیت کے الفاظ مشتق ہوتے ہیں وہ سب کے لئے یکساں مستعمل ہیں۔

تعداد

بظاہر تعداد بہت آسان معلوم ہوتی ہے لیکن یہ بھی مشکلات سے خالی نہیں واحد ایک ہے اور ایک سے زیادہ جمع، یعنی دو، تین، چار وغیرہ لیکن اشیا کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جن پر ایک، دو، تین، کا اطلاق نہیں ہو سکتا یعنی وہ شمار میں نہیں آسکتیں اور ان کے لئے بے شمار، لاتعداد، بے حد وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔

۲۔ اردو میں تعداد کی صرف دو ہی قسمیں، واحد اور جمع۔ اور اکثر زبانوں کا یہی حال ہے لیکن بعض زبانیں (مثلاً سنسکرت، عربی وغیرہ) ایسی بھی ہیں جن میں تثنیہ (یعنے دو کا ہونا) پایا جاتا ہے اور دو ایک ایسے بھی ہیں جن

میں تثلیث پائی جاتی ہے

۳۔ ایک سے زیادہ یعنی دو، تین، چار وغیرہ کا اطلاق ہم انھیں چیزوں پر کر سکتے ہیں جو اگرچہ ایک نہیں ہیں مگر ایک قسم کی ضرور ہیں جیسے چار کرسیاں پانچ سیب، دو عورتیں وغیرہ، خود جمع کے لفظ میں اختلاف کا خیال مضمر ہے لیکن اگر اختلاف زیادہ ہے تو پھر ہم وہاں دو یا تین استعمال نہیں کر سکتے ایک آم اور ایک امرود کو دو پھل کہہ سکتے ہیں۔ کن اشیاء کو ہم ملا کر بول سکتے ہیں یہ ہر زبان کے طرز اظہار پر موقوف ہے۔

۴۔ بعض الفاظ اگرچہ واحد استعمال ہوتے ہیں لیکن ان میں ایک سے زیادہ کا مفہوم ہوتا ہے جیسے: جوڑا، درجن، کوڑی، ہفتہ، عشرہ۔ پھر ان کی بھی جمع آتی ہے، جیسے دو جوڑے جوتے۔ چار درجن بٹن وغیرہ۔

۵۔ اکثر قیمت وقت، ناپ تول سمت کے الفاظ جمع کے موقع پر بھی واحد ہی استعمال ہوتے ہیں جیسے یہ گھوڑا میں نے ایک ہزار روپے میں خریدا۔ اس کی قیمت سو اشرفی ہے وہ تین مہینہ سے غیر حاضر ہے۔ وہ چار ہفتے میں آ جائے گا۔ وہ ساٹھ برس کا ہے۔ دو صدی سے یونہی چلا آتا ہے اس پر چاروں طرف سے حملہ ہوا۔ میرے پاس کئی قسم کی کتابیں ہیں۔ ان کا کھیت چار بیگھے کا ہے۔

۶۔ اسی طرح شمار کے لئے علاوہ گنتی کے اعداد کے خاص خاص لفظ خاص اشیاء کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں مگر وہ ہمیشہ واحد ہی رہتے ہیں جیسے چار راس گھوڑے۔ دس زنجیر ہاتھی۔ پچاس قطار اونٹ۔ دس نفر مزدور۔ چار منزل مکان۔ مگر دانہ اور جلد فارسی ترکیب میں واحد اور اردو میں جمع استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے دانۂ سیب چار جلد کتب۔ ترکیب میں چار دانے سیب کے، پچاس جلدیں

کتابوں کی وغیرہ۔

۷۔ تعظیم یا عظمت کے لئے بجائے واحد کے جمع کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ جیسے، حضرت ہمارے بڑے ہیں یا ہماری آنکھوں کے تارے ہیں اسی طرح بزرگوں اور بڑوں کے لئے باوجود واحد کے تعظیماً فعل وغیرہ جمع استعمال ہوتا ہے جیسے آپ کے والد کہاں ہیں۔ تمہارے استاد نہیں آئے۔

۸۔ بعض الفاظ اگرچہ واحد ہیں۔ مگر زبان کے روزمرّہ اور محاورے میں جمع مستعمل ہیں۔ جیسے۔

معنی	اس لفظ کے کیا معنی ہیں
دام (بمعنی قیمت)	اس کتاب کے کیا دام ہیں
بھاگ (بمعنی نصیب)	اس کے بھاگ کھل گئے
کرم (نصیب)	کرم پھوٹ گئے
نصیب	نصیب جاگ اٹھے (واحد بھی مستعمل ہے)
کوتک	اس کے کوتک اچھے نہیں۔
کرتوت	تمہارے کرتوت اچھے نہیں۔
درشن	آج ان کے درشن نہیں ہوئے
اوسان	اوسان خطا ہو گئے
مسیں	مسیں بھیگی ہیں

دستخط، پت اور ختنہ جمع و واحد دونوں طرح مستعمل ہیں جیسے میرے دستخط اور میری دستخط؛ قے میں پت نکلے، قے میں پت نکلی، اس کا ختنہ ہوگیا۔ اس کے ختنے ہو گئے۔

۹۔ بعض لفظ اگرچہ اصل میں جمع ہیں لیکن واحد استعمال ہوتے ہیں جیسے اصول، کرامات، اخبار وغیرہ۔ میرا یہ اصول ہے۔ یہ حضرت کی کرامات ہے۔ یہ روزانہ اخبار ہے۔

۱۰۔ تعداد غیر معین مثلاً دسوں، بیسیوں یا بیسوں، سیکڑوں، ہزاروں لاکھوں، کروڑوں، صد ہا، ہزار ہا، لکھو کھا کے ساتھ اکثر الفاظ واحد استعمال ہوتے ہیں اور یہ معنی جمع کے دیتے ہیں اور انھیں معنوں میں یہ الفاظ جمع کی صورت میں بھی استعمال ہوتے ہیں یعنی دونوں استعمال جائز ہیں۔ جیسے

ہزار ہا مکان جل گیا	ہزار ہا مکان جل گئے
ہزاروں روپیہ بگڑ گیا	ہزاروں روپے بگڑ گئے
صد ہا تماشائی موجود تھا	صد ہا تماشائی موجود تھے۔
قحط میں سیکڑوں جانور بھوکا مر گیا	قحط میں سیکڑوں جانور بھوکے مر گئے۔

تعداد معین کے ساتھ بھی یہ استعمال جائز رکھا گیا ہے جیسے دس ہزار گورا پڑا ہے پانچ ہزار سوار اترا ہوا ہے پندرہ ہزار پیدل کھیت رہا۔ پانسو آدمی کھڑا ہے ایک ہزار کری پڑی ہے۔ اسی طرح انھیں جملوں میں یہ الفاظ جو واحد مستعمل ہوتے ہیں جمع بھی مستعمل ہو سکتے۔ جیسے دس ہزار گورے پڑے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

۱۱۔ یہی حال مقدار کا ہے جیسے سیروں، منوں غلّہ پڑا ہے یا مقدار اور وقت کے لئے جیسے گھنٹوں، پہروں، برسوں وغیرہ۔

۱۲۔ بعض اسماء سوائے خاص صورتوں کے ہمیشہ واحد استعمال ہوتے ہیں

(ا) اسمائے کیفیت جیسے، درد، بخار، مطالعہ، رفتار وغیرہ
(ب) اسمائے خواص، خواہ اشخاص کے ہوں یا اشیاء کے۔
(ج) اشیاء مادی۔
(د) دھاتوں اور دیگر معدنیات کے نام، جیسے سونا چاندی، تانبا رانگ، سیسا، جست، پیتل، پھول، تیل، پانی، اس میں چاندی مونث ہے باقی سب مذکر۔
(ہ) پیداوار میں اکثر غلوں وغیرہ کے نام۔ جیسے
باجرا، جوار، مکئی، موٹھ، مونگ، مسور، ارہر، شکر، گڑ، کھانڈ وغیرہ سونٹھ، اجوائن، گاؤزبان، عقرقرحا۔ اسی طرح اشیاء خوردنی جیسے گھی شہد، سوجی، آٹا نمک، ہلدی، تمباکو، چھالیا۔ مگر مرچ، الائچی، پان کی جمع بھی آتی ہے جیسے ان پانوں میں وہ مزہ کہاں، کیونکہ یہ چیزیں گنتی میں آسکتی ہیں۔ لیکن غلّوں میں گیہوں، چنا، تل، جو واحد اور جمع دونوں صورتوں میں استعمال ہوتے ہیں جیسے۔
آج کل گیہوں بہت اچھا آیا ہوا ہے یا اچھے آئے ہیں۔ واحد کے استعمال میں عموماً اس غلّے کی قسم سے مراد ہوتی ہے یہ چنا اچھا ہے وغیرہ۔
ان میں بعض اشیاء ایسی ہیں کہ جب ان کی مختلف قسمیں بیان کرنی ہوں تو صورت جمع استعمال کرتے ہیں جیسے اس چورن میں ساتوں نمک ہیں گیہوں، چنا، جوار ان تینوں کے آٹے ملاکر روٹی پکائی۔ سب دالیں ملاکر پکاؤ
۱۲۔ فارسی ترکیب اضافی کا مضاف صورت واحد میں زبان فارسی کے استعمال کے خلاف اردو میں واحد اور جمع دونوں صورتوں میں واحد ہی رہتا ہے، جیسے

ہمارے داغ عصیاں داغ کیا کیا رنگ لائیں گے
گماں گذرے گا دوزخ پر بھی بہت کے گلستاں کا (داغ)

پیری میں ہوے نالۂ گرم دلا سرد
معمول ہے چلتی ہے دم صبح ہوا سرد (ناسخ)

قحط باراں نہیں، دے جلد شراب اے ساقی
لکۂ ابر دھواں دھار چلے آتے ہیں (امیر)

وہ ان اٹکھیلیوں سے آتے ہیں
فتنۂ خفتہ جاگ جاتے ہیں (مجروح)

دل بے آرزو حب سے ملا اے نظم حیراں ہوں
کسی کے منہ سے حرف آرزو کیونکہ نکلتے ہیں۔ (نظم طباطبائی)

۴۔ محاورے میں بعض الفاظ جمع استعمال ہوتے ہیں، جیسے کھجوکوں جومرنا، انگلوں بڑھنا جاڑوں مرنا۔ دردوں سے ہونا۔

حالت

حالت کی کیفیت عجیب اور پیچیدہ ہے کیونکہ ہر زبان میں اس کے متعلق اختلاف ہے قدیم زبانوں میں مثلاً لاطینی، سنسکرت، عربی، قدیم انگریزی (نیز ترکی میں اسم کی ہر حالت کے لئے آخر میں خاص علامت ہوتی ہے جو اسم کا جز ہوتی ہے۔ ہر حالت کے تغیر کے لئے اس کی ساخت ہی میں تغیر ہو جاتا ہے یعنی جس طرح گردان (تصریف) میں کسی اسم کے آخر حرف میں تبدیلی ہو جاتی ہے اسی طرح اسم کی حالتوں میں بھی آخری حرف کی صورت بدل جاتی ہے مثلاً عربی میں فاعلی حالت کے لئے آخر حرف پر رفع (پیش) اور

مفعولی حالت میں نصب (زبر) اور اضافی اور ظرفی میں کسرہ (زیر) ہوتا ہے اسی طرح لاطینی، ترکی اور سنسکرت میں لفظ کے آخر میں لاحقے یا علامتیں اسم کی حالت بتاتی ہیں سنسکرت میں اسم کی حالتیں آٹھ ہیں اور مختلف حالتوں کی صورت میں لفظ کے آخری حرف میں علامت یا حرف کے اضافے سے تبدیلی ہو جاتی ہے اگرچہ سنسکرت کا اثر ہندی اور اردو پر ظاہر ہے لیکن ان کی صرف و نحو پر بہت کم یا بالکل نہیں ہوا۔ اردو اور ہندی میں اسماء کے آخری حرف میں جنس و تعداد کی وجہ سے یا بعض حروف کے آنے سے تبدیلی ہوتی ہے جس کا ذکر صرف میں تفصیل سے ہو چکا ہے۔ اس لحاظ سے ہندی یا اردو میں کوئی اور حالت نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے قدیم زبانوں یا دوسری زبانوں میں اسم کی حالت حرف کی آخری علامت یا تبدیلی سے ہوتی ہے اردو میں اس کے بجائے الگ حرف یا لفظ آتے ہیں مثلاً نے، کو، کا (کے، کی) وغیرہ اور اس کی ضرورت بھی بعض خاص صورتوں میں ہوتی ہے مگر لفظ کی صورت میں کوئی فرق نہیں آتا اور حالت کے مختلف ہونے پر بھی لفظ کی صورت وہی رہتی ہے مثلاً احمد نے محمود کو کتاب دی۔ اگرچہ احمد اور محمود کی حالتیں مختلف ہیں مگر لفظوں کی صورت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ دوسری مثال لیجئے احمد روٹی کھاتا ہے یہاں احمد اور روٹی کے ساتھ نہ کوئی علامت ہے نہ کوئی لفظ، حالانکہ ان کی حالتیں مختلف ہیں البتہ ضمیر میں وہی صورت ہے جو بعض قدیم زبانوں یا ترکی میں پائی جاتی ہے۔ مجھے، تجھے، میرا، تمھارا وغیرہ، اس لئے کچھ تو ضمیر کے خیال سے اور کچھ بلحاظ معنی ہمیں اردو میں بھی اسم کی حالتیں قایم کرنی پڑتی ہیں۔ حالت جن چیزوں کو بتاتی ہے وہ یہ ہو سکتی ہیں

۱۔ کام کرنے والا ۔۔۔۔۔۔۔ فاعلی

۲۔ خطاب (ندائی)

۳۔ خبر (خبری)

۴۔ جس پر کام کا اثر ہوا (مفعولی)

۵۔ نسبت (اضافی)

۶۔ مقدار اور پیمائش۔ طور طریقہ، مکان و زمان وغیرہ } (طوری)

اب ان سب صورتوں کو پیش نظر رکھ کر حالتوں کے تین درجے قایم کئے جا سکتے ہیں۔

درجہ اول کی حالتیں جنھیں اولیت حاصل ہے

فاعلی حالت

ندائی حالت

خبری حالت

۲۔ الحاقی حالت یعنی اضافی۔

۳۔ تابع یا طوری حالت جس میں مکان و زمان، طور و طریقہ، ذریعہ وغیرہ سب آجاتے ہیں۔

فاعلی حالت

فاعل یا تو کام کرنے والا ہے، جیسے وہ کھاتا ہے، وہ پڑھ رہا ہے یا ہونے والا یعنی اس سے کام کا کرنا نہیں پایا جاتا بلکہ ہونا یا سہنا پایا جاتا ہے جیسے وہ بیمار ہے۔ وہ مر گیا ہے وغیرہ۔

ایسے جملوں میں دونوں اسم ایک ہی حالت میں ہوتے ہیں اور ایک دوسرے

کے بجائے آتا ہے یا اس کا بدل ہوتا ہے

نے، فاعل کی علامت ہے، یہ علامت فاعل کے ساتھ ہر جگہ ہی آتی ہے اس کے استعمال کے موقعے مخصوص ہیں جن کا ذکر آگے کیا جاتا ہے۔

"نے" علامت فاعل

نے فاعل کی علامت کے طور پر قدیم ہندی میں کہیں استعمال نہیں ہوا اور ہندی کی پوربی شاخوں میں اس کا وجود نہیں، تلسی داس تک کے کلام میں بھی کہیں اس کا استعمال نہیں پایا جاتا، اس کا استعمال اس طور پر غالباً اس وقت شروع ہوا جبکہ اردو نے اپنا سکہ جمایا۔ البتہ مرہٹی میں اس کا استعمال اردو یا ہندی کی طرح ہوتا ہے لیکن پہلے بطور علامت مفعول استعمال ہوتا تھا جس کا پتا پنجابی اور گجراتی سے ملتا ہے گجراتی میں نے فاعلی اور مفعولی دونوں حالتوں کے لئے آتا ہے مگر اردو میں صرف فاعلی حالت کے لئے مخصوص ہے اس کے استعمال کے متعلق ذیل کے موقعوں کا خیال رکھنا ضرور ہے۔

۱۔ نے علامت فاعل صرف فعل متعدی کے ماضی مطلق، تمام، احتمالی اور حال قریب کے ساتھ آتا ہے جیسے میں نے کھانا کھایا، اس نے احمد کو مارا، کس نے لکھا؟ میں نے لکھا ہوگا۔ میں نے لکھا ہے۔

اگرچہ لانا، بھولنا، شرمانا، بحثنا، بولنا، متعدی افعال ہیں۔ مگر اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں جیسے میں کتاب لایا۔ وہ دفعہ لے گیا۔ میں تمھارا نام نہیں بھولا۔ وہ دیر تک مجھ سے بحثا۔ وہ اس حرکت سے شرمایا۔ وہ بولے چل دور ہو۔ لیکن بعض اوقات بولنے کے ساتھ جب کوئی لفظ بطور مفعول ہوتا ہے تو "نے" لگا دیتے ہیں جیسے اس نے جھوٹ بولا

مگر وہ جھوٹ بولا بھی صحیح ہے۔

۲۔ لیکن جب فعل متعدی کے ساتھ کوئی متعدی امدادی فعل آئے تو حسب قاعدہ فاعل کے ساتھ "نے" آئے گا، مگر جب فعل امدادی لازم ہو تو پھر یہ علامت "نے" متعدی فعل کے ساتھ کبھی نہیں آئے گی اور پورا فعل لازم خیال کیا جائے گا۔ جیسے

میں نے رقعہ بھیجا	(فعل متعدی بلا فعل امدادی)
میں نے رقعہ بھیج دیا	(فعل متعدی مع فعل امدادی متعدی)
میں رقعہ بھیج چکا	(فعل متعدی مع فعل امدادی لازم)
میں رقعہ نہ بھیج سکا	(ایضاً)

اسی طرح۔ اس نے مجھ سے دو روپے لئے۔ وہ مجھ سے دو روپے لے گیا۔ اس نے سارے آم کھا لئے۔ وہ سارے آم کھا گیا۔ اس نے ہنس دیا، اور وہ ہنس دیا، اس نے رو دیا اور وہ رو دیا۔ دونوں مستعمل ہیں لیکن بغیر "نے" کے زیادہ فصیح ہیں۔

فعل لازم کے ساتھ اگرچہ فعل امدادی متعدی ہو تو بھی علامت فاعل کا اظہار نہیں کیا جائے گا۔ جیسے وہ آلیا۔ وہ سو لیا۔ لیکن آلینا جیسا مرکب فعل ہو جو خاص محاورے کے معنوں میں آتا ہے تو "نے" آئے گا جیسے، اس نے مجھے آلیا۔

لیکن جب امدادی فعل کے آنے سے فعل لازم متعدی بن جائے گا تو "نے" آئے گا۔ جیسے اس نے مجھے آلیا۔ تم نے اسے کیوں ڈرا دیا۔ اس نے بیمار کو سونے نہ دیا۔ ایسی حالت میں اصل فعل کے معنوں میں بہت تغیر ہو جاتا ہے اور فعل لازم نہیں رہتا۔

۳۔ بعض متعدی فعل ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ "نے" کا استعمال ہوتا بھی اور نہیں بھی ہوتا۔ جیسے

میں بازی جیتا، میں نے بازی جیتی — جب بطور لازم استعمال ہوتے ہیں تو "نے" مطلق نہیں آتا۔ جیسے تم جیتے میں ہارا

میں شرط ہارا، میں نے شرط ہاری

میں بات سمجھا، میں نے بات سمجھی

میں کام سیکھا، میں نے کام سیکھا

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لئے ہم مصوری

تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیئے — غالب

یہ سبق بھی کوئی پڑھا، کسی نے یہ سبق بھی پڑھا

۴۔ بعض افعال لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں متعدی ہونے کی صورت میں "نے" علامت فاعل فعل کے ساتھ استعمال ہوتی ہے اور لازم کی حالت میں نہیں۔

جیتنے اور ہارنے کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، اس کی صورت مستثنی ہے۔ پکارنا لازم اور متعدی دونوں ہے لازم ہونے کی صورت میں "نے" نہیں آتا۔ مگر متعدی کی حالت میں "نے" آتا ہے۔ جیسے

پکارنا۔ اس نے مجھے پکارا	متعدی
۔۔ وہ پکارا	لازم
بھرنا۔ اس کا پیٹ بھرا	لازم
۔۔ میں نے پانی بھرا	متعدی
پلٹنا۔ خط میں جب آپ نے تحریر سراسر پلٹی	متعدی
پلٹنا۔ میں نے جانا مری تقدیر سراسر پلٹی	لازم

بدلنا۔ جب سے وہ بدلا ہے ساری دنیا بدل گئی (ظفر) (لازم)
۔ میں نے کپڑے بدلے متعدی

"چاہنا" کے ساتھ ہمیشہ "نے" آتا ہے۔ جیسے ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا۔ لیکن جب جی اور دل کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو نہیں آتا۔ جیسے جی چاہا تو آؤں گا۔ اس کی کیا پوچھتے ہو، دل چاہا گیا دل چاہا نہ گیا

۵۔ تھوکنا، موتنا، ہگنا افعال لازم ہیں مگر ان کے ساتھ نے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے میں نے تھوکا۔ اس نے موتا۔

تھوکنا اور موتنا کبھی متعدی بھی ہوتے ہیں جیسے

دوگانا جان کی بچی نے موتا مجھ نمازی پر (جان صاحب) بچے نے نہالچے پر موتا۔

اس نے مجھ پر تھوکا۔ اس کو ساری دنیا نے تھوکا۔ مگر بے غیرت کی بلا دور کچھ بھی اثر نہ ہوا۔

بعض افعال کے ساتھ جو خاص موقع پر متعدی استعمال ہوتے ہیں۔ "نے" علامت فاعل نہیں آتی۔ جیسے میں اسے رو دیا۔ وہ مجھ پر ہنسا۔ کتا بلی پر جھپٹا۔ وہ مجھ سے لڑا (یہ خیال رہے کہ یہاں "پر" اور "سے" علامت مفعول ہیں)

۷۔ جب علامت فاعل وہ، جو اور کون کے ساتھ آتی ہے تو وہ اس سے جو جس سے اور کون کس سے بدل جاتا ہے جیسے اس نے مارا۔ کس نے مارا۔ جس نے کہا غلط کہا۔

۸۔ نے علامت فاعل ہے۔ اور مفعول کے ساتھ کبھی نہیں آتی۔ لیکن جب مجھ اور تجھ کے ساتھ کوئی صفت آتی ہے تو نے استعمال ہوتا ہے جیسے مجھ کمبخت نے یہ کب کہا تھا۔ کہ مجھ خاکسار نے ایسا نہیں

کیا۔ تجھ بدبخت نے ایسا کیا۔

اصل یہ ہے کہ مجھ اور تجھ پراکرت کے ضمائر اضافی مجھا اور تجھا سے نکلے ہیں چنانچہ اسی سے قدیم اردو میں مجھ اور تجھ بھی بطور ضمائر اضافی کے استعمال ہوتے تھے مثلاً نصرتی ملک الشعرائے دربار عادل شاہ اپنی مثنوی گلشن عشق میں لکھتا ہے

کہا سن کو یوں اُن کے اے دل کے یار
خدا ہے یہ تجھ بات پر جیو ہزار

یہاں تجھ بات سے مطلب تیری بات ہے۔ غرض "تجھ" حالت اضافی سے حالت مفعولی میں آیا۔ اور صفت کے ساتھ اب بھی استعمال ہوتا ہے جیسے۔ مجھ خاکسار کی حالت۔ صفت کے بیچ میں حائل ہوجانے سے یہ نظرانداز ہوگیا کہ مجھ کس حالت میں ہے اور اس لئے اضافی اور فاعلی حالتوں میں استعمال ہونے لگا۔ مُجھا کے میم پر زبر ہے لیکن تجھا کے ساتھ ساتھ آنے سے مجھ کی میم پر پیش آگیا۔

نے کا ایک اور غلط استعمال رواج پاگیا ہے جس کا ارتکاب بعض قابل اور مستند ادیب (خاص کر پنجاب کے) کر بیٹھتے ہیں۔ مثلاً یہ نے دیکھا ہوا ہے یہ تقریریں نے سنی ہوئی ہے (یا میں سن چکا ہوں) یہ کتابیں میری پڑھی ہوئی ہیں (یا میں پڑھ چکا ہوں)۔

ندائی حالت

ندائی حالت کے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، بعض زبانوں مثلاً لاطینی سنسکرت وغیرہ) میں اس کی صورت جدا ہوتی

ہے اور اس لئے حالت بھی الگ مقرر کی گئی۔ لیکن انگریز بالوں میں فاعلی اور ندائی حالتیں یکساں ہوتی ہیں اور الگ نام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ندائی حالت میں اسم بطور مخاطب کے استعمال ہوتا ہے اور جملے سے الگ تھلگ نظر آتا ہے۔ یا بذات خود ایک جملہ ہوتا ہے اس میں اور امر میں بہت کچھ مشابہت پائی جاتی ہے مثلاً التجا یا حکم کا اظہار جیسے، سنو۔ وغیرہ۔

ندائی اور فاعلی حالت کا گہرا تعلق امر کی صورت سے ظاہر ہوتا ہے مثلاً ہم کہیں "تم ادھر آجاؤ" اگر تم کی جگہ احمد ہو تو جملہ یوں ہوگا "احمد، تم ادھر آجاؤ"۔ اس مثال سے ان دونوں حالتوں کا تعلق صاف ظاہر ہوتا ہے۔

ندائی حالت اکثر حروف ندا کے ساتھ آتی ہے جیسے، اے دوست او لڑکے۔ او بے رحم! وغیرہ۔ مگر بعض اوقات حروف ندا نہیں بھی آتا جیسے صاحبو! لوگو! بیٹا! قبلہ! وغیرہ۔

شعرا اپنی نظموں میں خصوصاً مقطع میں اپنا تخلص لاتے ہیں جو اکثر ندائی حالت میں ہوتا ہے۔

ہوت، دور سے بلانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ارے، ابے، حقارت کے لئے اور ادنیٰ لوگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر ان کا استعمال فصیح خیال نہیں کیا جاتا۔

رے، اللہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی تعجب کے ہوتے ہیں، اللہ رے تیرا استغناء!

بے تکلفی میں "ارے" کا لفظ میاں کے ساتھ آتا ہے، جیسے ارے

میاں! یا اضطراب کے موقع پر جیسے ارے لوگو! یہ کیا غضب ہوا۔ بعض مقامات پر ارے صاحب! ارے جناب بھی بولتے ہیں مگر یہ فصیح نہیں خیال کیا جاتا۔

مفعولی حالت

۱۔ مفعول وہ ہے جس پر فاعل کے فعل کا اثر پڑے۔ مفعول درحقیقت فعل متعدی کے نکلنے کا کام دیتا ہے۔ جیسے احمد نے حامد کو مارا۔ ہاشم نے باقر کو انعام دیا۔ اس نے کھانا کھایا۔ رام کتاب پڑھتا ہے۔

(ا) جب فعل کا ایک ہی مفعول ہو اور ذی عقل ہو تو مفعول کے ساتھ (کو) آتا ہے، جیسے کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہے لیکن اگر مفعول غیر ذی عقل ہو یا بے جان اشیاء میں سے ہے تو اس کے ساتھ (کو) علامت مفعول نہیں آتا، جیسے میں نے کھانا کھایا۔ بکری پانی پیتی ہے۔ احمد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا ذیل کی مثالوں سے دونوں طرح کے مفعولوں کے استعمال کی حالت معلوم ہوگی

میں نے احمد کو دیکھا	میں نے وہ لفنشہ دیکھا
میں احمد کو جانتا ہوں	میں ریاضی جانتا ہوں
میں نے احمد کو مارا	میں نے سانپ مارا
اس نے سائیس کو پیٹا	اس نے ڈھول پیٹا

(ب) میں نے ایک آدمی دیکھا، صحیح ہے لیکن جب آدمی کا نام لیں یا کوئی اور تخصیص اشارے یا اضافت وغیرہ سے پیدا کر دیں تو "کو" لانا ضرور ہے جیسے میں نے مسعود کو دیکھا۔ میں نے اس آدمی کو دیکھا۔ میں نے تمہارے بھائی کو دیکھا۔ لیکن

اس کی چالیں میں ہی خوب سمجھتا ہوں اور
اس کی چالوں کو میں ہی خوب سمجھتا ہوں

دونوں صحیح ہیں۔ یا جیسے "میری فریاد کو پہنچو" یہاں کو محاورے کی رو سے بالکل صحیح اور فصیح ہے

(ج) ضمیر میں فاعلی اور مفعولی حالتیں معین ہیں ان میں کوئی تغیر نہیں ہوتا جیسے میں نے اسے (یا اس کو) دیکھا۔ میں نے انھیں (یا ان کو) نکال دیا تھیں کس نے بلایا تھا؟

(د) مگر محاورات میں جہاں مفعول مصدر کے ساتھ آتا ہے "کو" لانا غیر فصیح ہی نہیں بلکہ غلط ہے مثلاً منہ چڑانا، کان کھولنا، سر اٹھانا، جان دینا تنکے چننا، تارے گننا، وغیرہ مثلاً "اس نے میری تباہی پر کمر باندھ رکھی ہے یہاں "کمر کو باندھ رکھا ہے" کہنا صحیح نہ ہوگا

اسی طرح دوسری بے جان اشیاء اور کیفیات قلبی کے ساتھ بھی یہی عمل ہوتا ہے جیسے خط لکھا۔ شراب پی۔ پانی پیا۔ خربوزہ کھایا۔ رنج نہ کرو۔ مہربانی رکھو۔

(ہ) یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ جب عمومیت ہوتی ہے تو "کو" نہیں آتا لیکن جب خصوصیت کا اظہار کیا جاتا ہے یا توجہ دلانی مقصود ہے تو "کو" بولتے یا لکھتے ہیں لیکن یہ غیر ذی العقول اور بے جان اشیا کے ساتھ مخصوص ہے ذی العقول کے ساتھ بہت کم۔ نیچے لکھی ہوئی مثالوں کو دیکھئے۔

میری فریاد کو پہنچو	اس بوجھ کو اٹھاؤ تو جانوں
مایا کو چھوڑ رام کو لے	اپنے دل کو دیکھ اور غور کر

ذیل کی مثالوں میں عمومیت پائی جاتی ہے آخری مثال میں باوجود خصوصیت کے "کو" استعمال نہیں ہوا۔ ذی العقول میں یہ ضرور نہیں۔

میں نے سب پیڑ دیکھے کوئی کام کا نہ نکلا۔ جیتی لڑکی میں تمھیں دیدوں یہ ممکن

نہیں، ہاں لاش کے تم مالک ہو۔ تم نے کیا بات دیکھی جو اس قدر ریجھے ہوئے ہو
(و) بعض افعال کے ساتھ فعل کے اسی مادے کا مفعول قریب استعمال ہوتا ہے۔ اسے عربی میں مفعول مطلق کہتے ہیں جیسے تم کیسی چال چلتے ہو، آدمیوں کی سی چال چلو، وہ بڑا بول بولتا ہے اس کے ساتھ "کو" کبھی نہیں آتا۔

۲۔ بعض افعال کے دو مفعول ہوتے ہیں

(ا) بعض افعال متعدی یا متعدی المتعدی کے دو مفعول ہوتے ہیں ان میں سے ایک شخص ہوتا ہے دوسرا شے مفعول شخصی کے ساتھ ہمیشہ "کو" آتا ہے جیسے میں نے فقیر کو روپیہ دیا۔ اس نے سب کو مٹھائی کھلائی

(ب) جو افعال بنانے، مقرر کرنے، پانے یا نام رکھنے کے معنوں میں ہوں یا جو افعال قلوب ہوں یعنی ان کے معنی سمجھنے، جاننے اور خیال کرنے کے ہوں تو ان کے ساتھ بھی دو مفعول ہوتے ہیں مفعول اول کے ساتھ اکثر "کو" آتا ہے جیسے تم اس کو کیا خیال کرتے ہو۔ انھوں نے ہری کو اپنا راجا بنایا میں اسے (اس کو) آدمی سمجھتا تھا مگر وہ کچھ اور نکلا۔ وہ مجھے (مجھ کو) حکیم سمجھا۔ گودڑ نے اسحاق کو کوتوال بنا دیا۔

(ج) ایسے افعال کے طور مجہول میں جن میں دو مفعول ہوتے ہیں مفعول قریب، فاعل کا قائم مقام ہوتا ہے، مگر حالت اس کی وہی رہتی ہے یعنی (کو) اسی کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے فقیروں کو کھانا کھلا دیا جائے اس کو تنخواہ نہ دی جائے۔

۳۔ اگرچہ "کو" عام طور پر علامت مفعول ہے لیکن بعض اوقات "سے" "کے" اور "پر" بھی (کو) کی بجائے علامت مفعول کے طور پر استعمال ہوتے ہیں جیسے میں نے احمد کے تھپڑ مارا۔ میں نے احمد کے کاجل لگایا۔

محمود سے کہو میں خالد سے محبت کرتا ہوں۔ اس پر رحم کرو۔
اسی طرح روزمرہ میں بعض اوقات مجھ کو اور اس کو کی جگہ "میرے اور اس کے" استعمال ہوتے ہیں جیسے اس نے میرے ہاتھ جوڑے۔ میں نے اس کے ہاتھ جوڑے۔

۴۔ کبھی یہ علامت مفعول غرض اور مدعا وغیرہ کو ظاہر کرتی ہے جیسے وہ کام سیکھنے کو آتا ہے۔ بادشاہ سلامت سیر کو نکلے، میں گرد کے زرشن کو جاتا ہوں، یہ کتاب کتنے کو دو گے۔ میں نے دو سو روپے کو گھوڑا بیچا
عربی میں اسے مفعول لہ کہتے ہیں یہاں "کو" واسطے اور لئے کے معنی میں آیا ہے عام طور پر یہ معنی زیادہ تر اضافی صورت میں ادا کئے جاتے ہیں جیسے وہ کام سیکھنے کے لئے آتا ہے وغیرہ۔

۵۔ بعض مصادر اردو میں ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ فاعل مفعول کی صورت میں آتا ہے جیسے اسے کچھ نظر نہیں آتا ہے مجھے وہ دکھائی نہیں دیتا ہے جانا پڑا ہمیں وہاں جانا ہے اسے تن بدن کی سدھ بدھ نہیں۔ ان جملوں میں اسے مجھے ہمیں بظاہر مفعولی حالت میں ہیں اگرچہ حقیقت میں فاعل ہیں۔ یہ زبان کا روزمرہ ہے اس میں کسی قاعدے کا دخل نہیں۔ یہ استعمال خصوصاً پڑنا اور ہونا کے ساتھ آتا ہے جہاں ضرورت یا مجبوری کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

۶۔ اس موقع پر "ملنا" کا ایک استعمال بھی قابل غور ہے اس میں جو شے ملتی ہے وہ فاعلی صورت میں ہوتی ہے اور پانے والا مفعولی حالت میں ہوتا ہے جیسے اسے انعام ملا۔ ہمیں کچھ نہ ملا۔
بالکل یہی استعمال لازم ہے، مناسب ہے اور چاہئے وغیرہ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے تم کو کچھ فکر تو کرنی چاہئے۔ مجھے یہ بات جلد کہنی مناسب

ہے آدمی کو چاہئے کہ بھلائی کرے۔ اس کو لازم ہے کہ دفتر کی باتیں باہر نہ کہے۔ کبھی علامت مفعول (کو) سن ظاہر کرنے کے لئے آتی ہے جیسے (ع) ہم شکل مصطفیٰ کو تو اٹھارواں ہے سال۔ یعنی سترہ پورے ہو چکے ہیں اور اٹھارہواں شروع ہے۔

(س) کبھی لزوم کے معنوں میں آتا ہے جیسے

مہر و وفا و راحت و آرام کو رقیب
جور و جفا و کاوش و خون جگر کو میں داغ

بعض اوقات علامت مفعول محذوف ہوتی ہے جیسے وہ صبح سویرے چل دیا۔ میں گھر گیا۔ وہ کھانا کھانے گیا ہے۔

خبری حالت

جو اسم جملے میں کسی فعل یا واقعے کی خبر دیتا ہے وہ خبری حالت میں ہوگا جیسے وہ اس شہر کا حاکم ہے۔ وہ یہاں کا کوتوال مقرر ہوا ہے۔ یہ صاحب افغانستان کے ایلچی ہیں کل جو گدڑ بنا تھا، آج بادشاہ ہے وہ مجھے صورت سے درزی معلوم ہوتا ہے ہم نے اسے اپنا قایم مقام کیا ہے وہ گنوار دکھائی دیتا ہے

اوپر کی مثالوں سے معلوم ہوگا کہ جو لفظ فعل کے ساتھ خبری حالت میں آتے ہیں وہ فعل کے معنوں کی تکمیل کرتے ہیں بعض افعال اپنے مفہوم کے لحاظ سے خبری حالت کے لئے خاص طور پر موزوں ہوتے ہیں ان میں سب سے بڑھ کر فعل ناقص "ہونا" ہے جو اس حالت میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے بعض دوسرے افعال ناقص بھی اسی طرح استعمال ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان میں یہ کیفیت نہیں پائی جاتی جو "ہونا" میں ہے مثلاً بڑنا۔ لکھنا، دکھائی دینا وغیرہ

اگرچہ خبری حالت کے اسم کا تعلق جملے میں وہی ہوتا ہے جو اس اسم کا ہے جو فاعلی حالت میں ہے مگر اکثر صورتوں میں خبری حالت کا اسم زیادہ عام ہوتا ہے مثلاً فاختہ ایک پرندہ ہے یہاں ظاہر ہے کہ پرندہ بہ نسبت فاختہ کے زیادہ عام ہے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ پرندہ فاختہ ہے یعنی فاختہ تو پرندہ ہے لیکن ہر پرندہ فاختہ نہیں ہوتا۔ بعض صورتوں میں دونوں میں دو اسم برابر کے یا قریب قریب برابر کے ہوتے ہیں جیسے انسان اشرف المخلوقات ہے۔

(۳)

اضافی حالت

اضافت کے معنی نسبت کے ہیں اور کسی لفظ کی اضافی حالت اس لفظ کے تعلق کو دوسرے لفظ سے ظاہر کرتی ہے اس لئے جس لفظ کی طرف نسبت کی جاتی ہے اسے مضاف الیہ کہتے ہیں اور جو لفظ کہ نسبت کیا جاتا ہے اسے مضاف کہتے ہیں۔ مثلاً محمود کا گھوڑا۔ یہاں گھوڑا حالت اضافی میں ہے اور اپنا تعلق محمود (یعنی مضاف الیہ) سے ظاہر کرتا ہے۔ درحقیقت اگر دیکھا جائے تو مضاف الیہ ایک قسم کی صفت ہے اور مضاف موصوف اور یہ دونوں مل کر ایک خیال ظاہر کرتے ہیں۔

اردو میں اضافی حالت مختلف قسم کے تعلقات کو ظاہر کرتی ہے جس کی تفصیل ذیل میں کی جاتی ہے

۱- ملک یا قبضہ ظاہر کرنے کے لئے جیسے وہ راجا کی باندی ہے یہ اس کے گھوڑے ہیں۔ ان جملوں میں کہ "اس کا کیا بگڑتا ہے اس کا کیا جاتا ہے"

ہے"(کیا) کو حالت اضافی میں سمجھنا چاہیئے، جو اسم کا قایم مقام ہے اور ملک کے ظاہر کرنے کے لئے آیا ہے یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ 'کیا' کے بعد مال، شے بات وغیرہ ہیں مگر پہلی صورت زیادہ صاف ہے۔

۲۔ رشتے یا قرابت کے اظہار کے لئے۔ جیسے میرا بیٹا۔ مسعود کا باپ۔ اس کا چچا۔

۳۔ مادی اسیاء کا بیان: جیسے سونے کی انگوٹھی۔ صندل کا صندوقچہ کھڑوں کا چھنا۔

۴۔ ظرف و مکان و زمان کے لئے۔ جیسے متھرا کا باشندہ، ملک ملک کے بادشاہ۔ یہ ایک منٹ کا کام ہے۔ چار دن کی بات ہے۔ یہ اگلے وقتوں کے لوگ ہیں۔

۵۔ کیفیت یا قسم کے ظاہر کرنے کے لئے جیسے قسم قسم کی باتیں۔ بڑے اچنبھے کی بات ہے۔ ایک من کا بوجھ

۶۔ سبب یا علت کے لئے جیسے راستے کا تھکا ماندہ۔ دھوپ کا جلا۔ نیند کا ماتا۔ موذی کے مارنے میں کچھ گناہ نہیں۔

۷۔ اصل ماخذ کے اظہار کے لئے جیسے پوڑوں کا ابیر۔ چنبیلی کی خوشبو باجے کی آواز

۸۔ وضاحت کے لئے جیسے جمعہ کا دن۔ مئی کا مہینہ

۹۔ عمر کے لئے۔ چھ برس کا بچہ۔ ستر برس کا بوڑھا۔

۱۰۔ استعمال کے معنوں میں جیسے پینے کا پانی۔ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہیں اور دکھانے کے اور۔ یہ چاقو کسی کام کا نہیں۔

۱۱۔ قیمت کے اظہار کے لئے جیسے ایک روپے کے آم دو۔ اس کپڑے کے

کیا دام ہیں۔ دو روپے کا کھی لے آؤ۔

۱۲۔ تشبیہ کے لئے۔ جیسے اس کی کلائی شیر کی کلائی ہے۔

۱۳۔ استعارے کے ساتھ (استعارے کے معنی ہیں مانگے لینا یعنی کسی شے میں کوئی خاص بات یا صفت پائی جاتی ہے وہ اس سے مانگ کر کسی دوسری سے منسوب کرنا، جیسے اس کے دل کا کنول کھل گیا۔

۱۴۔ ادنیٰ کے تعلق کے لئے۔ یعنی ذرا سے تعلق سے سب چیز کو اپنی طرف منسوب کر لینا، جیسے اس کا ملک۔ ہمارا شہر وغیرہ۔

۱۵۔ صفت کے لئے۔ جیسے غضب کی گرمی۔ قیامت کی دھوپ ہے آفت کا پرکالہ۔

اسی طرح صفات کے ساتھ بھی مستعمل ہے۔ قول کا سچا۔ دھن کا پکا قسمت کا دھنی۔

۱۶۔ کل کے جز کے لئے۔ جیسے قصے کا آغاز، پہاڑ کی چوٹی۔ پانی کی ایک بوند۔

۱۷۔ کل کے لئے۔ اس سے کل یا مبالغہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کا استعمال عموماً اس طرح ہوتا ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں ایک ہی لفظ ہوتے ہیں۔ اور ان کے درمیان اضافت کا حرف ہوتا ہے جیسے سب کے سب۔ ڈھیر کا ڈھیر۔ آدے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ ایک شعر کیا غزل کی غزل مرصع ہے شہر کا شہر اسی میں مبتلا ہے قوم کی قوم۔ خاندان کا خاندان وغیرہ۔

اضافت کے ساتھ لفظ کا یہ تکرار اور معنی بھی دیتا ہے جس کا مفصل بیان الفاظ کے تکرار میں آئے گا۔

۱۸۔ فاعل یا مفعول کے اظہار کے لئے جیسے اس کے بھاگ جانے کی

خبر ہے ہیں اس کی تکلیف نہ دیکھ سکا۔ یہ استعمال اکثر مصادر کے ساتھ ہی ہوتا ہے اور مصدر اپنے فاعل یا مفعول یا ظرف کا مضاف ہوتا ہے جیسے صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا (غالب) رات کا آنا قیامت کا آنا ہے دل کا آنا جان کا جانا ہے۔ وہاں کا بیٹھنا اچھا نہیں وغیرہ وغیرہ

۱۹۔ بعض صفات اور دوسرے الفاظ ہمیشہ اضافت کے حرف کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں جیسے لائق، قابل، برابر، متعلق، موجب، موافق نسبت، طرف، مطابق، بابت، مشابہ۔ اسی طرح قبل، بعد، پاس، آگے پیچھے، اوپر نیچے، تئیں، ہاں، لئے، واسطے طرح کے ساتھ بھی اضافت کے حرف آتے ہیں مگر، قبل، اور بعد، بعض اوقات بغیر اضافت کے بھی مستعمل ہیں جیسے دو ماہ قبل۔ دو ماہ بعد۔

۲۰۔ بعض اوقات اضافت کے حرف کے بعد کا اسم (یعنی مضاف) محذوف بھی ہوتا ہے جیسے ایمان کی توبہ ہے کہ ایمان تو گیا۔ یعنی ایمان کی بات) اس نے میری ایک نہ سنی۔

دل کی دل ہی میں رہی ایک نہ ہوتے پائی

ملے تھے آج تو ہم بھی جناب آصف سے\
عجیب رنگ میں ہیں پوچھتے ہو کیا اُن کی

ایسی حالتوں میں اکثر بات یا حالت کا لفظ محذوف ہوتا ہے مگر کبھی کبھی دوسرے الفاظ بھی محذوف کر دئے جاتے ہیں یا تو اس لئے کہ ان کا بیان اکثر خلاف تہذیب ہوتا ہے یا یہ کہ ان کا سمجھنا سہل ہوتا ہے مثلاً

غرض یہ کہ سرکار ہیں پیٹ بھر کے

آج وہ پھر حجام کا آیا تھا۔ ان کی سجلی کہی۔

۲۱۔ بعض اوقات اور خاص کر نظم میں مضاف الیہ اور مضاف کی ترتیب بدل جاتی ہے جیسے

یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے
بھنور میں جہاز آ کے جس کا گھرا ہے

یا جیسے نام تو ان کا مجھے تو یاد نہیں البتہ صورت یاد ہے یا کوئی مزاج پوچھے تو جواب دیں، شکر خدا کا، اس موقع پر ایک بات خاص طور پر قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ بعض اوقات جب اضافی ترکیب اپنی اصل حالت پر نہیں ہوتی بلکہ اضافت کا حرف جو عموماً مضاف الیہ اور مضاف کے درمیان واقع ہوتا ہے آخر میں واقع ہو محاورے میں "کی" کے بجائے "کے" استعمال ہو جاتا ہے جیسے مانند شمشیر کے۔ یہاں "کے" از روئے محاورہ صحیح ہے حالانکہ قاعدے کے رو سے "کی" ہونی چاہیئے کیونکہ مانند مونث ہے یا جیسے آتش کا شعر ہے

معرفت میں اس خدائے پاک کے
اڑتے ہیں ہوش و حواس ادراک کے

یا میر انیس فرماتے ہیں "میدان میں تھا حشر بپا چال سے اس کے" اسی طرح میر تقی فرماتے ہیں "آنکھوں میں ہیں حقیر جس نس کے" حالانکہ معرفت، چال آنکھوں مونث ہیں، مگر ان کے ساتھ "کے" استعمال ہوا ہے زبان کا محاورہ یہی ہے اور اسی لئے اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اگرچہ عام قاعدہ اس کے خلاف ہے۔ یہ استعمال اکثر نظم میں ہوتا ہے۔

۲۲۔ یہاں ایک اور نکتہ بھی قابل ذکر ہے جس کا تعلق زبان کے محاورے سے ہوتا ہے۔

ذیل کے فقروں میں "کے" کے استعمال پر غور کیجئے۔

احمد نے اس کے تھپڑ مارا۔

اس کے سرمہ لگایا۔

گھوڑے نے اس کے لات ماری

میں نے اس کے چٹکی لی

اس کے اُبٹنا ملو

اس کے بیٹا ہوا

گدھے کے دم نہ تھی

اس کے چوٹ لگی وغیرہ وغیرہ

بعض حضرات کا اس کے متعلق یہ خیال ہے کہ "کے" کے بعد کوئی ایک لفظ یا محذوف ہے مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ "اس کے تھپڑ مارا" تو اصل میں یہ اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ اسی طرح اس کے سرمہ لگایا۔ اس میں آنکھوں کا لفظ محذوف ہے "اس کے بیٹا ہوا" اس میں ہاں یا گھر محذوف ہے۔ گدھے کے دم نہ تھی اصل میں یہ ہے کہ گدھے کے پاس دم نہ تھی۔ "اس کے چوٹ لگی" یعنی اس کے بدن پر یا جسم میں وغیرہ۔

لیکن مجھے اس رائے سے اتفاق نہیں ہے "کے" اور "کو" دونوں کی اصل ایک ہے یعنی یہ سنسکرت کے حالیہ کرتا سے نکلے ہیں۔ قنوجی، میواڑی، گڑھوالی کماؤنی، اور نیپالی میں "کو" اضافی حالت کے لئے آتا ہے اور بھوجپوری، ماگدھی اور میتھلی میں "کے" اور "کی" بھی مفعول کی علامت ہیں میری رائے میں اوپر کی مثالوں میں جو "کے" آیا ہے وہ بجائے "کو" کے ہے چنانچہ اب بھی دکن نیز دیگر مقامات میں ایسے موقعوں پر "کے" کی بجائے "کو" ہی استعمال

کرتے ہیں۔ یعنے "اس کے بٹیا ہوا" یا "اس کے دو بیٹے ہیں" کی بجائے اس کو بٹیا ہوا یا اس کو دو بیٹے ہیں، کہتے ہیں، جو اگرچہ اُردو محاورے کی رُو سے غلط ہیں مگر اصل کا پتہ ضرور دیتے ہیں۔

(۳)

ظرفی حالت

ظرفی حالت کی کئی قسمیں ہیں۔ اس میں زمان اور مکان (ظرف) پیمائش، وزن، قیمت، طریقہ، مقابلہ، ذریعہ یا آلہ وغیرہ کی تمام حالتیں آجاتی ہیں۔

۱۔ مکان یا مقام کی حالت عموماً "میں" "پر" "سے" کے ساتھ آتی ہے جیسے دنیا جہان میں، شہر میں، گھر میں وغیرہ۔ وہ مدرسے سے گھر آیا۔ نکل شہر سے راہ جنگل کی لی۔ مسند سے اٹھا اور پلنگ پر آبیٹھا۔ کبھی "میں" اور "سے" دونوں مل کر آتے ہیں۔ جیسے گھر میں سے بولا۔ چھت پر سے اُترے۔

محاورے میں اس کا استعمال بکثرت ہوتا ہے۔ جیسے کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے ہیں۔ اس کام میں میرا دل نہیں لگتا۔ وہ ہوش میں آیا۔ وہ قدموں پر گر پڑا۔ کشن لال گدی پر بیٹھا ہے۔ وہ چھت پر چڑھ گیا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہے۔ خدا کا دیا سر پر۔ بنارس گنگا پر واقع ہے۔

کبھی اس صورت میں جز کا تعلق کل سے ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے خاندان بھر میں یہ ایک ہی شخص ہے، ساری کتاب میں ایک صفحہ بھی پڑھنے کے قابل نہیں۔ وہ ہمارے دفتر میں منشی ہے۔ وہ ہم میں نہیں ہے۔ یہ شخص شرفائے شہر سے ہے۔ یہ حیوانات کی قسم سے ہے۔

کبھی چسپاں یا ملا ہوا ہونا کے معنی پائے جاتے ہیں۔ انگوٹھی میں

ہیرا جڑا ہے۔ ایک تولے سونے میں اتنا بڑا جھومر نہیں بن سکتا۔ جھالر میں موتی ٹکے ہیں۔

۲۔ زمانے کے اظہار کے لئے، جیسے، یہ کام کتنے دنوں میں ہو جائے گا۔ وہ ایک مہینے میں واپس آجائے گا۔ عین وقت پر آیا۔ پانچ بج کے دس منٹ پر آیا۔

۳۔ پیمائش کے لئے جیسے یہ درخت طول میں پانچ گز ہے۔ یہ تختہ چوڑائی میں چار فٹ ہے۔

۴۔ وزن کے لئے۔ جیسے، تول میں کم ہے۔ سیر میں چار چھٹانک ہیں

۵۔ قیمت کے اظہار کے لئے، یہ کتاب کتنے میں پڑی۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ مال کتنے کا ہے؟ تو اس کے معنے یہ ہیں کہ اس کی اصل، اندرونی قیمت کیا ہے جب یہ پوچھتے ہیں کہ "کتنے کو یا کتنے میں دو گے؛ یا" یہ کتنے کو لیا یا کتنے میں لیا"؛ تو اس کے معنے ہیں وہ قیمت جتنے میں یہ شے بکتی ہے۔ لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ" میں نے یہ لیمپ چار روپے میں لیا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قیمت خرید ہے یا اتنے میں پڑا ہے، ممکن ہے کہ اصلی قیمت یا قیمت فروخت کم و بیش ہو۔

۶۔ طریقہ۔ جیسے، اس نے بڑی محنت سے کام کیا۔ وہ بڑی محبت سے ملا۔ غور سے ملاحظہ فرمایئے۔ وہ بہت خاطر مدارت سے پیش آیا۔

۷۔ مقابلہ یا فوقیت۔ جیسے، وہ مجھ سے اچھا ہے، میں اس سے کس چیز میں کم ہوں، لیاقت میں، عزت میں، مال و دولت میں۔ ان دونوں میں کون بہتر ہے۔ مجھ میں اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے وہ مجھ سے عمر میں بڑا ہے۔ لاکھ میں ایک ہے وہ حسن میں یکتا ہے وہ سب سے پہلے جا پہنچا۔ سخی سے شوم کبھلا

اُسے مجھ پر ترجیح ہے۔ اُسے تم پر تقدم حاصل ہے۔ اس پر بس نہیں چلتا۔

۸۔ ذریعہ یا آلہ جیسے، یہ قفل دوسری کنجی سے نہیں کھلنے کا۔ میں نے اُسے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ ایک ہی ہاتھ میں کام تمام کر دیا۔ وہ ہی باتوں میں پرچا لیا۔ وہ ہی کششوں میں حقہ جلا دیا۔

۹۔ معیت۔ جیسے، وہ بڑے ساز و سامان سے آیا۔ میں نے روٹی سالن سے کھائی۔

۱۰۔ جدائی یا علاحدگی، مادی ہو یا خیالی۔ جیسے، وہ مجھ سے جدا ہو گیا۔ میں نے اُسے غلامی سے آزاد کر دیا۔ اس نے مجھے آگ سے بچایا۔ تم مجھے وہاں جانے سے کیوں منع کرتے ہو۔ وہ کام سے جی چراتا ہے۔ یہ عقل سے بعید ہے

۱۱۔ مصروفیت۔ جیسے دن رات مطالعے میں رہتا ہے۔ اُسے فرصت کہاں وہ تو شب و روز ناچ رنگ میں مشغول رہتا ہے اپنے کام میں ہے۔

۱۲۔ حالت یا کیفیت۔ جیسے، اسی سوچ میں آنکھ لگ گئی، پینک میں ہے نشے میں ہے۔ وہ اپنے ہوش حواس میں نہیں۔ وہ نیند میں ہے مصیبت میں ہے کس عذاب میں جان ہے۔ ہاتھ میں شفا ہے۔ زبان میں اثر ہے۔

۱۳۔ علت و سبب۔ جیسے، وہ اپنے کیے سے (یا کیے پر) بہت نادم ہے آپ کے خوف سے پڑھتا ہے۔ فساد سے ضرر پیدا ہوتا ہے۔ اتنی ہی بات پر آگ بگولا ہو گیا۔

۱۴۔ واسطے اور خاطر کے لیے، جیسے، کام پر گیا ہے، نام پر مرتا ہے، عزت پر جان دیتا ہے۔

۱۵۔ تعلق خاطر۔ جیسے، ہمارے حال پر رحم کرو۔ اس بات پر غور کرو۔ میرا دل اس پر آ گیا۔

۱۶ ۔ انحصار ۔ جیسے میری زندگی اسی پر ہے۔ ایک مجھی پر کیا سب کا یہی حال ہے ۔ میرا جانا ان پر موقوف ہے ۔

۱۷ ۔ طرف جانب ۔ جیسے، اس کی باتوں پر نہ جانا۔ اس پر نہ جانا۔ یہ سب دیکھنے کے ہیں ۔

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

اس پر کوئی خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ ہر چیز اپنی اصل پہ جاتی ہے ۔

غرض اس قسم کے جتنے تعلقات حرف ربط کے ذریعے سے ظاہر کئے جاتے ہیں اور جن میں کام کا کسی خاص طور سے واقع ہونا پایا جاتا ہے تو ایسے اسما جو اس طرح استعمال ہوتے ہیں وہ طوری حالت میں ہوں گے ۔ ان مثالوں کے علاوہ جو اوپر بیان کی گئی ہیں اور بھی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں جن سے کام کا طور معلوم ہوتا ہے ۔ جیسے نکھ سکھ سے درست ۔ آنکھوں سے اندھا کانوں سے بہرا ۔ لین دین میں ہوشیار ۔ باتوں میں تیز، کام میں سست ۔ اس نے دشمن پر حملہ کیا ۔ شیر پہ جھپٹا ۔ وہ مجھ پر غصے ہوا ۔ اس کے مال پر قبضہ کر لیا ۔ وہ اپنے طریقے پر ہے میں اپنے طریقے پر ہوں ۔ ان قواعد کی پابندی مجھ پر لازم نہیں ۔ خدا کی اطاعت سب پر واجب ہے وہ اپنے قول و قرار پر قائم نہیں ۔ یہ سب مثالیں طور کو بتاتی ہیں اور اسی لیے ہم نے اس قسم کے تمام اسما کو طوری حالت میں لکھا ہے ۔

صفت

صفات کی شناخت اور تغیر و تبدل کے متعلق پہلے حصے میں کافی طور سے

بیان ہو چکا ہے لہذا یہاں اس کا اعادہ غیر ضروری ہے

۱۔ صفت جب کبھی اسم کی کیفیت یا حالت بیان کرتی ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔

(۱) توصیفی اور (۲) خبری

توصیفی جیسے خوب صورت جوان، نازک کلائی نیلا آسمان وغیرہ

خبری جیسے وہ گھوڑا خوب صورت ہے۔ یہ پانی تیز گرم ہے۔ میں نے اسے ہوشیار پایا وغیرہ۔

۲۔ اُردو میں صفات اکثر اسما کی طرح استعمال ہوتی ہیں اور جس طرح اسما کی آخری علامت میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ ان میں بھی ہوتی ہے جیسے۔

تم کیا اچھے اچھے مارے مارے پھرتے ہیں اور کوئی نہیں پوچھتا۔

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے
وہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے

بروں کی صحبت سے بچو سب بے حیا کی بلا دور۔ یہاں سب طرح کے لوگ موجود ہیں اچھے سے اچھا اور بُرے سے بُرا۔ عقلمندوں کی صحبت میں بیٹھو، جاہلوں سے احتراز کرو۔ بڑوں کا اُدب کرو اور چھوٹوں پر شفقت۔

۳۔ کبھی کبھی بعض اسم بھی صفت کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں جیسے

آگے جاتا نہیں ہے اب بولا
ہو گئی ہے زبان بھی اولا

یہاں اولے کے معنی ٹھنڈے کے ہیں۔ یا مثلاً یوں کہیں۔ اس کے ہاتھ پاؤں برف ہو رہے ہیں۔ اسے اس زور کا بخار چڑھا کہ سارا جسم آگ تھا۔ یا مثلاً خفا ہو کر کہیں، تم بڑے اُلو ہو یا بڑے گدھے ہو۔ یہاں اُلو اور

گدھے کے معنے بیوقوف اور احمق کے ہیں یا ، وہ تو نرا بیل ہے ۔

۴ ۔ صفات بعض اوقات تمیز کا کام دیتی ہیں جیسے ، وہ خوب بولتا ہے ۔ اسے کچھ نہیں آتا ۔

۵ ۔ بعض اوقات تکرار صفت سے صفت میں بیشی یا ترقی ہو جاتی جیسے دور دور کے لوگ ، مشہور مشہور شخص ۔ میٹھے میٹھے پھل ۔ اونچے اونچے مکان ۔ گرم گرم جلیبی ، مگر خاص خاص حالتوں میں اس کے خلاف کمی ظاہر ہوتی ہے مثلاً دال میں کچھ کالا کالا نظر آتا ہے (یعنی کوئی چیز جو کالی سی ہے) یہ سالن میٹھا میٹھا معلوم ہوتا ہے (یعنی کسی قدر میٹھا) لیکن اس آخری صورت میں صفت تمیز کا کام دیتی ہے ۔

جب اس میں اور ترقی یا مبالغہ مقصود ہوتا ہے تو دونوں کے درمیان "سے" بڑھا دیتے ہیں جیسے بڑے سے بڑا کام اونچے سے اونچا پہاڑ ۔ بھاری سے بھاری بوجھ ۔ اچھے سے اچھا کام ۔ وغیرہ ۔

۶ (ا) سا کا لفظ کبھی صفات کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے اس سے مشابہت پائی جاتی ہے ، مگر ساتھ ہی صفت میں کمی کا بھی اظہار ہوتا ہے جیسے لال سا کپڑا ، کالا سا رنگ ، وہ تو مجھے بیوقوف سا معلوم ہوتا ہے ۔

محبت ہے یا ہے کوئی جی کا روگ
سدا میں تو رہتا ہوں بیمار سا

(ب) یہی حرف بعض اوقات اسم یا ضمیر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور اس سے مل کر صفت کا کام دیتا ہے ، اور اس سے مشابہت ظاہر ہوتی ہے جیسے بادل سا سائبان ۔ مجھ سا گنہگار ، تم سا عقل مند ۔

بعض اوقات یہ حرف اسم اور ضمیر کی اضافی حالت کے ساتھ بھی

آتا ہے اس وقت خود شخص یا شے سے مشابہت ظاہر نہیں ہوتی بلکہ کسی ایسی بات سے مشابہت ہوتی ہے جو اس شخص یا شے میں پائی جاتی ہے جیسے آدمی کی سی بولی۔ ہاتھی کی سی سونڈ۔ گھوڑے کا سا منہ شیر کے سے دانت۔ بکرے کی سی ڈاڑھی

یہاں حرف اضافت کے بعد اسم محذوف سمجھا گیا ہے۔ یعنی آدمی کی بولی سی بولی۔ ہاتھی کی سونڈ) سی سونڈ

(۴) بعض اوقات موصوف محذوف ہوتا ہے۔ جیسے پھول سا نظر آتا ہے، پہاڑ کی چوٹی سی معلوم ہوتی ہے۔ یہاں وہ شے (جسے ہم دیکھ رہے ہیں) محذوف ہے

(۵) جس طرح یہ صفت کے ساتھ آکر اسم کی تعریف کرتا ہے جیسے پہلے بیان ہوچکا ہے (لال سا کپڑا) اسی طرح یہ اسم کے ساتھ آکر صفت کی مشابہت ظاہر کرتا ہے، جیسے پھول سا ہلکا، پتھر سا سخت۔

(۶) اس قسم کی ترکیب میں سے کبھی "سا" کو اڑا کر بہت پاکیزہ مبالغہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ جیسے ہلکا پھول، میٹھا شہد۔ اگرچہ بظاہر اس کی یہ ترکیب ہوگی کہ پھول سا ہلکا یا شہد سے میٹھا، لیکن اس کے معنے بہت ہلکے اور بہت میٹھے کے لئے جاتے ہیں اس قسم کی ترکیبی صفات کی چند مثالیں دی جاتی ہیں۔

ہلکا پھول، میٹھا شہد، لال انگارا، لال بھبوکا، کالا بھجنگ، کھٹا چوک، کھٹا چونا، کڑوا زہر، کڑوا نیم، کڑوا کریلا، سوکھا کنڑنک، پھیکا پانی، موٹا بھینس، لمبا اونٹ، سوکھا کانٹا، دبلا ناق، سدھا تک، سیدھا تیر، سفید جھک، سفید براق، گرام آگ، ٹھنڈا برف، ٹھنڈا اولا، اندھیرا گھپ، نیلا کانچ، میلا چیکٹ، بڈھا پھوس۔

۸۔ سا کا استعمال صفت کی زیادتی کے لئے اس طرح بھی آتا ہے جیسے بہت سا آٹا، بڑا سا گھر، اونچا سا پہاڑ۔

، سا، ان معنوں میں سنسکرت کے لفظ بشش، سے نکلا ہے جس کے معنے گنا کے ہیں (برج بھاشا سو) سا جس کے معنے مشابہت کے ہیں وہ سنسکرت کے لفظ سا (مانند) سے آیا ہے (برج بھاشا، سوں)

۹ ۔ ہر، حرف تخصیص ہے اور ہمیشہ واحد کے ساتھ استعمال ہوتا ہے لیکن 'ایک' اور 'کوئی' کے ساتھ مرکب ہو کر بھی آتا ہے جیسے، ہر ایک آدمی کا یہ کام نہیں ہے، ہر کوئی اسے کرلے یہ دشوار ہے۔

۱۰ ۔ بھر، اگرچہ صفت ہے لیکن کبھی تنہا استعمال نہیں ہوتا بلکہ کسی نہ کسی اسم کے بعد مل کر آتا ہے (یہ بھرنے سے ہے اور اس کے معنے پورے یا تمام کے ہیں)

اسمائے مقدار وغیرہ کے ساتھ۔ جیسے۔ چلو بھر، مٹی بھر، پاؤ بھر، گز بھر، ہاتھ بھر، اسمائے مسافت کے ساتھ، جیسے کوس بھر

اسمائے زماں کے ساتھ جیسے، عمر بھر، دن بھر، سال بھر

اس کے علاوہ، متعدد بھر بھی استعمال ہوتا ہے۔

بعض اوقات، بھر برس، یا بھر نیند سونا، یا بھر نظر دیکھنا بھی بول جاتے ہیں ورنہ یہ لفظ ہمیشہ اسم کے بعد آتا ہے۔

صفات عددی

۱ ۔ قدیم اردو (دکنی) میں ایک کی جمع ایکاں آتی ہے، جس کے معنے کچھ اور بعض کے ہوتے ہیں۔

۲ ۔ کبھی ایک "کسی" کے معنوں میں آتا ہے، جیسے، ایک دن ایسا واقع ہوا۔ ایک شخص نے مجھ سے یہ کہا۔ ایک نے بھی میرا ساتھ نہ دیا۔ ان فقروں میں ایک شمار کے لئے نہیں آیا بلکہ اس کے معنے کسی دن اور شخص کے ہیں۔

۳ ۔ اسی طرح ایک معین اعداد کے ساتھ آکر غیر معین کے معنے دیتا ہے، جیسے،

بیس ایک آدمی بیٹھے تھے۔ یعنی تخمیناً بیس۔ اس کا ذکر صرف میں ہوچکا ہے۔

۴۔ (ہ) جب بہ تکرار آتا ہے تو اس کے معنی فرداً فرداً کے ہوتے ہیں۔ جیسے ایک ایک آؤ۔ ایک ایک دو۔

(ب) ہر ایک کے معنوں میں، جیسے اس نے آپ کا پیغام ایک ایک کو پہنچا دیا قریب قریب انھیں معنوں میں، ایک ایک کرکے بھی استعمال ہوتا ہے۔

(۵) لیکن جب پہلا ایک فاعلی حالت میں ہوتا ہے اور دوسرا مفعولی یا اضافی حالت میں تو وہاں باہم یا ایک دوسرے کے معنی ہوتے ہیں جیسے ایک ایک سے لڑ رہا تھا۔ ایک ایک سے جٹ گیا۔ ایک ایک کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ ایک ایک کا دشمن ہے۔

۶۔ جب ایک ہی جملے کے دونوں فقروں میں آتا ہے تو دوسرے ایک کے معنے دوسرے کے ہوتے ہیں، جیسے ایک کو سائی ایک کو بدھائی۔

ایک سب آگ ایک سب پانی

دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں۔

اور اکثر ایک کے جواب میں دوسرا یا اس پر آتا ہے۔ جیسے، ایک تو بیر توف دوسرے مفلس۔ ایک تو ہیں غم زدہ اس پر آپ کی غفلت غضب ہے کبھی تحسین کلام کے لئے آتا ہے۔ جیسے ایک تمہارا ہی فکر کیا کم ہے۔ ایک درد سا دل میں رہتا ہے

یہ صدا جب کہ کان میں آئی

جان اک میری جان میں آئی

۷۔ کبھی کل یا سارے کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے ایک زمانہ یہی کہتا ہے ایک عالم میں یہی چرچا ہے۔

۸ ۔ کبھی یکساں کے معنی دیتا ہے۔ جیسے ، دو بھائی ہیں ایک ہیں ۔

ایک ہے تیری نگہ میری آہ
کہیں ایسوں سے رہا جاتا ہے (داغ)

۹ ۔ کبھی مبالغے کے لئے ، جیسے ، وہ ایک چھٹا ہوا ہے ۔

۱۰ ۔ کبھی بے نظیر کے معنوں میں جیسے ، سارے خاندان میں ایک ہے ۔ اپنے رنگ میں ایک ہے

۱۱ ۔ کبھی اکیلے اور تنہا کے معنوں میں جیسے ، کیا تمھارے ستانے کو ایک میں ہی رہ گیا ہوں ۔

۱۲ ۔ کبھی ذرا یا ادنیٰ کے معنوں میں آتا ہے ۔ جیسے ۔

اک کھیل ہے اورنگ سلیماں مرے نزدیک
اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے

۱۳ ۔ ایک نہ ایک ، محاورے میں کوئی نہ کوئی کے معنوں میں آتا ہے جیسے آئے دن ایک نہ ایک فکر لگا رہتا ہے ۔ جب کبھی میں وہاں جاتا ہوں وہ ایک نہ ایک فرمائش ضرور کر دیتے ہیں ۔

۱۴ ۔ صرف میں بیان ہو چکا ہے کہ کلیت کے اظہار کے لئے اعداد معین کے آگے دوں ، بڑھا دیتے ہیں ۔ جیسے آٹھوں پہر دو ہی ہتھیار رہتا ہے ۔ دونوں جہان میں بھلا ہوگا ۔

اور جب زور دینا مقصود ہوتا ہے تو عدد حروف اضافت کے ساتھ بہ تکرار استعمال ہوتا ہے ، جیسے آٹھوں کے آٹھوں آ گئے ، دسوں کے دسوں دے دیئے ۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس آخری صورت میں عدد کے ساتھ اسم اکثر محذوف ہوتا ہے ۔

ضمائر

۱۔ ضمیر جنس و تعداد میں اس اسم سے مطابق ہوتی ہے جس کے لیے وہ استعمال کی گئی ہے۔ جیسے میں نے کریم کو ہر چند سمجھایا مگر وہ نہ سمجھا۔ وہ شخص جو کل آپ سے ملا تھا چلا گیا۔

لیکن تعظیم کے موقع پر اگرچہ اسم واحد ہوتا ہے لیکن جو ضمیر کہ اس کی بجائے استعمال ہوتی ہے جمع آتی ہے۔ جیسے آپ کے بلانے پر مولوی صاحب آئے تو سہی مگر انھوں نے اس مسئلے کے متعلق کچھ نہ فرمایا۔ وہ صاحب جنھیں آپ نے بلایا تھا تشریف لائے ہیں۔

۲۔ جب ضمائر شخصی فعل کی فاعل ہوتی ہیں تو بعض اوقات محذوف ہوتی ہیں جیسے کل آؤں گا۔ یہاں ہیں محذوف ہے۔ امر کے ساتھ خصوصاً ضمیر فاعلی ظاہر نہیں کی جاتی۔ جیسے فوراً چلے جاؤ۔

۳۔ جب ایک ہی جملہ میں ایک مفعول سے دوسرا مفعول شخصی ہو یعنی قریب و بعید اور دونوں ضمیریں ہوں تو کو، مفعول شخصی کے ساتھ آئے گا جیسے وہ تو میں آپ کو دوں گا۔

۴۔ مجھ اور تجھ کے ساتھ جب کوئی صفت آتی ہے تو اس کی صورت تو مفعولی ہوتی ہے لیکن وہ فاعلی، مفعولی، اضافی، ظرفی حالتوں میں برابر استعمال ہوتی ہے۔ اور ایسی صورت میں علامات فاعلی و مفعولی و اضافی و ظرفی صفت کے بعد آتی ہیں۔ جیسے، مجھ کم بخت نے کہا تھا۔ مجھ خاکسار کو یہ واقعہ پیش آیا۔ مجھ عاجز سے یہ خطا ہوئی۔ تجھ بدنصیب کی یہ حالت ہے۔ مجھ اور تجھ الگ استعمال نہیں ہوتے۔ مفعولی حالت مجھے اور مجھ کو سے، فاعلی حالت میں یہ استعمال نہیں ہوتے۔

۵ ۔ اسی طرح جب ضمیر شخصی کے بعد 'ہی' آتا ہے تو علامات فاعل و مفعول و اضافی وظروری عموماً 'ہی' کے بعد آتی ہیں جیسے مجھی سے مانگا تھا۔ ہمیں نے دیا تھا۔ اسی کا ہے البتہ علامت فاعلی مستثنیٰ ہے، وہ دونوں طرح استعمال ہوتی ہے۔ مگر واحد متکلم میں 'ہی' ہمیشہ 'نے' کے بعد آتا ہے جیسے میں نے ہی کہا تھا۔

۶ ۔ بعض ضمائر شخصی و دیگر ضمائر کے ساتھ، پاس' کا استعمال بلا اضافت بھی آتا ہے جیسے 'اس پاس۔ مجھ پاس۔ جس پاس، کس پاس۔

جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے (غالبؔ)
کون آتا ہے برے وقت کسی پاس اے داغؔ
لوگ دیوانہ بناتے ہیں کہ وہ آ سنتے ہیں۔

لیکن یہ استعمال اب متروک ہوتا جاتا ہے

۷ ۔ آپ، بجائے ضمیر مخاطب تعظیماً آتا ہے اور کبھی تعظیم کے خیال سے غائب کیلئے استعمال ہوتا ہے جس کا ذکر حصّۂ صرف میں ہو چکا ہے لیکن آپ مخاطب کے لئے آئے یا غائب کے لئے، فعل اس کیلئے ہمیشہ جمع غائب آتا ہے۔ جیسے، آپ تشریف لے چلیں۔ آپ آئے تھے۔ آپ کب جائیں گے

۸ ۔ اپنا ضمیر کے موقع پر جس طرح استعمال ہوتا ہے اس کا ذکر صرف میں ہو چکا ہے۔ علاوہ اس کے وہ بلا تعلق مرجع اور بھی کئی طرح استعمال ہوتا ہے۔

(۱) بعض وقت ضمیر متکلم کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے اپنا اُکو کہیں نہیں گیا۔

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں
ناصحوں سے کلام کون کرے
اپنی ایسوں سے گفتگو ہی نہیں (داغ)

(ب) بعض اوقات صفت کے معنے دیتا ہے۔ جیسے اپنی گرہ سے دینا۔ اپنی نیند سونا اور اپنی بھوک کھانا۔

(ج) جب مکرر آتا ہے تو اس کے معنے ہوتے ہیں ہر ایک کا الگ الگ جیسے اپنا اپنا کمانا اپنا اپنا کھانا۔ اپنا اپنا کام کرو۔ اپنے اپنے گھر جاؤ۔ وہ سب جیسے بچے اُٹھے اور اپنا اپنا کام کرنے لگے۔

(د) کبھی بطور اسم استعمال ہوتا ہے جیسے، اپنا اپنا ہے پرایا پرایا۔ مجھے اپنا پرایا سب ایک ہے جب وہ اپنوں سے یہ سلوک کرتا ہے تو غیروں سے کیا کچھ نہ کرے گا (یہاں اپنے کے معنے عزیز اور رشتہ دار کے ہیں اور ان معنوں میں یہ لفظ عموماً جمع میں استعمال ہوتا ہے) اسی سے اپنایت اسم کیفیت ہے جس کے معنے یگانگت کے ہیں۔

(ہ) کبھی خصوصیت کے لئے جیسے، اپنی گلی میں کتا بھی شیر ہے، دوسرے کاموں سے فرصت ملے تو اپنا کام بھی کروں۔

(و) اس محاورے میں کہ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہے، اسم محذوف ہے اسی طرح ان محاورات میں، اپنی گانا، اپنی کہنا، اسے اپنی پڑی ہے، جب دیکھو وہ اپنی ہی گاتا ہے، اسم محذوف ہے اور اس لئے بجائے اسم سمجھا جائیگا

(ز) کبھی آپ بھی اپنے یا اپنی کے بجائے آتا ہے جیسے آپ بیتی۔ آپ کا ج مہا کاج۔

(ج) آپ سے آپ اور آپ ہی آپ اور آپ سے، خود بہ خود کے معنوں میں آتے ہیں۔

تیغ تو اچھی پڑی تھی گر پڑے ہم آپ سے
دل کو قاتل کے بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

(۱) کبھی آپ کے بجائے آپے کا لفظ بھی محاورے میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے آپے سے باہر ہو جانا، آپے میں آنا۔

۹۔ بعض اوقات ہم تم اور آپ کے ساتھ دوسرے اسم جمع مثل لوگ، صاحب اور حضرات کے استعمال ہوتے ہیں، جیسے ہم لوگ، تم لوگ، آپ صاحب، آپ حضرات وغیرہ۔

۱۰۔ ہی، حرف تخصیص ہے جب وہ ہم، تم اور وہ یہ کے ساتھ آتا ہے تو ان کی صورت وہی، یہی (جمع میں انہیں، ہمیں، تمہیں،) ہو جاتی ہے۔ جیسے، وہی آئے گا تو دوں گا۔ یہ غلطی ہمیں سے ہوئی یہ تمہیں تو تھے۔

۱۱۔ ضمیر کبھی اسم سے پہلے بھی آجاتی ہے مگر یہ اکثر نظم میں ہوتا ہے۔

۱۲۔ یہ بیان ہو چکا ہے کہ "یہ" ضمیر اشارہ قریب کے لئے اور "وہ" بعید کے لیے ہے لیکن بعض اوقات "یہ" کا اشارہ پورے جملے کی طرف ہوتا ہے جو اس کے بعد آتا ہے۔ جیسے۔

یہ میں نے مانا کہ آج خنجر! مرا گلا بھی نہیں رہے گا
مگر میں ظالم کے اے ستمگر! ہمیشہ تو بھی نہیں رہے گا

۱۳۔ یہ اور وہ کبھی "ایسا" کے معنوں میں بطور صفت کے آتے ہیں، جیسے، روشنی کا یہ عالم تھا کہ یہ، اس کے سامنے چاندنی گرد تھی

۱۴۔ حروف ربط کے اثر سے یہ اس سے اور وہ اس سے بدل جاتا ہے جیسے

اُس میں، اِس پر وغیرہ۔

علاوہ حروف ربط کے پاس، جگہ، گھر، طرف، سمت، جانب، رات، دن، مہینا، سال، گھڑی، طرح، قدر، وغیرہ کے ساتھ آنے سے بھی یہی تبدیلی ہو جاتی ہے۔

۱۵ ۔ جمع میں یہ ان اور وہ ان ہو جاتا ہے

۱۶ ۔ کبھی "یوں" بھی ضمیر اشارہ (قریب) کے لیے مستعمل ہوتا ہے

مہندی ملنے کے بہانے ہیں عبث یوں کہیئے
آج اغیار سے پیمان کیے بیٹھے ہیں (داغ)

۱۷ ۔ ضمائر استفہامیہ وہ ہیں "کیا" اشیا کے لیے اور "کون" اشخاص کے لئے ان کا مفصل ذکر صرف میں آ چکا ہے۔ "کیا" حالت فاعلی اور مفعولی میں یکساں طور سے استعمال ہوتا ہے مثلاً تمہیں کیا چاہیئے۔ تم کیا کر رہے ہو۔ لیکن کیا جب تعجب اور حیرت کے لئے آتا ہے تو اشخاص کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے وہ بھی کیا آدمی ہے۔ کیا بیوقوف ہے۔ دیکھیں ان دونوں پر یا تو وہ صفت کا کام دیتا ہے یا تمیز کا۔

۱۸ ۔ استفہام کی مختلف قسمیں ہیں اور وہ مختلف معنوں کا اظہار کرتا ہے مثلاً

(ل) محض استفسار کے لیے۔ جیسے یہ کون ہے؟ یہ کیا ہے؟ اسے استخباری بھی کہتے ہیں جیسے اس شعر کے دوسرے مصرع میں۔

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟
آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟

(ب) انکاری جیسے، یہ تمہارا قصور نہیں تو اور کس کا ہے؟ (یعنی تمہارا ہی ہے) یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

(ج) انکاری جیسے

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی
یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جائینگے کیا؟ (غالب)

کیا انداز چھٹ جائیں گے؟ معنے نہیں چھٹیں گے یا اس شعر کے دوسرے مصرع میں۔

دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائیں گے کیا

(د) تجاہل، یعنے جان بوجھ کر پوچھنا جیسے کسی کو لکھتے ہوئے دیکھ کر پوچھنا کہ کیا کر رہے ہو؟

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے؟
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

یا شاعر ممدوح کے متعلق تجاہل سے سوال پر سوال کرتا ہے حالاں کہ خوب جانتا ہے کہ وہ کون ہے

کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا
ہیں مہ و مہر و زہرہ و بہرام

اور پھر خود ہی اس کا جواب دیتا ہے

تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن — نام شاہنشہ بلند مقام
قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ — مظہر ذوالجلال والا کرم

یا اسی طرح ایک معشوقہ نذر دینے کے لئے سوال پہ سوال کرتا ہے حالاں کہ خود بھی جانتا ہے اور دوسرے بھی جانتے ہیں۔

(ہ) زجر و ملامت کے لئے۔ جیسے اس شعر کے پہلے مصرع میں دل ناداں

تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے ؟
یا ہم بگڑ کر کسی سے کہیں کیا کرتے ہو ؟

(ز) تحقیر و توہین کے لئے جیسے،
ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے ؟
تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے ؟

(ح) حیرت و استعجاب کے لئے جیسے . ایں ! یہ کیا ہوا !
جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

(ح) انکسار کے لئے ، ہم کیا ہیں کوئی کام جو ہم سے ہو گا۔

(ط) نفی کے لئے ۔ جیسے ، میں کیا جانوں ؟

(ی) استغنا کے لئے ۔ جیسے ، اسے لے کر کیا کروں گا ؟

(۱۹) اس کے علاوہ "کیا" بطور صفت بھی آتا ہے جس کا ذکر دوسرے موقع پر کیا جائے گا۔

۲۰ ۔ "کیا کیا" بہ تکرار بھی آتا ہے جس کے معنے کثرت کے ہوتے ہیں جیسے کیا کیا کہوں ؟ کیا کیا لکھوں ؟ کیا کیا سنوں ؟

۲۱ ۔ کون اور کون سا کا فرق پہلے بیان ہو چکا ہے ، کون سا ہمیشہ ایسی جگہ استعمال ہوتا ہے ۔ جہاں کئی میں سے ایک مقصود ہو ، مثلاً کئی کتابیں ہوں اور پوچھیں کون سی چاہیئے ۔

۲۲ ۔ کون اور کیا بعض اوقات تنکیری معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے ، مجھے معلوم نہیں کہ کون آیا اور کون گیا ۔ یہاں استفہامی معنی نہیں ہیں ۔ اسی طرح کچھ معلوم نہیں اس نے مجھے کیا کہا تھا ۔ میں کیوں کر وعدہ کر لوں ۔ خدا

جانے وہ کیا مانگ بیٹھے۔ اسے معلوم نہ تھا کہ اس مکان میں کون رہتا ہے۔

۲۳ ۔ ضمائر تنکیری کچھ اور کوئی ہیں۔ ان کا معمولی استعمال اور فرق کا بیان صرف میں ہو چکا ہے۔

۲۴ ۔ کوئی بطور ضمیر ہمیشہ جان دار کے لئے استعمال ہوتا ہے اور واحد آتا ہے، جمع میں نہیں آتا۔ بعض اوقات، کچھ، جانداروں کے لئے بھی آتا ہے جیسے، وہاں بہت سے لوگ بیٹھے تھے، کچھ یہاں کچھ وہاں۔ یہ استعمال مخصوص ہے اور صرف اس وقت آتا ہے جب مجموعی تعداد ہو۔

۲۵ ۔ ایک ہی جملے کے دو حصوں میں کوئی اور کچھ الگ الگ بطور جواب کے استعمال ہوتے ہیں۔ کرے کوئی بھرے کوئی۔ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔ کوئی مرے کوئی ملہار گائے۔ کچھ ہم سمجھے کچھ تم سمجھے ایسے جملوں میں کوئی اور کچھ کے معنے ایک جگہ ایک اور دوسری جگہ دوسرے کے ہیں۔

۲۶ ۔ کوئی اور کچھ تکرار کے ساتھ قلت کے معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے، کوئی کوئی اب بھی مل جاتا ہے۔ کچھ کچھ باقی ہے۔

۲۷ ۔ کوئی نہ کوئی اور کچھ نہ کچھ بھی قلت کے معنوں میں آتے ہیں اور اس میں زیادہ زور ہوتا ہے، کوئی نہ کوئی اب بھی نظر آ جاتا ہے۔ اچھوں کی صحبت میں کچھ نہ کچھ ضرور حاصل ہوتا ہے۔

۲۸ ۔ کوئی کا استعمال استفہام کے ساتھ روزمرہ میں بڑے لطف سے ہوتا ہے جیسے،

عمر دو روزہ عیش دو روزہ نہیں ہے تو
میں چھوڑتا ہوں کوئی غم جاوداں تجھے (داغ)
کاوش دل زور ہو میرے دل ویراں سے کیا
خار جاتے ہیں کوئی صحرا کا دامن چھوڑ کر

۲۹ ۔ کچھ کا کچھ اور کچھ سے کچھ ایسے موقع پر بولتے ہیں جہاں ایک حالت سے دوسری حالت ہو جائے اور تغیر یا انقلاب پیدا ہو جائے ۔ جیسے، کچھ کا کچھ ہو گیا یا کچھ سے کچھ ہو گیا۔ لیکن بعض اوقات کچھ کا کچھ اصل کے خلاف معنوں میں آتا ہے ، جیسے ، کچھ کا کچھ کہہ دیا یا کچھ کا کچھ سمجھا دیا۔ یہاں بھی وہی معنے تغیر کے ہیں ۔یعنی اصل کے خلاف یا اسے بدل کر کچھ اور کہنا یا سمجھانا۔

۳۰ ۔ کوئی کے بعد بعض اوقات سا بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے، کوئی سا دے دو۔ کوئی سا لے لو۔ یہ عموماً اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کئی میں سے ایک مقصود ہو ۔ یہ استعمال بے جان اور جان دار دونوں کے لئے یکساں ہوتا ہے ۔ بغیر (سا) کے بھی کوئی ان معنوں میں آتا ہے ۔ کوئی دے دو ۔ کوئی بھی دیدو۔

۳۱ ۔ بعض اوقات کچھ، جیسا اور جو ضمائر موصولہ کے ساتھ مل کر بھی آتا ہے اور اس میں زیادہ تر تنکیر پائی جاتی ہے ۔ جیسے، جیسا کچھ ہوگا دیکھا جائے گا اور جو کچھ کہو گے کروں گا۔

۳۲ ۔ اسی طرح کوئی کے ساتھ کیسا مل کر تنکیری معنوں میں اور زور پیدا کر دیتا ہے ۔ جیسے، کوئی کیسا ہی ہو۔ نفی میں زور اور تاکید ہوتی ہے۔ جیسے، کوئی کیسا ہی کیوں نہ ہو۔

۳۳ ۔ جتنا، اتنا، اُتنا، ایسا، ویسا، کیسا جو الفاظ ضمیری ہیں ۔ اور بطور صفت مستعمل ہیں تمیز بھی واقع ہوتے ہیں ۔ لہٰذا ان کا ذکر تمیز فعل میں کیا جائے گا ۔

۳۴ ۔ ضمائر موصولہ ، استفہامیہ ، تنکیری ، جب بتکرار آتی ہیں تو معنے کثرت کے دیتی ہیں مگر ان معنوں کا اطلاق کل پر فرداً فرداً ہوتا ہے، سوائے ضمائر تنکیری کے کہ جو قلت کے معنی دیتی ہیں۔ جیسے، اس نے جو جو کہا میں نے مان لیا ، جس جس کے پاس گیا ، اس نے یہی جواب دیا۔ جن جن سے تعلق تھا ، کون کون آئے ہیں؟

کس کس سے کہوں ؛ کس کس کے پاس جاؤں ؛ کیا کیا کہا ؛ کوئی کوئی اب بھی ہے۔ کچھ کچھ اب بھی نظر آجاتے ہیں

۳۵ ۔ ضمائر موصولہ ، استفہامیہ اور تنکیری جب اسما کے ساتھ آتی ہیں تو صفت کا کام دیتی ہیں۔ جیسے ، جو شخص آئے فوراً میرے پاس بھیج دو۔ جس شخص کو کہو بھیج دوں ۔ جن لوگوں نے ایسا کہا غلطی کی۔ یہ کون آدمی ہے ؟ یہ کس شخص کی ملک ہے؟ کیا چیز چاہیئے ؛ کوئی آدمی کام کا نہیں تھا۔

کچھ لوگ وہاں بیٹھے ، جون سا (جون سی ، جون سے) اور کون سا (کون سی ، کون سے) بھی بطور صفت استعمال ہوتے ہیں ، جون سی کتاب کہو دلوا دوں کون سے کام پر جاتے ہو۔ آج کون سی تاریخ ہے ۔

ضمائر شخصی کبھی کبھی صفت کا کام دیتی ہیں خصوصاً جب " ہی کے ساتھ مل کر آتی ہیں۔ جیسے ، یہ وہی شخص ہے ۔ یہی بات میں نے کہی تھی ۔

کوئی نہ کوئی اور کچھ نہ کچھ بھی کبھی بطور صفت استعمال ہوتے ہیں ۔ جیسے کچھ نہ کچھ کام ضرور کرتے رہا کرو ۔ روز کوئی نہ کوئی مہمان آجاتا ہے ۔

فعل

فعل زبان کی جان ہے اور جملے کے بنانے میں بہت کارآمد ہوتا ہے تقریباً ہر جملے میں فعل آتا ہے اور ایسی صورتیں شاذ ہوتی ہیں جہاں جملہ بغیر فعل کے پورا ہوتا ہے۔ البتہ کہاوتوں اور نظم میں یا اخبارات اور مضامین کے عنوانات میں جملے بغیر فعل کے بھی آتے ہیں جیسے، کہاں راجا بھوج کہاں گنگا تیلی، رنا گھر تیرا نہ گھر میرا چڑیا رین بسیرا دے، وغیرہ وغیرہ۔

مصدر اور حالیہ کا شمار بھی افعال میں ہے لیکن یہ تکمیل فعل کا کام نہیں دیتے، مصدر اکثر اسم کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور حالیہ بطور صفت۔

مصدر کے استعمال مختلف ہیں جن کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

۱۔ اکثر بطور اسم، کہ جس کی تفصیل یہ ہے۔

(ل) فاعل۔ جیسے؛ کھیلنا ناگوار نہیں گزرتا پڑھنا ناگوار ہوتا ہے

(ب) مفعول جیسے وہ کھیلنا پسند کرتا ہے

(ج) ضرورت اور مجبوری کے معنوں میں جیسے، ہم سب کو ایک روز مرنا ہے۔ انھیں معنوں اور ایسی فاعلی حالت میں پڑنا کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، آخر مجھے وہاں جانا پڑا۔

دل اب صحبت سے کوسوں بھاگتا ہے
ہئیں یاروں سے شرمانا پڑے گا   حالی

بعض اوقات اسی طرح مجبوری کے معنوں میں مصدر کے ساتھ ہوگا"
کا استعمال ہوتا ہے جیسے انھیں جانا ہوگا۔ اسے کھانا ہوگا۔

کیوں کر اب نگہ ناز سے جینا ہوگا
زہر نے اس پہ یہ تاکید کہ پینا ہوگا

(ج) حرف اضافت "کا" کے ساتھ نفی کی صورت میں مستقبل کے معنی دیتا ہے اور اس میں عزم اور یقین پایا جاتا ہے۔ جیسے، میں نہیں جانے کا۔

یہ "کا" مونث میں کی اور جمع میں کے ہو جاتا ہے

(د) "کو" کے ساتھ جب کہ فعل ہے، ہیں، تھا یا تھے ہوں، ایسے کام کو ظاہر کرتا ہے جو فوراً ہونے والا ہے جیسے، وہ جانے کو ہے ہم کچھ کہنے کو تھے۔

(ہ) بعض اوقات ایک فعل کا دوسرے فعل کے ساتھ ایک ہی وقت میں واقع ہونا ظاہر کرتا ہے جیسے، اس کا نظر بھر دیکھنا تھا کہ وہ غش کھا کر گر پڑا۔ اس کا چوکی پر پاؤں دھرنا تھا کہ تختہ نکل گیا۔

(۲) امر کے معنوں میں بھی آتا ہے اور معمولی امر اس میں کسی قدر زور اور تاکید پائی جاتی ہے۔ جیسے، دیکھو بھول نہ جانا، کل ضرور آنا۔ (یہ استعمال یا تو بے تکلفی کے موقع پر ہوتا ہے یا اہل زمین وغیرہ کے ساتھ بڑوں یا برابر والوں کے ساتھ کبھی استعمال نہیں ہوتا)

(۳) مصدر کی تذکیر و تانیث اس اسم کے لحاظ سے ہوتی ہے جس سے اس کا تعلق ہے، جیسے،

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی

بات کرنی اور بات کرنا دونوں درست ہیں ۔ اہل لکھنؤ اکثر مذکر ہی لکھنا بولنا پسند کرتے ہیں ۔

لیکن جب اسم اور مصدر کے درمیان 'کا' واقع ہوتا ہے تو مصدر ہمیشہ مذکر ہوگا ۔ جیسے خط کا لکھنا، ہل کا چلانا، نظم کا پڑھنا وغیرہ

۴ ۔ بعض اوقات جب مصدر کے بعد کوئی حرف ربط آجاتا ہے تو علامت مصدر حذف ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ یائے مجہول لے لیتی ہے ۔ جیسے

اس کے آئے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق

یعنے اُس کے آنے سے ۔ اس کے کہے سے کیا ہوتا ہے ۔ یعنی اس کے کہنے سے ان کے بہکائے میں آگیا ۔ یعنی بہکانے میں ۔

حالیہ

۱ ۔ حالیہ کی تین قسمیں ہیں ۔ ایک تمام دوسری ناتمام تیسری حالیہ معطوفہ ۔

تمام سے فعل کا ختم ہونا پایا جاتا ہے ۔ جیسے، مرا ہوا جانور ۔ ناتمام میں فعل ختم نہیں ہوتا جیسے، روتی ہوئی عورت ۔ بہتا ہوا پانی ۔

۲ ۔ بلحاظ استعمال کے بھی اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں ۔ ایک تو بطور صفت دوسری بطور خبر ۔ صفت کی مثالیں اُوپر لکھی گئی ہیں ۔ بعض اوقات (ہوا) محذوف بھی ہوتا ہے ۔ جیسے، اجڑا گاؤں ، روتی عورت وغیرہ ۔

۳ ۔ اب ہم دوسری قسم کا ذکر کرتے ہیں جو بطور خبر کے استعمال ہوتی ہے یہ بھی صفت ہے ، لیکن اسم کے ساتھ ساتھ نہیں آتی ۔ جیسے وہ ہنستا ہوا آیا ۔ میں نے اُسے مرا ہوا پایا ۔

جملے میں استعمال کے وقت اس کی صورت میں جو تبدیلیاں واقع ہوتی

اس کی تفصیل یہ ہے ۔

(۱) جب اصل فعل لازم یا متعدی بطور مجہول ہو تو حالیہ جنس و تعداد میں فاعل کے مطابق ہوگا۔ جیسے، وہ اکڑتا ہوا چلا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئی۔ وہ روتے ہوئے آئے، وہ دوڑتی ہوئی پکڑی گئی۔ وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔ وہ لٹا ہوا آیا۔ وہ لٹی ہوئی آئی۔

(ب) اگر اصل فعل متعدی طور پر معروف میں ہے تو حالیہ ناتمام یائے مجہول کے ساتھ آئے گا، خواہ تعداد جنس کچھ بھی ہو، جیسے، ہم نے اُسے ناچتے ہوئے دیکھا۔ اس نے ہمیں کھیلتے ہوئے پکڑا۔ میں نے رحیمن کو روتے ہوا پکڑا۔ لیکن حالیہ ناتمام جب کہ اس کا تعلق اشیا سے ہو جنس و تعداد کے مطابق ہوتا ہے۔ جیسے، میں نے رسّی جلی ہوئی دیکھی میں نے کپڑا دھویا ہوا دیکھا، مگر اشخاص کی حالت میں یائے مجہول یا الف کے ساتھ آئے گا۔ جیسے، میں نے رحیمن کو سوتے ہوئے یا سویا ہوا دیکھا تھا میں نے ان کو سویا ہوا پایا۔

(ج) اگر وہ فعل جس سے حالیہ بنا ہے، متعدی ہے اور اس کے ساتھ کوئی اسم مفعول کی حالت میں ہے تو حالیہ تمام بلا لحاظ جنس و تعداد یائے مجہول کے ساتھ آئے گا۔ جیسے ملکہ سر پکڑے کھڑی ہے۔ وہ سر جھکائے ہوئے آیا۔ لٹھ لئے چلا آرہا ہے۔

(د) جب حالیہ دُہرایا جائے یا اس کا تابع دوسرا حالیہ اس کے ساتھ آئے تو فعل لازم کی صورت میں الف اور ی دونوں کے ساتھ آسکتا ہے (ے کے ساتھ زیادہ فصیح ہے)، مگر فعل متعدی کے ساتھ بغیر تبدیلی صرف ے کے ساتھ آئے گا جیسے وہ ڈرتے ڈرتے یہاں آیا دیا

ڈرتا ڈرتا یہاں آیا یا ڈرتی ڈرتی آئی) میں کہتے کہتے بیزار ہو گیا یا ہو گئی) وہ پڑے پڑے بیمار ہو گیا (یا پڑا پڑا بیمار ہو گیا)۔ وہ لڑتے جھگڑتے یہاں تک پہنچ گیا (یا وہ لڑتا جھگڑتا یہاں تک پہنچ گیا یا وہ لڑتی جھگڑتی یہاں تک پہنچ گئی) وہ بیٹھے بیٹھے بے کار ہو گیا (یا وہ بیٹھا بیٹھا بے کار ہو گیا) اس نے بیٹھے بٹھائے مجھے بدنام کر دیا۔ اس نے لکھتے لکھتے کاغذ پھینک دیا۔

دن گزارے عمر کے انسان ہنستے بولتے

تکرار حالیہ سے فعل کی کثرت ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے پڑے پڑے بیمار ہو گیا یعنی زیادہ تر پڑے رہنے سے، کہتے کہتے بے زار ہو گیا، یعنی بار بار کہنے سے کبھی بتدریج کے معنی بھی دیتا ہے۔ جیسے "کر آتی ہے اردو زبان آتے آتے"۔ یا جیسے سیکھتے سیکھتے ہی سیکھے گا۔"

کوئی دن طبیعت کو ہو گا قلق
سنبھلتے سنبھلتے سنبھل جائے گا

بعض اوقات اس قسم کا حالیہ بغیر اسم کے آتا ہے۔ جیسے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ چلاتے چلاتے گلا بیٹھ گیا یہاں ہنستے ہنستے اور روتے روتے تمیز فعل ہیں۔

(ح) بعض اوقات حالیہ مطلقاً استعمال ہوتا ہے یعنی اصل فعل کا فاعل ایک اسم ہوتا ہے اور حالیہ کا دوسرا اور گو دونوں اسم ایک جملے میں ہوتے ہیں مگر بلحاظ فعل ایک دوسرے سے تعلق نہیں رکھتے۔ جیسے، صبح ہوتے چل دیا۔ رات گھر آیا دن نکلتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ دن چڑھے اٹھا۔ اس قسم کے حالیہ مع اپنے اسم کے تمیز فعل (یا متعلق فعل) ہوتے ہیں۔

۴ ۔ بعض اوقات حالیہ بالکل بطور اسم کے استعمال ہوتا ہے جیسے سوتے کو جگانا آسان ہے مگر جاگتے کو جگانا مشکل ہے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہے اپنے کئے کی سزا پائی ۔ میرا کہا نہ مانا۔ آزمائے ہوئے کو کیا آزمانا۔ وہ بلے کہے چل دیا ۔ اُسے سوتے سے کیوں جگایا ۔ وغیرہ وغیرہ

۵ ۔ بعض اوقات حالیہ بطور تمیز فعل کے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے ساری رات جاگتے ہی جاگتے کٹی ۔ وہ سنتے ہی چل دیا ۔ اس کا ذکر تمیز فعل میں کیا جائے گا۔

۶ اس جگہ حالیہ کے استعمال میں ایک نازک فرق بیان کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ میں نے اُسے تیرتے دیکھا ۔ تو اس کے کیا معنے ہیں ؟ آیا جس وقت میں تیر رہا تھا۔ میں نے اسے دیکھا یا میں نے اس حالت میں دیکھا جب وہ تیر رہا تھا، عام بول چال میں اس قسم کے فقروں میں کچھ فرق نہیں کیا جاتا اور حسب موقع کوئی ایک معنے لے لیے جاتے ہیں۔ ہماری رائے میں اس میں یوں فرق کرنا چاہیئے کہ جب حالیہ فاعل کے متصل ہو تو فاعل کے متعلق سمجھا جائے اور مفعول سے متصل ہو تو مفعول کے متعلق۔ مثلاً جب ہم یہ کہیں کہ "میں نے تیرتے ہوئے اُسے دیکھا" تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جب میں نے اسے دیکھا تو میں تیر رہا تھا اور جب یہ کہیں کہ "میں نے اُسے تیرتے ہوئے دیکھا" اس کے یہ معنی ہوں گے کہ جب میں نے اُسے دیکھا تو وہ تیر رہا تھا۔ اسی طرح سے میں نے آتے اُسے دیکھا اور میں نے آتے ہوئے دیکھا وغیرہ وغیرہ

حالیہ معطوفہ

اُردو میں حالیہ معطوفہ کا استعمال بکثرت ہوتا ہے۔ اس کا تعلق ہمیشہ جملے

کے اصل فعل سے ہوتا ہے۔ چوں کہ اس میں حرف عطف کا بچاؤ ہے اور حرف عطف کے معنی اس میں شریک ہوتے ہیں اس لئے حالیہ معطوفہ کہلاتا ہے۔

(۱) یہ ہمیشہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ جملے کے اصل فعل سے جس کام کا اظہار ہوتا ہے اس سے پہلے ایک کام ہوچکا ہے۔ مادۂ فعل کے ساتھ کر یا کے، کے زیادہ کرنے سے بنتا ہے۔ جیسے، وہ نہا کر سوگیا۔ کان دھر کر سنو وغیرہ۔
ایسے جملوں میں دو فعل ہوتے ہیں ایک تقدیمی، دوسرا خاص۔

(۲) ان جملوں کے اگر دو حصے کئے جائیں تو اس میں اکثر حرف عطف واقع ہوگا۔ مثلاً وہ نہا کر سوگیا یعنی وہ نہایا اور سوگیا، مگر ایسی صورتوں میں فعل معطوف کا استعمال زیادہ فصیح ہے کیونکہ پہلا فعل دوسرے فعل کا مقدمہ ہے۔ لیکن ہر ایسے جملے کے جس میں فعل معطوفہ ہوتا ہے دو حصے نہیں ہو سکتے، کیوں کہ بعض اوقات تقدیمی بطور تمیز کے آتا ہے، جیسے، کان دھر کے سنو۔ جہاں ہر دو فعل ایک رتبے کے اور آزادانہ حیثیت رکھتے ہوں، وہاں حرف عطف لانا ضروری اور فصیح ہے۔ جیسے

خیر کفارہ عصیاں ہے پیو اور پلاؤ

ایسے موقع پر کبھی حرف عطف حذف ہوجاتا ہے۔ جیسے، وہ لکھتا پڑھتا ہے۔ بعض اوقات محاورے میں کر، یا کے، بھی حذف ہوجاتا ہے جیسے وہ اسے بُلا لایا۔ برج بھاشا میں بلا ے لایا کہیں گے (یہاں ے بجلنے کے یا کر کے آیا ہے) اسے بھاگتے دیکھ وہ بھی بھاگ گیا۔

(۳) کبھی فعل تقدیمی سے فعل خاص کا سبب ظاہر ہوتا ہے جیسے، پولیس سے ڈر کر بھاگ گیا، شہر کوجاتے دیکھ کر بھاگ نکلا۔ لڑ کر چلا گیا۔

(۴) کبھی ذریعہ ظاہر کرتا ہے، جیسے دیکھ کر فریفتہ ہوگیا۔ درود پڑھ کر پاک

کردیا۔

کچھ کہہ کے اس نے پھر مجھے دیوانہ کردیا
اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کردیا

(۵) کبھی اعتراف یا فرضی صورت ظاہر کرتا ہے، لیکن یہ عموماً "ہوکر" کی صورت میں آتا ہے۔ جیسے، شرم نہیں آتی۔ ایسے بڑے سورما ہوکر عورت ذات پر ہاتھ اٹھاتے ہو۔ بڑے بوڑھے ہوکر بچوں کی سی باتیں کرتے ہو۔

(۶) "راہ سے"، کے معنوں میں۔ جیسے، یہ نالی چوک سے ہوکر گئی ہے۔ میں لکھنؤ سے ہوکر دہلی جاؤں گا (یہ استعمال بھی عموماً "ہوکر" کے ساتھ ہوتا ہے)

(۷) محاورے میں اعداد کے ساتھ یہ استعمال صرف "کر کے" سے مخصوص ہے ایک ایک کر کے آؤ، چار کر کے گنو (ایسی صورت میں اعداد تکرار کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔

(۸) بعض اوقات صفت کے معنوں میں آتا ہے، جیسے، یہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔
کبھی تمیز کا کام دیتا ہے۔ جیسے، وہ مقام اس سے آگے بڑھ کر ہے۔ یعنی اور آگے ہے۔

(۹) یہاں اس امر کا بیان کرنا ضروری ہے کہ بعض اوقات حالیہ ناتمام اور حالیہ معطوفہ کے معنوں میں ذرا ذرا سا فرق ہوتا ہے۔ جو قابل لحاظ ہے۔ جیسے
۱۔ وہ گھر میں سے شراب پیے (یا پیے ہوئے) نکلا
۲۔ وہ گھر میں سے شراب پیتا (یا پیتا ہوا) نکلا
۳۔ وہ گھر میں سے شراب پی کر نکلا۔
پہلے جملے کے یہ معنی ہیں کہ جس وقت وہ گھر سے باہر آیا تو وہ حالت نشہ

میں تھا۔

دوسرے جملے کے یہ معنی ہیں کہ شراب گھر میں پینی شروع کی اور باہر آتے وقت بھی پی رہا تھا۔

تیسرے جملے کے یہ معنی ہیں کہ پہلے اس نے گھر میں شراب پی اور اس کے بعد باہر نکلا۔

(۱۰) اسی طرح ان جملوں میں بھی باریک فرق ہے

۱۔ جاکر کہو۔ ۲۔ کہہ کر آؤ۔

۱۔ وہ لاہور ہو کر آیا ہے یعنی لاہور گیا اور واپس آیا۔

۲۔ وہ لاہور سے ہوتا (ہوا) آیا ہے۔ یعنی کسی اور جگہ سے آیا اور لاہور ٹھہر کر آیا ہے۔

(۱۱) عموماً حالیہ معطوفہ کا تعلق فاعل سے ہوتا ہے اور بطور صفت کے آتا ہے لیکن بعض اوقات تمیز فعل بھی ہوتا ہے، جس کا ذکر مع استعمال کے تمیز کے بیان میں آئے گا۔

(۱۲) کر اور کے حالیہ معطوفہ کے لئے جدید فصیح ہندی اور اردو دونوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ قدیم ہندی میں ان کا استعمال نہیں ہوا، وہاں صرف مادہ فعل یہ کام دیتا تھا جس کا استعمال اب بھی باقی ہے جیسے "وہ یہ بھاگ نکلا"۔ نظم میں یہ استعمال اب بھی ہے۔

دیکھ عادت کا تسلط میں نے عادت سی کہا

ان دونوں میں (یعنی کر اور کے میں) کچھ فرق نہیں ہے اب رہا یہ امر کہ کہاں استعمال کرنا چاہیے اور کے کہاں، اس کا انحصار حسن صوت یا حسن سماعت پر ہے۔

اسم فاعل

یہ وہ اسم ہے جو فعل سے بنتا ہے اور اس کے معنے کام کرنے والے کے ہوتے ہیں۔

عموماً مصدر کے بعد والا یا ہار (ہارا) بڑھانے سے بنتا ہے۔ والا کے ساتھ ہمیشہ مصدر کا الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے۔ ہار کے ساتھ مصدر کے الف گر جاتا ہے۔ جیسے مرنے والا۔ ڈرنے والا۔ جانے والا۔ مگر مؤنث میں اس کا الف یائے معروف سے بدل جاتا ہے۔ جیسے مرنے والی وغیرہ

چلن ہار، ہون ہار۔

پنہارا (مذکر) پنہاری (مؤنث) اسی طرح پنھیارا، پنھیاری

بعض اوقات صرف اسم کے ساتھ والا آتا ہے اور فعل محذوف ہوتا ہے جیسے محبت والا۔ دولت والا۔ یعنی محبت کرنے والا اور دولت رکھنے والا۔

عموماً یہ ایسے اسم کے ساتھ آتا ہے جو اضافی یا مفعولی حالت میں ہوتا ہے جیسے دلوں کا پھیرنے والا۔ اپنے پرائے کا غم کھانے والا۔ رحم کرنے والا وغیرہ

کبھی یہ صورت زمانہ مستقبل کے ظاہر کرنے کے لئے بھی آتی ہے۔ جیسے وہ آئندہ سال ولایت جانے والا ہے۔ میں بھی جانے والا ہوں۔

کبھی زمانہ ماضی کے ساتھ مستقبل کے ذکر کے لئے بھی آتا ہے۔ جیسے میں تمہیں خط لکھنے والا ہی تھا کہ اتنے میں تم آ گئے

زمانہ

یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تین ہیں۔ گزشتہ جسے ماضی کہتے ہیں، موجودہ جو حال کہلاتا ہے آئندہ جس کا نام مستقبل ہے۔ ہر فعل کے لئے ضروری ہے کہ ان تینوں میں سے کسی ایک زمانے میں واقع ہو۔ لیکن بہ لحاظ معانی و تکوین فعل

کی تین حالتیں ہوں گی۔

(۱) کام جو ابھی شروع نہیں ہوا یعنے مستقبل

(۲) کام جو شروع تو ہوا لیکن ختم نہیں ہوا۔ یعنی افعال ناتمام۔

(۳) کام جو ختم ہو چکا یعنی افعال تمام

اس تقسیم کے لحاظ سے ایک قواعد نویس جو فلسفی دماغ رکھتا ہے مضارع اور امر کو شق اول یعنے مستقبل کے تحت میں رکھے گا۔ کیوں کہ ان دونوں میں فعل زمانہ حال میں شروع نہیں ہوتا بلکہ زمانۂ آئندہ میں ہوتا ہے۔ لیکن جب زبان کی ساخت اور نشو و نما پر نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ فعل کی دو بلکہ تین قسمیں ہیں۔ اول سادہ، دوم وہ جو محض حالیہ سے بنتے ہیں یا حالیہ کے ساتھ کسی قدیم فعل کا کوئی جز لگا ہوتا ہے جو مل کر جز و فعل ہو جاتا ہے۔ سوم مرکب افعال۔

مضارع

یہ تقسیم زیادہ صحیح اور نیچرل ہے اور اس لحاظ سے سادہ افعال میں سب سے پہلا نمبر سنسکرت کے قدیم فعل حال کا ہے جس میں اب تک اصل کی جھلک پائی جاتی ہے۔ موجودہ حالت میں وہ صریح طور سے حال کے معنے نہیں دیتا بلکہ اس کے معنوں میں کئی قسم کا ابہام پایا جاتا ہے، اور خاص کر زمانۂ مستقبل شرطیہ کے لئے مخصوص ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم نے اسے عربی نام مضارع دیا ہے، اور ان معنوں کے لحاظ سے زیادہ موزوں ہے قدیم ہندی میں نہ صرف شرط و استقبال بلکہ حال کے معنی دیتا ہے جو ہندی ضرب الامثال اور بے تکلف بول چال کے فقروں سے صاف ہے۔ یہ حال ہی سے تعلق رکھتا ہے اسی لئے ہم نے سادہ افعال میں اسے سب سے اول رکھا ہے اب ہم اس کے مختلف استعمالوں کا ذکر کریں گے

مضارع کا استعمال دو قسم کا ہے ایک تو شرطیہ اور احتمالی جو اکثر مستقبل کے معنی دیتا ہے اور دوسرا خبریہ۔

۱۔ معروف امثال اور روزمرہ کے فقروں میں عموماً حال کے معنے دیتا ہے، جیسے، کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ کرے مونچھوں والا پکڑا جائے داڑھی والا۔ کچھ ہم سمجھے کچھ تم سمجھے۔ خدا جانے کیا ہوا کیا جانے کیا ہے
یہ استعمال مضارع کا اصل استعمال ہے۔

۲۔ امکان۔ جیسے، کوئی پوچھے کہ آپ کو اس سے کیا غرض

۳۔ اجازت۔ جیسے آپ فرمائیں تو آؤں۔ اجازت ہو تو عرض کروں۔ کیا وہ جائے۔

۴۔ اگر شرط اور جزا دونوں کے جملوں میں شک، امکان یا ابہام پایا جائے تو مضارع دونوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے، مینھ برسے تو کھیتی ہری ہو۔ وہ آئے تو میں جاؤں۔ اگر وہ فرمائیں تو ڈھونڈھ نکالوں۔

ہم پکاریں اور کھلے، یوں کون جائے
یار کا دروازہ گر پائیں کھلا

بعض اوقات جب احتمال یا امکان صرف جملہ شرط میں ہوتا ہے تو مضارع شرط کے ساتھ آتا ہے اور جزا میں فعل مستقبل یا حال ہوتا ہے اگر وہ نہ آئے تو میں چلا جاتا ہوں (یا چلا جاؤں)۔ اگر مل جائے تو بڑی بات ہے۔ اگر وہ یہ قبول کرے تو میرا ہزاروں کا فائدہ ہو جائے گا۔

۵۔ جب جملہ تابع کاف بیانیہ، بشرطیکہ، شاید وغیرہ کے ساتھ شروع ہوتا اور مقصد یا غرض وغایت، نتیجہ، ارادہ، خواہش، ضرورت، مشورہ، حکم وغیرہ ظاہر کرتا ہے یا کبھی چاہیے اور لازم ہے وغیرہ کے ساتھ آکر

ان معنوں کا اظہار کرے تو اس میں اکثر مضارع استعمال کیا جاتا ہے۔
جیسے، میں نے کہا کہ وہ نہ آئے تو بہتر ہے، میں نے ارادہ کیا کہ اُٹھائے
پاس آؤں۔ مناسب یہ ہے کہ وہاں نہ جائے۔ بادشاہ کو چاہیے کہ رعایا
سے ایسا برا برتاؤ نہ کرے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں گر نہ پڑے۔ میں اس
پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔ بشرطیکہ اس میں جھوٹ نہ ہو۔ شاید اس کا
کہا سچ نکلے۔ بہتر تو یہ ہے کہ ہم سب ساتھ چلیں۔ میں نے یہ اس
غرض سے کہا کہ اس کا شبہ جاتا رہے۔

٦۔ دعا یا تمنا کے لیے، جیسے خدا تجھے برکت دے۔ عمر دراز ہو۔ عمر و اقبال
بڑھے۔ خدا کرے کہ وہ کامیاب ہو جائے۔ جو ایسا کرے وہ نہیں
پیٹے یا ہمارا حلوا کھائے۔

۷۔ شبہے اور اضطراب کے لئے جیسے کیا کروں کیا نہ کروں، کہوں یا
نہ کہوں۔

ہائے میں کیا کروں کہاں جاؤں
یہ خط کسے دوں

۸۔ کبھی مستقبل کا ایسا زمانہ ظاہر کرتا ہے جو غیر محدود ہوتا ہے جیسے
جب بلائیں تب آنا۔ جب کہیں تو لانا۔

۹۔ تعجب اور افسوس کے لئے۔ جیسے

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

افسوس وہ اتنی دور آئے اور ناکام واپس چلا جائے۔ وہ اور ایسا کرے۔
میں اور شراب پیوں۔

یوں پھریں اہل کمال آشفتہ حال افسوس ہے
اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

(۱۰) تشبیہ و مقابلہ کے لئے، جب کہ وہ تشبیہ حقیقی نہ ہو بلکہ احتمالی یا فرضی ہو جیسے اس نے اپنے حریف کو اس طرح پھینک دیا جیسے کوئی تنکا توڑ موڑ کے پھینک دے، وہ اس طرح وحشت زدہ کھڑا تھا جیسے کوئی بھرے مجمع میں ہرن کو کھڑا کر دے۔

(۱۱) اظہار توقع کے لئے جیسے، اگر آپ آئیں تو عین عنایت ہوگی۔ آپ کل تک آ جائیں تو میں بھی ہمراہ ہو لوں۔ وہ آئے تو میں بھی ساتھ چلوں۔

(۱۲) کیسا، کتنا وغیرہ الفاظ (تمیز) کے ساتھ جب کہ یہ الفاظ تاکیدی معنوں میں ہوں۔ ایسی صورت میں جملہ اکثر منفی ہوتا ہے۔ جیسے، کوئی کتنا ہی شور مچائے اسے خبر بھی نہیں ہوتی۔ کوئی کیسی عقلمندی کرے وہ خاطر ہی میں نہیں آتا۔ آپ ہزار کہیں وہ سنتا ہی نہیں۔

۱۳۔ ایک صورت اپنی حالت کے اعتراف کی ہے جیسے، نہ میں شعر کہوں نہ شاعر کہلاؤں۔ نہ مجھے نوکری کی خواہش ہو نہ خوشامدی کہلاؤں۔ نہ وہ آئیں اور نہ میں ان سے اظہار مطلب کر سکوں۔

۱۴۔ مضارع کا ایک اور استعمال ہے، جس میں ایک قسم کا مشورہ اپنے دل سے ہوتا ہے۔

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو

۱۵۔ چاہیئے بھی مضارع ہے جس کے معنے مناسب ہے یا لازم ہے کے ہیں اس میں کبھی اخلاقی فرض کے ادا کرنے کی تاکید ہوتی ہے۔ جیسے، ہمیں

اس سے ملنا چاہیے۔ ان سے ادب کے ساتھ پیش آنا چاہیے وغیرہ

امر

مضارع کے بعد دوسرا فعل جو دراصل مادۂ فعل ہے وہ امر ہے، اور یوں بھی مضارع سے بہت مشابہ ہے۔ کیونکہ سوائے حاضر کے صیغوں کے باقی تمام صیغے وہی ہیں جو مضارع کے ہیں۔

۱۔ حکم اور ممانعت کے لئے عام طور پر استعمال ہوتا ہے

۲۔ امتناعی صورت میں امر کے ساتھ نہ اور مت آتا ہے۔ نہ میں نفی اور کبھی امتناع بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن مت سے ہمیشہ نہی یا امتناع تاکیدی ظاہر ہوتا ہے یہ لفظ خاص اسی لئے مخصوص ہے اور اس میں نہ سے زیادہ زور ہوتا ہے "نہیں" یوں تو امر کے ساتھ استعمال نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھی آخر میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ڈرو نہیں۔ گھبراؤ نہیں۔

۳۔ غائب اور متکلم کے صیغے صرف مشورے اور اجازت کے لئے آتے ہیں۔ جیسے ہم جائیں اور وہ جائے۔ اور یہ حالت مضارع کی ہے۔ جیسے خدایں بھی تو سنوں۔ کوئی میرے پاس نہ آئے۔ وہ اپنی بات پر قائم رہے

۴۔ ادب اور تعظیم کے لحاظ سے امر کی کئی صورتیں ہیں

علاوہ معمولی صورت کے ایک یہ ہے جاؤ، آؤ۔ مگر یہ صورت معمولی درجے کے لوگوں یا خدمت گاروں وغیرہ سے گفتگو کرنے میں استعمال کی جاتی ہے البتہ ہو جیو، رہیو وغیرہ دعا کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے دولت و اقبال میں ترقی ہو جیو۔ مگر اس کا استعمال بھی اب کم ہوتا جاتا ہے

دوسری صورت ہے آئیے، جائیے، لائیے۔ یہ ادب اور تعظیم کے لئے بڑے لوگوں سے گفتگو کرتے وقت استعمال ہوتی ہے۔

بظاہر یہی صورت بعض اوقات خصوصاً نظم میں مضارع کے لئے استعمال ہوتی ہے، اسے امر نہ سمجھا جائے۔ جیسے، رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو۔

حاضر کے ساتھ غائب کا صیغہ استعمال کرنے سے کبھی تعظیم کا پہلو نکلتا ہے جیسے، آپ جائیں۔ آپ فرمائیں۔

۵۔ حالیۂ ناتمام کے بعد (رہ)، کے آنے سے امر مدامی کی صورت پیدا ہوتی ہے، یعنی اس میں فعل کے ہمیشہ جاری رہنے کے معنے ہوتے ہیں۔ جیسے جیتا رہ۔ کھاتا رہ۔ پھولتا پھلتا رہ۔

۶۔ امر کے بعد کبھی نہ آتا ہے۔ جس میں نفی کے معنی نہیں ہوتے بلکہ بخلاف اس کے اثبات میں اور تاکید ہوتی ہے۔ آؤ نہ ہم بھی چلیں۔ بیٹھو نہ۔

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

کبھی ،تو، بھی انھیں تاکیدی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے سنو تو، بیٹھو تو وغیرہ۔

مستقبل

۱۔ مستقبل مطلق میں زمانہ آئندہ کا علم تحقیقی ہوتا ہے یا ایسا سمجھ لیا جاتا ہے حالانکہ مضارع میں احتمالی یا شرطی ہوتا ہے اور امر میں امکانی

۲۔ تمھیں کچھ ایسا آدمی نہیں ملے گا۔ جہاں جاؤ گے میں تمھارے ساتھ ہوں گا۔ یہ مثالیں ایسی ہیں جن میں تحقیقی اور یقینی طور پر ایک امر کا بیان کیا گیا ہے مگر بعض اوقات صرف ایسا سمجھ لیا جاتا ہے گو حقیقت میں نہ ہو مثلاً اگر میں نے وعدہ پورا نہ کیا تو لوگ کیا کہیں گے؟ وہ نہ آیا تو بڑی مشکل

پڑے گی۔ تم امتحان میں کامیاب نہ ہوئے تو نوکری مشکل سے ملے گی۔

مستقبل کے متعلق باقی حال صرف میں بیان ہو چکا ہے

فعل حال

(۱) حال مطلق۔ اصل میں تو یہ فعل حالات موجودہ کو ظاہر کرتا ہے یا کسی ایسے کام کو جو اس وقت ہو رہا ہے، لیکن ضمناً زمانۂ حال کے متعلق دوسرے معانی بھی پیدا ہوتے ہیں مثلاً۔

(۱) عادت یا تکرار فعل۔ جیسے، جب وہ آتا ہے یہی شکایت کرتا ہے۔ شام کے کھانے کے بعد وہ روزانہ باغ کی سیر کو جاتا ہے یہ دونوں بھائی ہر جگہ ساتھ آتے اور ساتھ جاتے ہیں۔

(۲) عام اُمور صداقت جو کبھی باطل نہ ہوں گے یا جن کی نسبت ایسا خیال کیا جاتا ہے۔ جیسے دو اور دو چار ہوتے ہیں جو خلق اللہ کی خدمت کرتا ہے خدا کے نزدیک بڑا ہی ہوتا ہے۔ ہزار جتن کرو قسمت کا لکھا پورا ہوتا ہے

(۳) مستقبل قریب بلکہ اقرب کے لئے جیسے، میں ابھی جاتا ہوں۔ ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ حال ناتمام بھی بعض اوقات ان معنوں میں آتا ہے جیسے میں شہر جا رہا ہوں۔

(۴) زمانۂ گزشتہ کے لئے جسے حال حکائی کہتے ہیں۔ جیسے، بابر ہندستان پر حملہ کرتا اور افغانوں اور راجپوتوں کو شکست دیتا ہے۔ مولانا رقم فرماتے ہیں۔ میں جو اندر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بے چاری معصوم لڑکی زمین پر پڑی تڑپ رہی ہے۔

(۵) بعض اوقات ایسے فعل کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو زمانہ گزشتہ میں شروع ہوا اور حال میں بھی جاری ہے۔ جیسے، میں چند روز سے دیکھتا ہوں (یا دیکھ رہا ہوں) کہ یہ لوگ اپنا فرض پورے طور پر ادا نہیں کرتے۔

(ب) حال تمام ایسے فعل کے لئے آتا ہے جو بلحاظ زمانہ حال پورا ہو چکا ہے لیکن بعض اوقات اس کے سوا اور معنی بھی دیتا ہے مثلاً

(۱) کبھی یہ ایسی جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں فعل تمام نہیں ہوا لیکن محاورے میں حال تمام ہی لکھا اور بولا جاتا ہے۔ جیسے، تم کیسے بےفکر بیٹھے ہو؟

(۲) بعض اوقات ایسے موقع پر جہاں از روئے قیاس ماضی ہونی چاہیئے تھی مثلاً یہ لوگ کسی زمانہ میں بڑے نامور گزرے ہیں پچھلے زمانے میں وہ بھی اپنا نام کر گیا ہے

(۳) بجائے ماضی مطلق۔ جیسے۔ مجھے کل ہی بادشاہ نے خلعت عطا فرمایا ہے

(۴) گزشتہ زمانہ بعید کے ظاہر کرنے کو۔ جیسے، حدیث میں آیا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے۔ قرآن میں لکھا ہے

ماضی

۱۔ ماضی مطلق، ایسے فعل کو ظاہر کرتی ہے جو زمانہ گزشتہ میں بلاتعین وقت ہوا مگر علاوہ اس کے محاورے میں بعض دوسرے مقامات پر بھی استعمال ہوتی ہے مثلاً

(۱) بعض اوقات حال کے بجائے۔ جیسے، آپ یہاں بہت دنوں رہے (یعنے بہت دنوں سے ہیں)

یا حال تمام کے بجائے۔ جیسے، آپ بہت دنوں تک بچے رہے (یعنی

بہت دنوں سے بچے ہوئے ہیں) اب یہاں تنکا تک نہیں بچا (نہیں بچا ہے)

(۲) بجائے حال مطلق۔ جیسے، اس شہر میں جو آپ سے نہ ملا اس کا آنا یہاں بیکار ہوا (یعنی جو آپ سے نہیں ملتا اس کا آنا یہاں بے کار ہوتا ہے)

(۳) بجائے مستقبل۔ وہ آیا اور میں چلا۔ (جس وقت وہ آئے گا میں چل دوں گا یعنی اس کے آتے ہی چلا جاؤں گا) یا بول چال میں نوکر آواز دیتے ہیں "یہاں آؤ" وہ جواب دیتا ہے "آیا" یا اس سے کہتے ہیں "پانی لاؤ۔" وہ کہتا ہے "لایا" ان میں مستقبل کے معنے ہیں۔

(۴) ماضی ناتمام، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی خاص زمانۂ گذشتہ میں کام جاری تھی۔ اس کا اظہار مختلف صورتوں سے ہوتا ہے۔

(ا) وہ کالج میں پڑھتا تھا

(ب) وہ کالج میں پڑھ رہا تھا

(ج) وہ ایک مدت تک کالج میں پڑھتا رہا

(د) وہ مدت تک کالج میں پڑھا کیا۔

صورت اول فعل جاریہ بلا تعین وہ تعین وقت ہے

صورت دوم، اس وقت استعمال ہوتی ہے۔ جب ہم کسی وقت خاص یا مدت کا ذکر کرتے ہیں مثلاً جب میں وہاں گیا تو وہ کالج میں پڑھ رہا تھا۔

صورت سوم، ایسی حالت میں استعمال ہوتی ہے جب کہ زیادہ مدت کا اظہار کرنا مقصود ہو یا جب اس کے ساتھ دوسرے فقرے میں اس سے کوئی نتیجہ نکالا جائے۔ مثلاً وہ ایک مدت کالج میں پڑھتا رہا، مگر کچھ حاصل نہ کیا۔

صورت چہارم، صورت سوم کے مثل ہے یا بعض اوقات ایسے موقع پر

استعمال ہوتی ہے جب کہ وہ ایسے فعل متواتر جاری ہوں جن کا باہم تعلق ہے ہیں کہا گیا اور نہ وہ سُنا گیا۔

صورت سوم بھی اسی طرح استعمال ہوتی ہے

ماضی ناتمام سے بعض اوقات خاص زمانے میں فعل کا بہ تکرار واقع ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً جہاں کہیں وہ پہنچتے تھے لوگ ان کا گرم جوشی سے استقبال کرتے تھے۔

بعض اوقات فعل امدادی حذف بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے ، جہاں کہیں وہ جاتے لوگ ان کا گرم جوشی سے استقبال کرتے۔

۳۔ ماضی تمام ، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کام کو ختم ہوئے ایک مدت گزر چکی۔ جیسے ، میں اس سے ملنے گیا تھا۔

کبھی ماضی تمام ایک فعل گزشتہ کے فعل ماقبل کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے جیسے ، وہ اس وقت آیا جب کہ میں کھانا کھا چکا تھا۔

افعال احتمالی و شرطیہ

حال احتمالی۔ اس سے پہلے حصہ صرف میں حال احتمالی کی دو صورتیں بتائی گئی ہیں۔ یعنی آتا ہوگا، یا آرہا ہوگا۔ ان دونوں کے مفہوم میں جو فرق ہے وہ بھی بیان ہو چکا ہے لیکن ان دونوں سے فعل کے متعلق گمان غالب کا ہونا پایا جاتا ہے۔ یعنی گمان غالب ہے یا اغلب ہے کہ وہ آتا ہو۔ لیکن ایک صورت ان کے علاوہ حال احتمالی کی اور ہے جس میں گا، آخر میں نہیں ہوتا۔ یعنی وہ آتا ہو۔ یہ صرف امکانی احتمالی صورت ہوتی ہے اور اغلبیت کا خیال مطلق نہیں ہوتا مثلاً، شاید وہ ایسا سمجھتا ہو۔ ممکن ہے کہ وہ صبح کو وہ گھر سے نہ نکلتا ہو وہاں لے چلو جہاں وہ سوتے ہوں۔ اسی طرح دوسری حالت بھی بغیر گا،

کے استعمال ہوتی ہے جیسے، شاید وہ آرہا ہو۔ اس کھیت میں شاید اُسی کے مویشی چر رہے ہوں۔

حال احتمالی کی یہ آخری صورت ایسے مواقع پر تشبیہہ کے لئے استعمال ہوتی ہے کہ جہاں واقعی اور حقیقی حالت نہ ہو بلکہ فرضی ہو، جیسے، وہ اس طرح سے چلا آرہا ہے۔ جیسے کوئی بجار آتا ہو۔ درختوں پر سے آم ایسے پٹ پٹ گر رہے ہیں۔ جیسے اولے برس رہے ہوں۔

بعض اوقات حال احتمالی ماضی کے معنی بھی دیتا ہے۔ مثلاً کسی سے پوچھیں کہ تم نے اسے کبھی ایسا کرتے نہ دیکھا تو جواب دے کہ کرتا ہو گا۔ مگر اس سے احتمال کے ساتھ ہمیشہ زمانہ گذشتہ کی عادت کا اظہار ہوتا ہے۔

حال شرطیہ۔ حال شرطیہ درحقیقت مضارع ہے لیکن مضارع میں اور حال شرطیہ میں فرق ہوتا ہے۔ یہ فرق پہلے بیان بھی ہو چکا ہے یعنی مضارع سے امکانی حالت معلوم ہوتی ہے اور حال سے واقعی جیسے۔

۱۔ مینھ برسے تو کھیت پنپے	(مضارع)
مینھ برستا ہے تو کھیت پنپتا ہے	(حال)
۲۔ اگر وہ آئے تو آنے دو	(مضارع)
اگر وہ آتا ہے تو آنے دو	(حال)

دوسری مثال میں بھی مضارع سے وہی امکانی حالت معلوم ہوتی ہے مگر حال سے فاعل کی آمادگی ظاہر ہوتی ہے۔

ماضی احتمالی

(۱) اس میں احتمال پایا جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی فعل کی تکمیل کے متعلق گمان غالب ہوتا ہے جیسے، آپ نے خبر سنی ہو گی۔ اب تو اس

نے کھانا کھالیا ہوگا

(۲) بعض اوقات اس سے تشویش بھی پائی جاتی ہے مثلاً اتنی رات گئے جو سوار آیا ہے تو نہ معلوم کیا خبر لایا ہوگا۔

(۳) بعض اوقات علامت آخری گا، حذف ہو جاتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی معنوں میں بھی فرق ہو جاتا ہے۔ عموماً ذیل کے معنی ظاہر ہوتے ہیں۔

(ی) شرطیہ جملوں میں شرط میں واقعیت نہیں ہوتی بلکہ فرضی صورت ہوتی ہے جیسے اگر اس نے کوئی ایسی حرکت کی ہو۔

(ب) امکان، جیسے ان لڑکوں میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے امتحان دیا ہو اور کامیاب نہ ہوا ہو۔

(ج) شک۔ جیسے، شاید اس نے یوں ہی کہہ دیا ہو۔ ممکن ہے اس نے دل لگی کی ہو۔

(د) تشبیہ کے لئے جیسے، وہ اس سے ایسا جلتا ہے جیسے اس نے اس کا باپ مارا ہو۔

(ہ) آزادی۔ جو کچھ بھی اس نے کہا ہو اور جو کچھ بھی اس نے کیا ہو سب معاف ہے۔

ماضی شرطیہ

(۱) اس سے شرط کے ساتھ ایک ایسے فعل کا اظہار ہوتا ہے جو وقوع میں نہیں آیا۔ جیسے اگر تم اس سے اس کا ذکر کر دیتے تو یہ نوبت نہ آتی۔ علاوہ اس کے اس سے اور بھی چند معنی پیدا ہوتے ہیں۔

(۲) اکثر اس سے زمانہ گزشتہ میں فعل کا بالمرّہ واقع ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے جیسے، جہاں کہیں وہ بیٹھتا مجلس کو گلزار کر دیتا۔ جب کبھی وہ ملنے آتا

اپنا دکھڑا غمزدہ روتا

(۳) اس ماضی میں عموماً دو جملے ہوتے ہیں ، ایک شرط دوسرا اجزا۔ جزا یہ بتاتی ہے کہ اگر شرط پوری ہو جاتی تو کیا ہوتا۔ جیسے ، اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں یہاں کبھی نہ آتا۔ اگر وہ وقت پر نہ پہنچ جاتے تو ایک بھی نہ بچتا۔ اگر میں یہاں ہوتا اس کی مجال تھی کہ وہ ایسا کرتا۔

کبھی مفرد جملے میں بلا شرط کے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ، میں اسے کیوں نہ پیار کرتا۔ وہ اس سے کیوں نہ ملتا۔

(۴) بعض اوقات آرزو کے اظہار کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ، کاش وہ آج میرے ساتھ ہوتا۔

ایسے جملوں میں جملۂ آرزو کو جو محذوف ہوتا ہے شرط کی جزا سمجھنا چاہیے یعنی ”تو کیا اچھا ہوتا۔“

(۵) اس فعل سے عموماً تمنا بھی ظاہر ہوتی ہے اور اسی لئے بعض قواعد نویسوں نے اسے ماضی تمنائی بھی لکھا ہے۔ جیسے ، میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں ورنہ تمہاری کچھ خدمت کرتا۔ وہ آجاتا تو میں بھی اس سے مل لیتا۔

(۶) ایک صورت اور اس ماضی کی ہے۔ جیسے ، اگر میں وہاں نہ گیا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ یہاں ”جاتا“ کی بجائے ”گیا ہوتا“ استعمال ہوا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں فعل ختم ہو چکا ہے ، باقی شرطیہ صورت وہی ہے لیکن ایک ایسے واقعے کا اظہار ہے جس کا ہونا گزشتہ زمانے میں ممکن تھا لیکن وقوع میں نہ آیا اور یہ حالت ماضی شرطیہ کی دوسری صورتوں میں بھی پائی جاتی لیکن جب تکمیل فعل (فرضی) کی اہمیت کا زیادہ خیال ہو تو آخری صورت استعمال کی جاتی ہے۔

افعال مجہول

طورِ مجہول اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کہ فاعل نامعلوم ہو یا خاص طور پر اس کا ذکر نہ کیا جائے۔

اگرچہ یہ اکثر فعل متعدی سے مخصوص ہے مگر بعض اوقات یہ صورت فعل لازم کے ساتھ بھی آتی ہے۔ مثلاً اس سے جا کر آیا نہ گیا۔ مجھ سے چلا نہیں جاتا۔ طورِ متعدی کے ساتھ یہ صورت عام طور پر مستعمل ہے۔

خط مرا پھینک دیا یہ کہہ کر
ہم سے دفتر نہیں دیکھا جاتا

ان مثالوں میں جانا کے معنے سکنا کے ہیں اگرچہ اوپر کے جملوں میں فعل کی صورت طورِ مجہول کی سی ہے مگر وہ درحقیقت طورِ لازم میں ہیں۔ یہ استعمال ہمیشہ نفی کی حالت میں ہوتا ہے۔

یہاں 'جانا' بطور مترادف میں فعل امدادی کے آیا ہے۔ اس میں اور طورِ مجہول میں فرق کرنا ضرور ہے۔ اس کی تشریح ہم پہلے کر چکے ہیں۔

اس موقع پر یہ ذکر نامناسب معلوم ہوتا ہے کہ افعال مجہول کی نفی 'نہیں' اور 'نہ' دونوں کے ساتھ آتی ہے اور نفی افعال کے متعلق جو قواعد ہم پہلے بیان کر چکے ہیں وہی اس پر بھی عائد ہوتے ہیں۔ لیکن حرف نفی فعل کی ابتدا یا اصل فعل اور امدادی فعل 'جانا' کے درمیان دونوں طرح آتا ہے جیسے 'وہ آج نہیں نکالا جائے گا۔ وہ آج نکالا نہیں جائے گا۔ وہ نہیں پکڑا گیا۔ وہ پکڑا نہیں گیا۔

تعدیۂ افعال

تعدیہ افعال کی مفصل بحث حصہ صرف میں ہو چکی ہے۔ یہاں کسی امر کے

خاص طور پر بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

افعال مرکب

افعال امدادی میں چند امور خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

۱۔ افعال مرکب تاکیدی میں جب امدادی فعل لازم اور خواہ اصل فعل متعدی کیوں نہ ہو، مرکب فعل کی صورت زمانہ نا تمام میں لازم کی سی ہو گی اور فاعل کے ساتھ 'نے' استعمال نہ ہو گا۔ جیسے، اس نے مٹھائی کھائی لیکن، وہ مٹھائی کھا گیا یا کھا چکا۔ یہاں 'گیا' اور 'چکا' افعال امدادی لازم ہیں اس لیئے باوجودے کہ اصل فعل متعدی ہے مگر فاعل کے ساتھ 'نے' استعمال نہیں ہوا۔

لیکن جہاں فعل امدادی متعدی ہے وہاں 'نے' برابر استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، اس نے پرندے کو مار ڈالا۔

لیکن 'لینا'، 'دینا' کی حالت مستثنیٰ ہے یعنی جب یہ فعل متعدی کے ساتھ آتے ہیں تو 'نے' استعمال ہوتا ہے اور جب لازم کے ساتھ آتے ہیں تو 'نے' نہیں آتا اور صورت لازم کی ہوتی ہے۔ جیسے، وہ میرے ساتھ ہو لیا وہ چل دیا، میں نے کھانا کھا لیا، اس نے بات سن لی۔ وہ نہیں دکھائی دیا (اس مرکب فعل میں اگرچہ دونوں جز متعدی ہیں مگر مرکب حالت میں لازم ہیں) اسی طرح آواز سنائی دی۔

۲۔ سکنا، الگ استعمال نہیں ہوتا ہمیشہ کسی دوسرے فعل کے ساتھ آتا ہے چکنا، البتہ الگ بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، میرا جھگڑا چک گیا۔ اس کا متعدی، چکانا ہے۔ جیسے، جھگڑا یا قرض چکا دیا۔

۳۔ چاہیے: اکثر افعال کے ساتھ فرض و واجبیت کے اظہار کیلئے استعمال

ہوتا ہے جیسے، اسے وہاں جانا چاہیے۔ تمھیں یہ کتاب پڑھنی چاہیے۔
بعض اوقات بجائے مصدر کے حالیہ تمام کے (جو ماضی مطلق کی صورت میں ہوتا ہے) ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے۔

میر ہیں پیر تم کا ہلی اللہ رے
نام خدا ہو جواں کچھ تو کیا چاہیے

یہ استعمال قدیم ہے، جواب کم ہوتا جاتا ہے اور اس کی جگہ مصدر نے لے لی ہے۔

۵۔ بعض امدادی افعال آخر میں آنے کے بجائے اصل فعل کی ابتدا میں آتے ہیں، جیسے، دے مارا۔ دے ٹپکا۔ یہاں تانیث و تذکیر کا اثر اصل فعل پر ہوگا۔ میں نے کتاب دے پٹکی۔ اس نے گھڑا دے ٹپکا۔ اسی طرح آ اور جا بھی ابتدا میں آتے ہیں جیسے آپہنچا، جا لیا، آلیا، نیز 'لے' کا استعمال بھی اسی طرح ہوتا ہے۔ جیسے لے بھاگا۔ لے دوڑا۔

۶۔ مرکب افعال کا باقی ذکر صرف میں مفصل ہو چکا ہے۔ البتہ ان مرکب افعال کے متعلق جو اسما و صفات وغیرہ کی ترکیب سے بنتے ہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ان اسما و صفات کا اثر فعل کی تذکیر و تانیث پر کچھ نہیں پڑتا مثلاً وہ میرے کام کو برا کہتی ہے۔ وہ میرے کام کو برا کہتا ہے۔ وہ اس حرکت سے باز رہا۔ وہ اس حرکت سے باز رہی۔ اس نے نوح کا شمار کیا۔ اس نے تسبیح کے دانے شمار کیے۔ اس نے کرسیاں شمار کیں۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ قاعدہ صرف انھیں کے ساتھ برتا جائے گا جو جزو فعل ہو کر مفرد فعل کا کام دیتے ہیں جیسے، شمار کرنا، یاد کرنا، شروع کرنا، ختم کرنا وغیرہ۔ مگر جہاں ایسے اسم مفعول واقع ہوتے ہیں تو فعل

جنس وتعداد میں ان کے مطابق ہوتا ہے مثلاً، دلاسا دیا۔ تسلی دی۔ اطلاع دی وغیرہ میں اسم کا اثر برابر فعل پر پڑتا ہے۔ البتہ صفات کا اثر ہرگز فعل پر نہیں پڑتا کیوں کہ وہ تمیز کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔

ہندی مرکب افعال کا بھی یہی حال ہے مثلاً نام دھرنا، میں نام کا اثر فعل پر نہیں پڑے گا، وہ میرے کام پر نام دھرتا ہے ننا میرے کام پر نام دھرتی ہے اس نے فضول میری راہ دیکھی۔ اس نے فضول میرا راستہ دیکھا۔ یہاں اسم کا اثر فعل پر ہوا کیوں کہ یہاں اسم مفعول واقع ہوا ہے۔ مگر نام دھرنا۔ ادھار دینا یا لینا، ہاتھ آنا، ہاتھ لگنا، وغیرہ میں اسم جز فعل ہے اور اس کا کوئی اثر فعل پر نہیں پڑتا۔

مرکب افعال میں ایسے اسما کا اثر فعل پر نہیں پڑتا جو اول تو جزو فعل ہو گئے ہیں، دوسرے جب کہ یہ اسم خود مفعول واقع نہ ہوتے ہوں۔

۷۔ افعال مرکب کے متعلق ایک امر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اکثر اوقات بغرض تعظیم وادب استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً اس نے کہا۔ اس سے زیادہ تعظیم مقصود ہوتی تو کہیں گے، انھوں نے فرمایا اور اس سے بھی بڑھ کر، ارشاد فرمایا ہے۔ وہ آئے اور وہ تشریف لائے۔

بعض اوقات متانت وثقاہت کے لئے مرکب فعل استعمال ہوتے ہیں مثلاً پوچھنے کی جگہ دریافت کیا یا استفسار کیا۔ مانگنے کی جگہ طلب کیا۔ اسی طرح تناول فرمانا، نوش فرمانا، فراموش کرنا۔ ایسی صورتوں میں عربی اور فارسی الفاظ ہندی کے سادہ مصادر کے ساتھ آتے ہیں۔

تمیز

صرف میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ بعض الفاظ تمیز حروف ربط سے مل کر مرکب صورت میں آتے ہیں مثلاً کب سے ، جب سے ، اب تک جب تک، کہاں تک جہاں تک ، وغیرہ اسی طرح تاکیدی صورتوں کے ساتھ بھی یہ استعمال ہوتا ہے ۔ جیسے، یہیں سے، کہیں سے ، وغیرہ لیکن بعض اوقات تمیز زمانی و مکانی حرف اضافت کے ساتھ مل کر صفت کا کام دیتی ہے جیسے، اب کے سال کس کا روزہ کہاں کی نماز ۔ وہ کہاں کا باشندہ ہے ۔ وہ ایسا کہاں کا امیر ہے ۔

۱ ۔ کہاں علاوہ استفہام کے جب ایک جملے میں بہ تکرار الگ الگ نفوذ ل کے ساتھ آتا ہے تو اس سے تعجب یا فرق عظیم ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے کہاں وہ ، کہاں ہیں ۔ کہاں ذرہ ، کہاں آفتاب ۔ کہاں راجا بھوج ، کہاں گنگا تیلی ۔

کہاں کہاں جب ایک ہی ساتھ آتے ہیں تو اس کے معنے جگہ جگہ اور کس کس جگہ کے ہوتے ہیں جیسے :

اذاں دی کعبے میں ، ناقوس دیر میں پھونکا
کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا
کہاں کہاں گیا اور کیا کیا دیکھا ایک طویل داستان ہے
(سنسکرت میں اسی طرح کو اکوا مستعمل ہے)

مگر وہ جھوٹ بولا بھی صحیح ہے۔

۲۔ لیکن جب فعل متعدی کے ساتھ کوئی متعدی امدادی فعل آئے تو حسب قاعدہ فاعل کے ساتھ "نے" آئے گا، مگر جب فعل امدادی لازم ہو تو پھر یہ علامت "نے" متعدی فعل کے ساتھ بھی نہیں آئے گی اور پورا فعل لازم خیال کیا جائے گا جیسے

میں نے رقعہ بھیجا	(فعل متعدی بلا فعل امدادی)
میں نے رقعہ بھیج دیا	(فعل متعدی مع فعل امدادی متعدی)
میں رقعہ بھیج چکا	(فعل متعدی مع فعل امدادی لازم)
میں رقعہ نہ بھیج سکا	(ایضاً)

اسی طرح اس نے مجھ سے دو روپے لئے وہ مجھ سے دو روپے لے گیا اس نے سارے آم کھا لئے۔ وہ سارے آم کھا گیا۔ اس نے ہنس دیا، اور وہ ہنس دیا، اس نے رو دیا اور وہ رو دیا۔ دونوں مستعمل ہیں لیکن بغیر نے کے زیادہ فصیح ہیں۔

فعل لازم کے ساتھ اگرچہ فعل امدادی متعدی ہو تو بھی علامت فاعل کا اظہار نہیں کیا جائے گا۔ جیسے وہ آلیا۔ وہ سو لیا۔ لیکن آلینا جب مرکب فعل ہو جو خاص محاورے کے معنوں میں آتا ہے تو "نے" آئے گا جیسے، اس نے مجھے آلیا۔

لیکن جب امدادی فعل کے آنے سے فعل لازم متعدی بن جائے گا تو "نے" آئے گا۔ جیسے اس نے مجھے آلیا۔ تم نے اپنے کبوتر اڑنے دیا۔ اس نے بیمار کو سونے نہ دیا۔ ایسی حالت میں اصل فعل کے معنوں میں بہت تغیر ہو جاتا ہے اور فعل لازم نہیں رہتا۔

۳۔ بعض متعدی فعل ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ "نے" کا استعمال ہوتا بھی اور نہیں بھی ہوتا۔ جیسے

میں بازی جیتا، میں نے بازی جیتی — جب بطور لازم استعمال ہوتے ہیں تو "نے" مطلق نہیں آتا۔ جیسے تم جیتنے میں ہارا
میں شرط ہارا، میں نے شرط ہاری
میں بات سمجھا، میں نے بات سمجھی
میں کام سیکھا، میں نے کام سیکھا

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لئے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیئے — غالبؔ

یہ سبق بھی کوئی پڑھا، کسی نے یہ سبق بھی پڑھا

۴۔ بعض افعال لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں متعدی ہونے کی صورت میں "نے" علامت فاعل فعل کے ساتھ استعمال ہوتی ہے اور لازم کی حالت میں نہیں۔

جیتنے اور ہارنے کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، اس کی صورت مستثنیٰ ہے۔ پکارنا لازم اور متعدی دونوں ہے لازم ہونے کی صورت میں "نے" نہیں آتا۔ مگر متعدی کی حالت میں (نے) آتا ہے۔ جیسے

پکارنا۔ اس نے مجھے پکارا	متعدی
۔۔۔ وہ پکارا	لازم
بھرنا۔ اس کا پیٹ بھرا	لازم
۔۔۔ میں نے پانی بھرا	متعدی
پلٹنا۔ خط میں جب آپ نے تحریر سراسر پلٹی	متعدی
پلٹنا۔ میں نے جانا مری تقدیر سراسر پلٹی	لازم

بدلنا۔ جب سے وہ بدلا ہے ساری دنیا بدل گئی (ظفر) (لازم)
۔۔ میں نے کپڑے بدلے   متعدی

"چاہنا" کے ساتھ ہمیشہ 'نے' آتا ہے۔ جیسے ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا۔ لیکن جب جی اور دل کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو نہیں آتا۔ جیسے جی چاہا تو آؤں گا۔ اس کی کیا پوچھتے ہو، دل چاہا گیا دل چاہا نہ گیا

۵۔ تھوکنا، موتنا، ہگنا افعال لازم ہیں مگر ان کے ساتھ نے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے میں نے تھوکا۔ اس نے موتا۔

تھوکنا اور موتنا کبھی متعدی بھی ہوتے ہیں جیسے

۶ دوگانا جان کی بچی نے موتا مجھ نمازی پر (جان صاحب)۔ بچے نے نہالچے پر موتا۔

اس نے مجھ پر تھوکا۔ اس کو ساری دنیا نے تھوکا۔ مگر بے غیرت کی بلا دور کچھ بھی اثر نہ ہوا۔

بعض افعال کے ساتھ جو خاص موقع پر متعدی استعمال ہوتے ہیں۔ "نے" علامت فاعل نہیں آتی۔ جیسے میاں سے رو دیا۔ وہ مجھ پر ہنسا۔ کتا بلی پر جھپٹا۔ وہ مجھ سے لڑا (یہ خیال رہے کہ یہاں "پر" اور "سے" علامت مفعول ہیں)

۷۔ جب علامت فاعل وہ، جو اور کون کے ساتھ آتی ہے تو وہ اس سے جو جس سے اور کون کس سے بدل جاتا ہے جیسے اس نے مارا۔ کس نے مارا۔ جس نے کہا غلط کہا۔

۸۔ نے علامت فاعل ہے۔ اور مفعول کے ساتھ کبھی نہیں آتی۔ لیکن جب مجھ اور تجھ کے ساتھ کوئی صفت آتی ہے تو نے استعمال ہوتا ہے جیسے مجھ کمبخت نے یہ کب کہا تھا۔ کہ مجھ خاکسار نے ایسا نہیں

کیا۔ تجھ بدبخت نے ایسا کیا۔

اصل یہ ہے کہ مجھ اور تجھ پراکرت کے ضمائر اضافی مجھا اور تجھا سے سے نکلے ہیں، چنانچہ اسی سے قدیم اردو میں مجھ اور تجھ بھی بطور ضمائر اضافی کے استعمال ہوتے تھے مثلاً نصرتی ملک الشعرائے دربار عادل شاہ اپنی مثنوی گلشن عشق میں لکھتا ہے

کہا سن کو یوں اُن سکھا اے دل کے یار
فدا ہے یہ تجھ بات پر جیو ہزار

یہاں تجھ بات سے مطلب تیری بات ہے۔ غرض "تجھ" حالت اضافی سے حالت مفعولی میں آیا۔ اور صفت کے ساتھ اب بھی استعمال ہوتا ہے جیسے۔ مجھ خاکسار کی حالت۔ صفت کے بیچ میں حائل ہو جانے سے یہ نظرانداز ہو گیا کہ مجھ کس حالت میں ہے اور اس لئے اضافی اور فاعلی حالتوں میں استعمال ہونے لگا۔ تجھا کے میم پر زبر ہے لیکن تجھا کے ساتھ ساتھ آنے سے مجھ کی میم پر پیش آگیا۔

نے کا ایک اور غلط استعمال رواج پا گیا ہے جس کا ارتکاب بعض قابل اور مستند ادیب (خاص کر پنجاب کے) کر بیٹھتے ہیں۔ مثلاً یہ نے دیکھا ہوا ہے یہ تقریریں نے سنی ہوئی ہے (یا میں سن چکا ہوں) یہ کتابیں میری پڑھی ہوئی ہیں (یا میں پڑھ چکا ہوں)۔

ندائی حالت

ندائی حالت کے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، بعض زبانوں (مثلاً لاطینی سنسکرت وغیرہ) میں اس کی صورت جدا ہوتی

ہے اور اس لئے حالت بھی الگ مقرر کی گئی۔ لیکن اکثر زبانوں میں فاعلی اور ندائی حالتیں یکساں ہوتی ہیں اور الگ نام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ندائی حالت میں اسم بطور مخاطب کے استعمال ہوتا ہے اور جملے سے الگ تھلگ نظر آتا ہے۔ یا بذات خود ایک جملہ ہوتا ہے اس میں اور امر میں بہت کچھ مشابہت پائی جاتی ہے مثلاً التجا یا حکم کا اظہار جیسے سنو۔ وغیرہ۔

ندائی اور فاعلی حالت کا گہرا تعلق امر کی صورت سے ظاہر ہوتا ہے مثلاً ہم کہیں "تم ادھر آجاؤ"۔ اگر تم کی جگہ احمد ہو تو جملہ یوں ہوگا "احمد، تم ادھر آجاؤ"۔ اس مثال سے ان دونوں حالتوں کا تعلق صاف ظاہر ہوتا ہے۔

ندائی حالت اکثر حروف ندا کے ساتھ آتی ہے جیسے، اے دوست او لڑکے۔ او بے رحم! وغیرہ۔ مگر بعض اوقات حروف ندا نہیں بھی آتا جیسے صاحبو! لوگو! بیٹا! قبلہ! وغیرہ۔

شعرا اپنی نظموں میں خصوصاً مقطع میں اپنا تخلص لاتے ہیں جو اکثر ندائی حالت میں ہوتا ہے۔

ہوت، دور سے بلانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ارے، ابے، حقارت کے لئے اور ادنیٰ لوگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر ان کا استعمال فصیح خیال نہیں کیا جاتا۔

رے، اللہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی تعجب کے ہوتے ہیں، اللہ رے تیرا استغناء!

بے تکلفی میں "ارے" کا لفظ میاں کے ساتھ آتا ہے، جیسے ارے

میاں! یا اضطراب کے موقع پر جیسے ارے لوگو! یہ کیا غضب ہوا۔
بعض مقامات پر ارے صاحب! ارے جناب بھی بولتے ہیں مگر یہ فصیح نہیں خیال کیا جاتا۔

مفعولی حالت

۱۔ مفعول وہ ہے جس پر فاعل کے فعل کا اثر پڑے۔ مفعول درحقیقت فعل متعدی کے تکملے کا کام دیتا ہے۔ جیسے احمد نے حامد کو مارا۔ ہاشم نے باقر کو انعام دیا۔ اس نے کھانا کھایا۔ رام کتاب پڑھتا ہے۔

(۱) جب فعل کا ایک ہی مفعول ہو اور ذی عقل ہو تو مفعول کے ساتھ (کو) آتا ہے، جیسے کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہے۔ لیکن اگر مفعول غیر ذی عقل ہو یا بے جان اشیاء میں سے ہے تو اس کے ساتھ (کو) علامت مفعول نہیں آتا، جیسے میں نے کھانا کھایا۔ بکری پانی پیتی ہے۔ احمد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ذیل کی مثالوں سے دونوں طرح کے مفعولوں کے استعمال کی حالت معلوم ہوگی۔

میں نے احمد کو دیکھا	میں نے وہ نقشہ دیکھا
میں احمد کو جانتا ہوں	میں ریاضی جانتا ہوں
میں نے احمد کو مارا	میں نے سانپ مارا
اس نے سائیس کو پیٹا	اس نے ڈھول پیٹا

(ب) میں نے ایک آدمی دیکھا، صحیح ہے لیکن جب آدمی کا نام لیں یا کوئی اور تخصیص اشارے، یا اضافت وغیرہ سے پیدا کر دیں تو "کو" لانا ضرور ہے جیسے میں نے مسعود کو دیکھا۔ میں نے اس آدمی کو دیکھا۔ میں نے تمہارے بھائی کو دیکھا۔ لیکن

اس کی چالیں میں ہی خوب سمجھتا ہوں اور
اس کی چالوں کو میں ہی خوب سمجھتا ہوں

دونوں صحیح ہیں ۔ یا جیسے "میری فریاد کو پہنچو" یہاں کو محاورے کی رو سے بالکل صحیح اور فصیح ہے

(ج) ضمیر میں فاعلی اور مفعولی حالتیں معین ہیں ان میں کوئی تغیر نہیں ہوتا جیسے میں نے اسے (یا اس کو) دیکھا۔ میں نے انھیں (یا ان کو) نکال دیا تھیں کس نے بلایا تھا؟

(د) مگر محاورات میں جہاں مفعول مصدر کے ساتھ آتا ہے "کو" لانا غیر فصیح ہی نہیں بلکہ غلط ہے مثلاً منہ چڑانا، کان کھولنا، سر اٹھانا، جان دینا تنکے چننا، تارے گننا، وغیرہ مثلاً اُس نے میری تباہی پر کمر باندھ رکھی ہے یہاں "کمر کو باندھ رکھا ہے" کہنا صحیح نہ ہوگا

اسی طرح دوسری بے جان اشیاء اور کیفیات قلبی کے ساتھ بھی یہی عمل ہوتا ہے جیسے خط لکھا۔ شراب پی۔ پانی پیا۔ خربوزہ کھایا۔ رنج نہ کرو مہربانی رکھو۔

(ہ) یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ جب عمومیت ہوتی ہے تو "کو" نہیں آتا لیکن جب خصوصیت کا اظہار کیا جاتا ہے یا توجہ دلانی مقصود ہے تو "کو" بولتے یا لکھتے ہیں لیکن یہ غیر ذوی العقول اور بے جان اشیا کے ساتھ مخصوص ہے ذوی العقول کے ساتھ بہت کم۔ نیچے لکھی ہوئی مثالوں کو دیکھئے۔

میری فریاد کو پہنچو — اس بوجھ کو اٹھاؤ تو جانوں

مایا کو چھوڑ رام کو لے — اپنے دل کو دیکھ اور غور کر

ذیل کی مثالوں میں عمومیت پائی جاتی ہے آخری مثال میں باوجود خصوصیت کے "کو" استعمال نہیں ہوا۔ ذوی العقول میں یہ ضرور نہیں۔

میں نے سب پیڑ دیکھے کوئی کام کا نہ نکلا۔ جیتی لڑکی میں تمھیں دیدوں یہ ممکن

نہیں، ہاں لاش کے تم مالک ہو۔ تم نے کیا بات دیکھی جو اس قدر ریجھے ہوئے ہو
(و) بعض افعال کے ساتھ فعل کے اسی مادے کا مفعول قریب استعمال
ہوتا ہے۔ اسے عربی میں مفعول مطلق کہتے ہیں جیسے تم کیسی چال چلتے ہو، آدمیوں
کی سی چال چلو، وہ بڑا بول بولتا ہے اس کے ساتھ "کو" کبھی نہیں آتا۔

۳۔ بعض افعال کے دو مفعول ہوتے ہیں

(ا) بعض افعال متعدی یا متعدی المتعدی کے دو مفعول ہوتے ہیں ان
میں سے ایک شخص ہوتا ہے دوسرا شے، مفعول شخصی کے ساتھ ہمیشہ "کو" آتا
ہے جیسے میں نے فقیر کو روپیہ دیا۔ اس نے سب کو مٹھائی کھلائی
(ب) جو افعال بنانے، مقرر کرنے، بلانے یا نام رکھنے کے معنوں میں ہوں
یا جو افعال قلوب ہوں یعنی ان کے معنی سمجھنے، جاننے اور خیال کرنے کے
ہوں تو ان کے ساتھ بھی دو مفعول ہوتے ہیں مفعول اول کے ساتھ اکثر "کو" آتا ہے
جیسے تم اس کو کیا خیال کرتے ہو۔ انھوں نے ہری کو اپنا راجا بنایا میں
اسے (اس کو) آدمی سمجھتا تھا مگر وہ کو کچھ اور نکلا۔ وہ مجھے (مجھ کو) حکیم
سمجھا۔ گورنر نے اسحاق کو کوتوال بنا دیا۔
(ج) ایسے افعال کے طور مجہول میں جن میں دو مفعول ہوتے ہیں مفعول
قریب فاعل کا قائم مقام ہوتا ہے، مگر حالت اس کی وہی رہتی ہے یعنی
(کو) اسی کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے فقیروں کو کھانا کھلا دیا جائے اس کو تنخواہ
دے دی جائے۔

۴۔ اگرچہ کو عام طور پر علامت مفعول ہے لیکن بعض اوقات "سے" کے
اور پر بھی (کو) کی بجائے علامت مفعول کے طور پر استعمال ہوتے ہیں جیسے
میں نے احمد کے تھپڑ مارا۔ میں نے احمد کے کاجل لگایا۔

محمود سے کہو میں خالد سے محبت کرتا ہوں۔ اس پر رحم کرو۔

اسی طرح روزمرہ میں بعض اوقات مجھ کو اور اس کو کی جگہ "میرے اور اس کے" استعمال ہوتے ہیں جیسے اس نے میرے ہاتھ جوڑے۔ میں نے اس کے ہاتھ جوڑے۔

۴۔ کبھی یہ علامت مفعول غرض اور معاوضے کو ظاہر کرتی ہے جیسے وہ کام سیکھنے کو آتا ہے۔ بادشاہ سلامت سیر کو نکلے، میں گرو کے درشن کو جاتا ہوں یہ کتاب لکھنے کو دے گئے۔ میں نے دو سو روپے کو گھوڑا بیچا عربی میں اسے مفعول لہ کہتے ہیں یہاں 'کو' واسطے اور لئے کے معنی میں آیا ہے عام طور پر یہ معنی زیادہ تر اضافی صورت میں ادا کئے جاتے ہیں جیسے وہ کام سیکھنے کے لئے آتا ہے وغیرہ۔

۵۔ بعض مصادر اردو میں ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ فاعل مفعول کی صورت میں آتا ہے جیسے اسے کچھ نظر نہیں آتا مجھے وہ دکھائی نہیں دیتا۔ مجھے جانا پڑا ہمیں وہاں جانا ہے اسے تن بدن کی سدھ نہیں۔ ان جملوں میں اسے مجھے ہمیں بظاہر مفعولی حالت میں ہیں اگرچہ حقیقت میں فاعل ہیں۔ یہ زبان کا روزمرہ ہے اس میں کسی قاعدے کا دخل نہیں۔ یہ استعمال عموماً پڑنا اور ہونا کے ساتھ آتا ہے جہاں ضرورت یا مجبوری کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

۶۔ اس موقع پر "ملنا" کا ایک استعمال بھی قابل غور ہے اس میں جو شے ملتی ہے وہ فاعلی صورت میں ہوتی ہے اور پانے والا مفعولی حالت میں ہوتا ہے جیسے اسے انعام ملا۔ ہمیں کچھ نہ ملا۔

بالکل یہی استعمال لازم ہے، مناسب ہے اور چاہئے وغیرہ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے تم کو کچھ فکر تو کرنی چاہئے۔ مجھے یہ بات جلد کہنی مناسب

ہے آدمی کو چاہیئے کہ بھلائی کرے - اس کو لازم ہے کہ دفتر کی باتیں باہر نہ کہے
، کبھی علامت مفعول (کو) سن ظاہر کرنے کے لئے آتی ہے جیسے (ع)
ہم شکل مصطفیٰ کو تو اٹھارواں ہے سال - یعنی سترہ پورے ہو چکے ہیں اور
اٹھارہواں شروع ہے -

(س) کبھی لزوم کے معنوں میں آتا ہے جیسے

مہر و وفا و راحت و آرام کو رقیب
جور و جفا و کاوش و خونِ جگر کو میں داغ

بعض اوقات علامت مفعول محذوف ہوتی ہے جیسے وہ صبح سویرے چل دیا - میں گھر گیا - وہ کھانا کھانے گیا ہے -

خبری حالت

جو اسم جملے میں کسی فعل یا واقعے کی خبر دیتا ہے وہ خبری حالت میں ہوگا جیسے وہ اس شہر کا حاکم ہے - وہ یہاں کا کوتوال مقرر ہوا ہے - یہ صاحب افغانستان کے ایلچی ہیں کل جو گدڑ یا تھا، آج بادشاہ ہے وہ مجھے صورت سے درزی معلوم ہوتا ہے ہم نے اسے اپنا قایم مقام کیا ہے وہ گنوار دکھائی دیتا ہے
اوپر کی مثالوں سے معلوم ہوگا کہ جو لفظ فعل کے ساتھ خبری حالت میں آئے ہیں وہ فعل کے معنوں کی تکمیل کرتے ہیں بعض افعال اپنے مفہوم کے لحاظ سے خبری حالت کے لئے خاص طور پر موزوں ہوتے ہیں ان میں سب سے بڑھ کر فعل ناقص "ہونا" ہے جو اس حالت میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے بعض دوسرے افعال ناقص بھی اسی طرح استعمال ہوتے ہیں - اگرچہ ان میں یہ کیفیت نہیں پائی جاتی جو "ہونا" میں ہے مثلاً پڑنا - نکھنا - دکھائی دینا وغیرہ

اگرچہ خبری حالت کے اسم کا تعلق جملے میں وہی ہوتا ہے جو اس اسم کا ہے جو فاعلی حالت میں ہے مگر اکثر صورتوں میں خبری حالت کا اسم زیادہ عام ہوتا ہے مثلاً فاختہ ایک پرندہ ہے یہاں ظاہر ہے کہ پرندہ بہ نسبت فاختہ کے زیادہ عام ہے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ پرندہ فاختہ ہے یعنی فاختہ تو پرندہ ہے لیکن ہر پرندہ فاختہ نہیں ہوتا۔ بعض صورتوں میں دونوں ہی دو اسم برابر کے یا قریب قریب برابر کے ہوتے ہیں جیسے انسان اشرف المخلوقات ہے۔

(۴)

اضافی حالت

اضافت کے معنی نسبت کے ہیں اور کسی لفظ کی اضافی حالت اس لفظ کے تعلق کو دوسرے لفظ سے ظاہر کرتی ہے اس لئے جس لفظ کی طرف نسبت کی جاتی ہے اسے مضاف الیہ کہتے ہیں اور جو لفظ کہ نسبت کیا جاتا ہے اسے مضاف کہتے ہیں۔ مثلاً محمود کا گھوڑا۔ یہاں گھوڑا حالت اضافی میں ہے اور اپنا تعلق محمود یعنی مضاف الیہ سے ظاہر کرتا ہے۔ درحقیقت اگر دیکھا جائے تو مضاف الیہ ایک قسم کی صفت ہے اور مضاف موصوف اور یہ دونوں مل کر ایک خیال ظاہر کرتے ہیں۔

اردو میں اضافی حالت مختلف قسم کے تعلقات کو ظاہر کرتی ہے جس کی تفصیل ذیل میں کی جاتی ہے

۱۔ ملک یا قبضہ ظاہر کرنے کے لئے جیسے وہ راجا کی باندی ہے یہ اس کے گھوڑے ہیں۔ ان جملوں میں کہ اس کا کیا بگڑتا ہے اس کا کیا جا

ہے "اکیا" کو حالت اضافی میں سمجھنا چاہئے، جو اسم کا قایم مقام ہے اور ملک کے ظاہر کرنے کے لیئے آیا ہے یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ 'کیا' کے بعد مال، شے بات وغیرہ ہیں مگر پہلی صورت زیادہ صاف ہے۔

۲۔ رشتے یا قرابت کے اظہار کے لئے۔ جیسے میرا بیٹا۔ مسعود کا باپ۔ اس کا چچا۔

۳۔ مادی اشیاء کا بیان: جیسے سونے کی انگوٹھی۔ صندل کا صندوقچہ بھیڑوں کا جھنڈ۔

۴۔ ظرف ومکان وزمان کے لئے۔ جیسے متھرا کا باشندہ، ملک ملک کے بادشاہ۔ یہ ایک منٹ کا کام ہے۔ چار دن کی بات ہے۔ یہ اگلے وقتوں کے لوگ ہیں۔

۵۔ کیفیت یا قسم کے ظاہر کرنے کے لئے جیسے قسم قسم کی باتیں بڑے اچنبھے کی بات ہے۔ ایک من کا بوجھ

۶۔ سبب یا علت کے لئے جیسے راستے کا تھکا ماندہ۔ دھوپ کا جلا۔ نیند کا ماتا۔ موذی کے مارنے میں کچھ گناہ نہیں۔

۷۔ اصل ماخذ کے اظہار کے لئے جیسے پوڑوں کا ابیر۔ چنبیلی کی خوشبو باجے کی آواز

۸۔ وضاحت کے لئے جیسے جمعہ کا دن۔ مئی کا مہینہ

۹۔ عمر کے لئے۔ چھ برس کا بچہ۔ ستر برس کا بوڑھا۔

۱۰۔ استعمال کے معنوں میں جیسے پینے کا پانی۔ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہیں اور دکھانے کے اور۔ یہ چاقو کسی کام کا نہیں۔

۱۱۔ قیمت کے اظہار کے لئے جیسے ایک روپے کے آم دو۔ اس کپڑے کے

کیا دام ہیں۔ دو روپے کا کھی لے آؤ۔

۱۲۔ تشبیہ کے لئے۔ جیسے اس کی کلائی شیر کی کلائی ہے۔

۱۳۔ استعارے کے ساتھ (استعارے کے معنی ہیں مانگے لینا یعنی کسی شے میں کوئی خاص بات یا صفت پائی جاتی ہے وہ اس سے مانگ کر کسی دوسرے سے منسوب کرنا، جیسے اس کے دل کا کنول کھل گیا۔

۱۴۔ ادنیٰ کے تعلق کے لئے۔ یعنی ذرا سے تعلق سے سب چیز کو اپنی طرف منسوب کر لینا، جیسے اس کا ملک۔ ہمارا شہر وغیرہ۔

۱۵۔ صفت کے لئے۔ جیسے غضب کی گرمی۔ قیامت کی دھوپ ہے آفت کا پرکالہ۔

اسی طرح صفات کے ساتھ بھی مستعمل ہے۔ قول کا سچا۔ دھن کا پکا قسمت کا دھنی۔

۱۶۔ کل کے جز کے لئے۔ جیسے قصے کا آغاز، پہاڑ کی چوٹی۔ پانی کی ایک بوند۔

۱۷۔ کل کے لئے۔ اس سے کل یا مبالغہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کا استعمال عموماً اس طرح ہوتا ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں ایک ہی لفظ ہوتے ہیں۔ اور ان کے درمیان اضافت کا حرف ہوتا ہے جیسے سب کے سب۔ ڈھیر کا ڈھیر۔ آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ ایک شعر کیا غزل کی غزل مرصع ہے شہر کا شہر اسی میں مبتلا ہے قوم کی قوم۔ خاندان کا خاندان وغیرہ۔

اضافت کے ساتھ لفظ کا بہ تکرار اور معنی بھی دیتا ہے جس کا مفصل بیان الفاظ کے تکرار میں آئے گا۔

۱۸۔ فاعل یا مفعول کے اظہار کے لئے جیسے ان کے بھاگ جانے کی

خبر ہے میں اس کی تکلیف نہ دیکھ سکا۔ یہ استعمال اکثر مصادر کے ساتھ ہی ہوتا ہے اور مصدر اپنے فاعل یا مفعول یا ظرف کا مضاف ہوتا ہے جیسے صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا (غالب) رات کا آنا قیامت کا آنا ہے دل کا آنا جان کا جانا ہے۔ وہاں کا بیٹھنا اچھا نہیں وغیرہ وغیرہ

۱۹۔ بعض صفات اور دوسرے الفاظ ہمیشہ اضافت کے حرف کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں جیسے لائق، قابل، برابر، متعلق، موجب، موافق نسبت، طرف، مطابق، بابت، مشابہہ۔ اسی طرح قبل، بعد، پاس، آگے پیچھے، اوپر نیچے، تئیں، ہاں لئے، واسطے طرح کے ساتھ بھی اضافت کے حرف آتے ہیں مگر، قبل، اور بعد، بعض اوقات بغیر اضافت کے بھی مستعمل ہیں جیسے دو ماہ قبل۔ دو ماہ بعد۔

۲۰۔ بعض اوقات اضافت کے حرف کے بعد کا اسم (یعنی مضاف) محذوف بھی ہوتا ہے جیسے ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تو گیا۔ یعنی ایمان کی بات) اس نے میری ایک نہ سنی۔

دل کی دل ہی میں رہی ایک نہ ہونے پائی

ملے تھے آج تو ہم بھی جناب آصف سے
عجیب رنگ میں ہیں پوچھتے ہو کیا ان کی

ایسی حالتوں میں اکثر بات یا حالت کا لفظ محذوف ہوتا ہے مگر کبھی کبھی دوسرے الفاظ بھی محذوف کر دئے جاتے ہیں یا تو اس لئے کہ ان کا بیان اکثر خلاف تہذیب ہوتا ہے یا یہ کہ ان کا سمجھنا سہل ہوتا ہے مثلاً

غرض یہ کہ سرکار ہیں پیٹ بھر کے
آج وہ پھر حجام کا آیا تھا۔ ان کی کھلی ہی۔

۲۱۔ بعض اوقات اور خاص کر نظم میں مضاف الیہ اور مضاف کی ترتیب بدل جاتی ہے جیسے

یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے
بھنور میں ~~جہاز~~ آ کے جس کا گھرا ہے

سفینہ

یا جیسے نام تو ان کا مجھے تو یاد نہیں البتہ صورت یاد ہے یا کوئی مزاج پوچھے تو جواب دیں، شکر خدا کا، اس موقع پر ایک بات خاص طور پر قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ بعض اوقات جب اضافی ترکیب اپنی اصل حالت پر نہیں ہوتی بلکہ اضافت کا حرف جو عموماً مضاف الیہ اور مضاف کے درمیان واقع ہوتا ہے آخر میں واقع ہو محاورے میں "کی" کے بجائے "کے" استعمال ہو جاتا ہے جیسے مانند شیر کے۔ یہاں "کے" از روئے محاورہ صحیح ہے حالانکہ قاعدے کے رو سے "کی" ہونی چاہیئے کیونکہ مانند مونث ہے یا جیسے آتش کا شعر ہے

معرفت میں اس خدائے پاک کے
اڑتے ہیں ہوش و حواس ادراک کے

یا میر انیس فرماتے ہیں "میدان میں تھا حشر بپا چال سے اس کے" اسی طرح میر تقی فرماتے ہیں "آنکھوں میں ہیں حقیر جس تس کے"، حالانکہ معرفت، چال آنکھوں مونث ہیں، مگر ان کے ساتھ "کے" استعمال ہوا ہے زبان کا محاورہ یہی ہے اور اسی لیے اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اگرچہ عام قاعدہ اس کے خلاف ہے۔ یہ استعمال اکثر نظم میں ہوتا ہے۔

۲۲۔ یہاں ایک اور نکتہ بھی قابل ذکر ہے جس کا تعلق زبان کے محاورے سے ہوتا ہے۔

ذیل کے فقروں میں "کے" کے استعمال پر غور کیجئے۔

احمد نے اس کے تھپڑ مارا۔
اس کے سرمہ لگایا۔
گھوڑے نے اس کے لات ماری
میں نے اس کے چٹکی لی
اس کے اُبٹنا ملو
اس کے بیٹا ہوا
گدھے کے دم نہ تھی
اس کے چوٹ لگی وغیرہ وغیرہ

بعض حضرات کا اس کے متعلق یہ خیال ہے کہ "کے" کے بعد کوئی ایک لفظ محذوف ہے مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ "اس کے تھپڑ مارا" تو اصل میں ہے اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ اسی طرح اس کے سرمہ لگایا۔ اس میں آنکھوں کا لفظ محذوف ہے "اس کے بیٹا ہوا" اس میں ہاں یا گھر محذوف ہے۔ گدھے کے دم نہ تھی اصل میں یہ ہے کہ گدھے کے پاس دم نہ تھی" اس کے چوٹ لگی" یعنی اس کے بدن میں یا جسم میں وغیرہ۔

لیکن مجھے اس رائے سے اتفاق نہیں ہے "کے" اور "کو" دونوں کی اصل ایک ہے یعنی یہ سنسکرت کے حالیہ کرنا سے نکلے ہیں۔ قنوجی، میواڑی۔ گڑھوالی کماؤنی اور نیپالی میں "کو" اضافی حالت کے لئے آتا ہے اور بھوج پوری، ماگدھی اور میتھلی میں "کے" اور "کی" بھی مفعول کی علامت ہیں میری رائے میں اوپر کی مثالوں میں جو "کے" آیا ہے وہ بجائے "کو" کے ہے چنانچہ اب بھی دکن نیز دیگر مقامات میں ایسے موقعوں پر "کے" کی بجائے "کو" ہی استعمال

کیا شکایت کوئی تمھاری کرے
تم کو کیا ہے کوئی جیسے کہ مرے

(یہ حرف "کہ" سنسکرت کے لفظ کینوا یا کینا سمجھئے یا سے بنا ہے، مرہٹی میں بھی کینوا ہے، لیکن نیپالی میں مثل اُردو یا ہندی کے کہ ہی مستعمل ہے کہ ان معنوں میں اکثر استفہامیہ جملوں میں آتا ہے)

بعض اوقات حرف تردید محذوف بھی ہوتا ہے۔ جیسے: نہ وہ ٹھور، وہاں اس کی پرسش نہیں۔

یہاں "یا" محذوف ہے۔

شرطیہ

(۱) جو، شرطیہ معنوں میں بھی کبھی کبھی آتا ہے۔ جیسے: میں جو وہاں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بے ہوش پڑا ہے۔ یہ عموماً بول چال اور نظم میں زیادہ تر استعمال ہوتا ہے۔

حروف شرطیہ بعض اوقات محذوف بھی ہوتے ہیں، جیسے وہ نہیں مانتا تو میں کیا کروں۔

جب، اول بمعنی جس وقت جیسے، جب میں آؤں تو انھیں اطلاع کر دینا۔

دوسرے معنی اسی وقت (بطور تمیز) جیسے یہ کام جب (یا جب ہی) ہو سکتا ہے کہ وہ بھی مدد دے۔

اس صورت میں جب کے ساتھ ہی بھی آتا ہے اور جواب میں بجائے "تو" کے "کہ" استعمال ہوتا ہے

تیسرے معنی تب۔ جیسے کہتے ہیں بڑی محنت کرنی پڑتی

ہے جب کچھ آتا ہے۔

جب اکثر تک سے مل کر آتا ہے اور شرطیہ معنے دیتا ہے، جیسے، جب تک میں نہ آؤں تم وہاں سے نہ ہلنا۔ یہ استعمال حرف نفی (نہ یا نہیں) کے ساتھ ہوتا ہے

بعض اوقات بغیر حرف نفی کے بھی استعمال ہوتا ہے اور اسوقت اس کے معنے جس وقت تک کے ہوتے ہیں۔ جیسے، جب تک میں یہاں ہوں تمھیں کوئی اندیشہ نہیں۔

۵۔ تب، اور تو شرطیہ جملوں میں شرط کے جواب میں آتے ہیں۔ اس لئے ان کو حرف جزا کہتے ہیں۔ تب کا استعمال جزا کے لئے بہت کم ہو گیا ہے۔

نہیں تو، ورنہ اور ورنہ، بھی شرطیہ معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے آتے ہو تو آؤ نہیں تو میں جاتا ہوں وغیرہ۔

استدراک

۶۔ گو، اگرچہ، مگر، لیکن، بلکہ، پر، استدراک معنوں میں آتے ہیں۔ اس کی تین حالتیں ہوتی ہیں یا تو۔

(۱) قول ماقبل کی مخالفت یا

(۲) اس میں تغیر بوجہ توسیع معانی یا

(۳) قول ماقبل کے محدود کرنے کے لئے

حروف مندرجۂ بالا میں سے مگر، لیکن، پر، عام طور سے گو اور اگرچہ کے جواب میں آتے ہیں۔ جیسے، جانتے سب ہیں پر زبان سے کوئی نہیں نکالتا۔ اگرچہ تم ہر فن میں کمال رکھتے ہو لیکن قسمت کا لکھا کون مٹا سکتا ہے۔

اگرچہ وہ پشتینی امیر ہے، مگر مزاج فقیروں کا سا پایا ہے۔ گو وہ ظاہر خوش ہے لیکن دل کا مالک اللہ ہے

چکور اور شہباز سب اینچ پیچ ہیں
مگر ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں

کم تو کیا ہوتا بلکہ اور بڑھ گیا

ولے، وییک، ییک، بجائے، لیکن کے صرف نظم میں استعمال ہوتے ہیں۔

پر کا مخفف پہ بول چال کے فقروں اور نظم میں اکثر آتا ہے۔ جیسے

سمجھ ہم کو آئی پہ نادم تنت آئی

اگرچہ اور گو کے جواب میں تو بھی اور تاہم بھی استعمال ہوتے ہیں۔ سو کبھی کبھی ان دونوں میں آتا ہے۔ جیسے

ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

استثنا

۷۔ حروف عطف جو استثنا کے لیے آتے ہیں یہ ہیں الا، مگر اور بعض اوقات لیکن۔ جیسے، سب آئے مگر احمد نہ آیا۔ سب نے حامی بھری الا اس بندے نے۔

علت

۸۔ حرف علت جو علت یعنے سبب کے ظاہر کرنے کے لئے عموماً استعمال ہوتے ہیں یہ ہیں۔

کہ، کیوں کہ، اس لئے کہ، اس واسطے کہ تا کہ، لہذا۔ جیسے کوشش کیے جاؤ کہ اسی میں کامیابی کا راز ہے۔ محبت پیدا کرو کیونکہ عالم اسی پہ

ظالم ہے۔ ان سے ضرور ملو اس لئے کہ ان سے ملنا باعث سعادت ہے۔ وہ خود گیا، تاکہ سارا معاملہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

اس لئے اور لہٰذا، چوں کہ، کے جواب میں آیا کرتے ہیں جیسے۔ چونکہ وہ ناراض ہیں لہٰذا میں بھی ان سے نہیں ملتا۔

کبھی "جو" بھی علت کے لئے آتا ہے جیسے

فقیر کے دل میں اس کی کچھ ایسی ہی محبت ہے جو ایسے وقت میں بھی اسی کا دم بھرتا ہے۔

مقابلہ

۹ ۔ جیسا (جیسے) اور گویا بعض وقت عطف کا کام دیتے اور حرف تشبیہ یا مقابلے کے لئے آتے ہیں جیسے، وہ لکڑی اس طرح کھڑی تھی جیسے کوئی انسان کھڑا ہو۔ ہرگز ہوا اس کو نہیں لگتی گویا فانوس اس کی آسماں ہو (باغ و بہار)

بیانیہ

۱۰ ۔ کہ حرف بیانیہ ہے، اور ہمیشہ دو جملوں کے ملانے کے لئے آتا ہے جیسے: میں سمجھا کہ اب وہ نہ آئے گا۔

یہ حرف ہوتا مقولے کے بعد آتا ہے یا مقصد، ارادہ، امید، خواہش رجحان، حکم، نصیحت، یا مشورہ، ڈر، اجازت، کوشش، ضرورت یا غرض کے اظہار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے

میرا ارادہ ہے کہ اب یہاں سے چل دوں۔

میں نے کہا کہ تمھارے یہاں رہنے کی ضرورت نہیں

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہئے غیر سے تہی — ہنس کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

تم کو لازم ہے کہ اب وہاں نہ جاؤ۔ اُسے چاہیئے کہ ایسا نہ کرے۔
اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ خانہ نشین ہو جائے مجھے ڈر ہے کہ وہ آنہ جائے
اگر اس کی یہ آرزو ہے کہ اس بارے میں کامل تحقیق کرے تو کسی ماہر فن سے
ملنا چاہیئے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اب چلی دو وغیرہ۔
کبھی ضمیر موصول کے بعد آتا ہے۔ جیسے: جو رائے کہ تم نے ظاہر کی وہ
صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح جب کے ساتھ بھی مل کر آتا ہے۔ جیسے، جب کہ وہ یہاں
نہیں ہے تو تمہیں ایسا کرنا لازم نہیں۔

ان دو صورتوں میں وہ حرف بیانیہ نہیں ہے۔

حروف تخصیص

حروف تخصیص یا حصر ہیں، ہی، کا مفصل ذکر پہلے ہو چکا ہے "تو" کے
متعلق البتہ یہاں کسی قدر بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے

(۱) تاکید فعل جیسے، سنو تو۔ کہو تو وغیرہ

(۲) تکمیل مقصد جیسے، یہ کہہ کر وہ تو چلے گئے، سارا سامان مہیا کر کے
وہ تو الگ ہو گئے (یعنی جو کام ان کے ذمے تھا اس کی تکمیل کر دی)

(۳) خاص قسم کا زور ظاہر کرتا ہے۔ جیسے، جسے تم تلاش کرتے تھے وہ
میں ہی تو ہوں۔ جس کے سامنے ایک عالم سر جھکاتا ہے وہ یہی تو ہے۔

(۴) دھمکی کے لئے، جیسے، دیکھوں تو وہ کیسے کرتا ہے

ان معنوں میں اکثر ہی کے ساتھ مل کر آتا ہے۔ جیسے، آئے تو ہی
، ہی، حرف تخصیص ہمیشہ ان الفاظ کے متصل آتا ہے جن کی تخصیص
یا تاکید مقصود ہوتی ہے سوائے ضمیر متکلم، میں، کے جب کہ اس کے ساتھ علامت

فاعل سنئے، آئے۔ اس صورت میں نے، ان کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ جیسے، میں نے ہی کہا تھا۔ باقی حالتوں میں ہمیشہ متصل آتا ہے۔ جیسے اسی نے کہا تھا وغیرہ

، تو ، بھی ہمیشہ اُسی لفظ کے ساتھ آتا ہے جس کی تخصیص کرنا ہے، مگر جب فاعل و مفعول اور اضافت کی علامتیں یا حرف ربط آتے ہیں تو ان کے بعد آتا ہے۔ جیسے، تم کو تو خبر تک نہ ہوئی میں نے تو پہلے ہی کہدیا تھا۔ اس کا تو کام ہی تمام ہو گیا۔

جب تو اور ہی مل کر آتے ہیں۔ تو کلام میں مزید قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے، یہ میں ہی تو تھا۔ تم ہی تو تھے۔

فعل کی تکرار کے درمیان تو آئے اور جملے میں ہی بھی ہو تو خاص معنی پیدا ہو جاتے ہیں، یعنی کسی امر آخری چارہ کا انحصار بتانا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے، میں ہی کروں تو کروں، وہی سمجھائیں تو سمجھائیں ورنہ دوسرے کی کیا مجال جو کچھ کہے۔

موت ہی ہو کچھ علاج دردِ فرقت ہو تو ہو
غسلِ میت ہی ہمارا غسلِ صحت ہو تو ہو

تکرار الفاظ

تکرار لفظی اُردو زبان کی بڑی خصوصیات میں سے ہے اس لئے ہم نے یہ مناسب خیال کیا کہ اس خصوصیت کا ذکر مختصر طور پر علاحدہ کیا جائے۔

اُردو میں تمام اجزائے کلام (یعنی اسم، صفت، ضمیر، فعل، تمیز) سوائے حرف ربط و عطف کے ایک ہی ساتھ مکرر استعمال ہو سکتے ہیں الفاظ کے دہرانے سے اکثر ہر ایک کے معنے پیدا ہوتے ہیں نیز اختلاف، زور، تاکید یا مبالغے کا اظہار ہوتا ہے۔

۱۔ اسم کی تکرار سے "ہر ایک" کے معنی پیدا ہوتے ہیں، مگر وہ سب پر شامل ہوتا ہے۔ جیسے گھر گھر عید ہے۔ یعنی ہر گھر میں۔

کبھی یہ اضافت کے بعد آتا ہے یعنے وہ اسم جس کی تکرار ہوتی ہے وہ مضاف واقع ہوتا ہے۔ جیسے میرا رُواں رُواں اس کو دعا دے رہا ہے۔ (یعنی ہر ایک رواں)

بعض وقت اضافت کے ساتھ بھی "ہر ایک" کے معنی میں آتا ہے مگر سب پر شامل نہیں ہوتا۔ مثلاً وہ برس کے برس آتا ہے یعنی ہر برس۔

۲۔ کبھی مختلف کے معنے نکلتے ہیں۔ جیسے، ملک ملک کا جانور وہاں جمع تھا یعنی مختلف ملکوں کے جانور، کبھی اسم کی تکرار سے زور مبالغہ یا تاکید نکلتی ہے۔ جیسے، دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ لیلیٰ ہی لیلیٰ پکارتا رہا۔

(۳) یہ استعمال جو اکثر "ہی" کے ساتھ ہوتا ہے، بعض اوقات جب پہلا

اسم جمع ہو تو بغیر ہی اکے بھی آتا ہے۔ جیسے، ہاتھوں ہاتھ، راتوں رات

(ب) بعض اوقات پہلے اسم کے بعد اضافت کا حرف آتا ہے یعنی دونوں کے بیچ میں حرف اضافت ہوتا ہے۔ جیسے، اتنا پڑھا مگر بیل کا بیل ہی رہا جاہل کا جاہل ہی رہا، آدمی کیا ہے دیو کا دیو ہے یا ڈھور کا ڈھور ہے۔

(ج) بعض اوقات اس قسم کے تکرار سے کل کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے خاندان کا خاندان (یعنی کل خاندان)، قوم کی قوم، شہر کا شہر اسی میں مبتلا ہے۔ آنوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ ایک شعر کیا غزل کی غزل مرصع ہے۔

(د) کثرت کے معنی بھی آتے ہیں۔ جیسے درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ کھڑے تھے۔ دیوان کے دیوان پڑھ ڈالے۔ جنگل کے جنگل کاٹ ڈالے۔ خم کے خم پی گیا۔ ہرنوں کی قطاریں کی قطاریں کھڑی تھیں۔

(ہ) کبھی اس تکرار سے کام کا تسلسل پایا جاتا ہے۔ جیسے سڑک کے کنارے کنارے چلا جا۔ ہاتھی آگے آگے جا رہا تھا۔ اور ہم پیچھے پیچھے

(و) بعض اوقات تکرار لفظی سے اضافت کے ساتھ تعلیل ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے: رات کی رات ملاقات رہی۔

سینے میں تلاطم کوئے قطرے کا قطرہ بنا
بل بے سمائی تری اُف رے سمندر کے جوار

وہ بات کی بات میں بگڑ گیا۔ (یعنی ذرا سی بات میں) وقت کے وقت یعنی

فی الفور۔

(ں) کبھی ایک جملے میں دو لفظوں کا تکرار ہوتا ہے اور اس سے ہر دو کی ثنویت ظاہر ہوتی ہے ۔ جیسے ، روپیہ کا روپیہ گیا اور عزت کی عزت (یعنی روپیہ اور عزت دونوں گئے) وہ آدمی کا آدمی ہے اور بندر کا بندر یعنی آدمی بھی ہے اور بندر بھی ۔ آم کے آم کھائے اور سیر کی سیر ہوئی ۔

(ج) مثل ہے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ، یعنی دودھ الگ اور پانی الگ (پورا انصاف) کھوٹے کھرے کی پوری پرکھ ۔

کبھی ایک اسم کا تکرار اس طرح ہوتا ہے کہ اس کے بیچ میں "الف" بطور حرف ربط کے آتا ہے اور معنے مبالغے یا زیادہ جاری رہنے کے ہوتے ہیں جیسے ، مارا مار ۔ دوڑا دوڑ ۔

۴ ۔ صفات کے تکرار سے بھی یہی معنی پیدا ہوتے ہیں یعنی اسم کی طرح کل کے معنے دیتے ہیں ۔ جیسے ، شہر کے بڑے بڑے لوگ موجود تھے چھوٹے چھوٹے ایک طرف ہو جائیں اور بڑے بڑے ایک طرف ۔

(۱) ۔ بعض اوقات اختلاف (یعنی مختلف ہونا) ظاہر ہوتا ہے ۔ جیسے: نئے نئے کام یا طرح طرح کی انوکھی باتیں ۔

(۲) اظہار مبالغہ یا امتیاز کے لئے ۔ جیسے ، میٹھی میٹھی باتیں ۔ کھٹے کھٹے آم سفید سفید دانے ، اُجلے اُجلے کپڑے ۔ مثلاً اس کی میٹھی میٹھی باتوں نے دل موہ لیا ۔ سفید سفید دانے ایک طرف کر دو اور کالے کالے ایک طرف ۔ اُجلے اُجلے کپڑے الگ نکال لو ۔

کبھی بیچ میں اضافت بھی آتی ہے ۔ جیسے ۔ ننگے کا ننگا ، بھوکے کا بھوکا وغیرہ ۔

(۳) تفضیل کے لئے۔ جیسے، دال میں کچھ کالا کالا ہے۔ اس میں مجھے کچھ سفید سفید دکھائی دیتا ہے۔

(۴) اسی طرح اعداد بھی بہ تکرار آتے ہیں۔

(ا) ہر ایک کے معنے میں۔ جیسے ان کو چار چار روپے ملے۔ یہ استعمال جب حالیہ معطوفہ، کرکے، کے ساتھ ہوتا ہے تو اس کے معنے میں الگ الگ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جیسے دو دو کر کے گئے۔ ایک ایک کر کے آئے۔ چار چار کی ٹولی بن گئی۔

(ب) جب عدد مرکب ہو تو صرف آخری حصے کا تکرار ہوتا ہے جیسے ایک ایک روپیہ آٹھ آٹھ آنے دیے۔

(ج) آٹھ روپیہ سب کو دو اور آٹھ آٹھ روپے دس کو دو۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ پہلے جملے کا مطلب ہے کہ کل روپے جو دینے ہیں آٹھ ہیں دوسرے جملے کے یہ معنے ہیں کہ ہر کس کو آٹھ روپے دو۔

اسی طرح چار چار پہر بیٹھا رہتا ہے۔ یعنی ہر دفعہ جب وہ آتا ہے تو چار پہر گزار دیتا ہے۔ تین تین گھنٹے کے بعد کھاؤ یعنی ہر تین گھنٹے کے بعد۔ آٹھ آنے کا ٹکٹ لاؤ اور آٹھ آٹھ آنے کے ٹکٹ لاؤ۔

ان دو جملوں کے معنوں بھی فرق ہے پہلے کے یہ معنے ہیں کہ کل آٹھ آنے کے ٹکٹ لاؤ۔ دوسرے کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک ٹکٹ آٹھ آنے کا ہو۔ (۵) ضمائر بھی بہ تکرار آتی ہیں۔

(ا) الگ الگ کے معنوں میں۔ جیسے، وہ اپنے اپنے گھر سدھارے۔

(ب) مختلف کے معنوں میں جیسے، جو جو جس کا طالب ہو حاضر ہو جائے اس نے کیا کیا کہا اور میں نے کیا کیا نہ سنا۔

(ج) کوئی اور کچھ کی تکرار سے کمی یا تقلیل ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے، اب بھی کوئی کوئی مل جاتا ہے۔ کچھ کچھ درد باقی ہے۔

کبھی بیچ میں "نہ" حائل ہوتا ہے۔ جیسے، کوئی نہ کوئی مل رہی ہے گا کچھ نہ کچھ عذر کرتے رہتے ہیں۔

۷۔ افعال کا تکرار حالیہ تک محدود ہے اور اردو زبان کے محاورے میں اس کا استعمال بکثرت ہے۔

(۱) فعل کے تکرار سے فعل کا متواتر ہونا پایا جاتا ہے۔ جیسے یہ لکڑیاں بہہ بہہ کر آتی ہیں۔ وہ پوچھتے پوچھتے یہاں تک پہنچ گیا۔ مکھیاں پھولوں پر آ آ کر بیٹھتی ہیں۔

(۲) بعض اوقات تکرار سے مبالغہ یا کثرت ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے، میں کہتے کہتے تھک گیا۔ روتے روتے اس کی آنکھیں سوج گئیں۔ رو رو کر اپنا حال کہنے لگا۔ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ پانی پیتے پیتے پیٹ اپھر گیا۔

مرے آشیاں کے تو تھے چار تنکے
مکاں اڑ گئے آندھیاں آتے آتے

تن تن کے بیٹھا تھا۔ پڑھتے پڑھتے اندھا ہو گیا۔

حالیہ تمام کبھی کبھی اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، وہ ڈنڈا دوڑا پھر رہا ہے۔ وہ مارا مارا پھر رہا ہے۔

(۳) کبھی فعل کی مدت طوالت اور جاری رہنے کو بتاتا ہے۔ جیسے: اسی طرح چلتے چلتے منزل مقصود کو پہنچ گئے۔ آم پڑے پڑے سڑ گئے۔ سیکھتے سیکھتے آ ہی جاتا ہے۔ لکھتے لکھتے خط اچھا ہو ہی جاتا ہے۔

(۴) کبھی مختلف یا کثرت کے معنی دیتا ہے۔ جیسے، وہ پیترے بدل بدل کر آتا ہے یا نام بدل بدل کر بھیس بدل بدل کر آتا ہے۔ شعر یا قصے سنا سنا کر خوش کرتا ہے۔ کھانے کھلا کھلا کر ہلا لیا۔

(۵) بعض اوقات آہستہ آہستہ یا رفتہ رفتہ کے معنے ہوتے ہیں خاص کر "ہوتے ہوتے" تو ان معنوں میں بہت آتا ہے۔ علاوہ اس کے دوسرے افعال بھی ان معنوں میں آتے ہیں جیسے۔

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

(۶) "دیکھتے دیکھتے"، دفعتاً یا بہت کم عرصے کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے وہ دیکھتے دیکھتے بڑا آدمی ہو گیا۔ (یعنے ہمارے دیکھتے دیکھتے یعنی بہت کم عرصے میں یکایک)

(۷) کبھی تکرار سے یہ معنے پیدا ہوتے ہیں کہ ابھی ایک کام ہونے نہیں پایا تھا کہ دفعتاً کوئی اور واقعہ ہو گیا۔ جیسے وہ کہتے کہتے رک گیا۔ وہ جلتے جاتے رہ گیا۔ سنبھلتے سنبھلتے گر پڑا۔

(۸) جب کسی کام کے اثنا میں رکاوٹ ہو جاتی ہے تو بھی حالیہ کا تکرار آتا ہے جیسے، وہ پڑھتے پڑھتے سو گیا۔ وہ قصہ سناتے سناتے یکبارگی چپ ہو گیا۔ مرتے مرتے بچا۔

اجل مر رہی تو کہاں آتے آتے

(۹) بعض اوقات پہلا فعل مذکر ہوتا ہے اور دوسرا مونث جیسے، دیکھا دیکھی، روا روی۔

(۱۰) بعض اوقات فعل لازم اور اسی کے متعدی کا حالیہ تمام دوسرے میں

مل کراتے ہیں جیسے، خواہ مخواہ، بیٹھے بٹھائے مصیبت میں پھنس گئے مگر یہ سماعی ہے ہر فعل کا استعمال اس طرح نہیں ہو سکتا۔

(۱۰) مل کر کبھی صفت کا کام بھی دیتے ہیں۔ جیسے، سنی سنائی باتوں پر نہ جاؤ، بنی بنائی عزت کو کیوں بگاڑتے ہو۔

(۱۱) بعض اوقات لازم یا متعدی کا حالیہ دوسرے فعل لازم کے ساتھ آتا ہے اور ان کے درمیان، نہ، حرف نفی واقع ہوتا ہے۔ جیسے، مارے نہ مرے، مٹائے نہ مٹے اس سے بھی کلام میں زور پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔

(۱۲) کبھی زور اور تاکید کے لئے ماضی بھی مثبت اور منفی صورت میں بہ تکرار آتی ہے اور حرف ،پر، بیچ میں آتا ہے۔ جیسے گیا پر گیا، نہ ہوا پر نہ ہوا۔

(۱۳) کبھی خاص طور پر متوجہ کرنے کے لئے امر کو بہ تکرار بولتے ہیں۔ جیسے؛ دیکھو یہ کیا ہو رہا ہے۔ سنو سنو کوئی گا رہا ہے۔ اسی طرح ہٹو ہٹو، بچو بچو!

(۱۴) تمیز کے الفاظ بھی زور اور تاکید کے اظہار کے لئے بہ تکرار آتے ہیں جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ جیسے، جہاں جہاں، جوں جوں، روز روز، ہمیشہ ہمیشہ، کہیں کہیں۔ کبھی نفی کے ساتھ جیسے کہیں نہ کہیں، کبھی نہ کبھی۔

(۱) انھیں معنوں میں حرف اضافت کے ساتھ بہ تکرار آتے ہیں۔ جیسے؛ وہاں کا وہیں رہ گیا۔ اسی طرح یہاں کا یہیں، یہاں کی یہیں، یا جہاں کا تہاں۔ یہ سب تکرار زور پیدا کرنے کے لئے استعمال کیے جاتے ہیں۔

اسی طرح جیسے جیسے، کیسے کیسے وغیرہ بھی مستعمل ہیں۔

(۲) مبالغے کے لئے جیسے، وہ مجھ سے دور دور رہتا ہے۔ وہ ہم سے الگ الگ پھرتا ہے۔

۹۔ حروف ربط بھی اسی طور پر محاورے میں بہ تکرار آتے ہیں اور ان سے معنوں میں ایک خفیف سا تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے اِدھر اُدھر وہ تھے اور بیچ بیچ میں ہم۔

کبھی زیادہ زور دینے کے لئے اور عین وسط کے ظاہر کرنے کی خاطر پہلا بیچ جمع میں لاتے ہیں۔ یعنی بیچوں بیچ۔ جیسے صحن کے بیچوں بیچ یا تالاب کے بیچوں بیچ۔

اسی طرح میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ وہ آگے آگے جا رہے تھے۔ وہ ان کے ساتھ ساتھ تھے۔

⁂ ⁂ ⁂

نحو ترکیبی

جملوں کی ساخت کے باب میں

مفرد جملے

(جملے کے اجزا)

اُردو میں بھی دنیا کی اور زبانوں کی طرح جملے کے اصل عنصر دو ہیں۔ ایک مبتدا دوسرا خبر۔ ان میں مبتدا، وہ شخص یا شے ہے جس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

خبر، جو کچھ اس شخص یا شے کی نسبت ذکر کیا جائے۔ اُردو میں مبتدا مفصلہ ذیل اجزائے کلام ہو سکتے ہیں۔

(۱) اسم یا ضمیر فاعلی حالت میں

(۲) دو یا دو سے زائد اسم یا ضمیریں فاعلی حالت میں

(۳) صفت یا اعداد بطور اسم کے فاعلی حالت میں

(۴) مصدر

(۵) کوئی فقرہ یا جملہ

مثالیں

(۱) احمد آیا۔ وہ گیا۔

(۲) شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں۔ ہم تم مل کر جائیں گے۔

(۳) وہ وہاں ہیں جا یہاں۔ کوئی شریف ایسی بات نہ کہے گا۔
(۴) رونا اچھا نہیں۔ سمجھنا پڑھنے سے مشکل ہے۔
(۵) دہلی پہنچنا آسان نہیں۔ اس سے معاملہ کرنا مشکل ہے۔ کامل جملہ جو بطور مبتدا کے استعمال ہوتا ہے، اس کا ذکر مرکب جملے کے بیان میں آئے گا۔

بعض اوقات اسم جو 'تک' کے ساتھ آتا ہے مبتدا ہوتا ہے
جیسے: تنکا تک نہ رہا۔ گھر تک جل گیا۔

بعض اوقات مبتدا محذوف ہوتا ہے

(۱) جہاں قرینے سے آسانی کے ساتھ مبتدا معلوم ہو سکتا ہے، مثلاً خطاب یا استفہام میں۔ جیسے: کیا وہ آ گیا؟ ہاں گیا۔ بھائی جان! یہ کیا صورت بنائی ہے۔
(۲) جب کہ صورت فعل سے فاعل ظاہر ہو جیسے: سید ہوں، مظلوم ہوں۔ میرے حال پر رحم کرو۔ جاؤ اپنا کام کرو۔
(۳) ضرب الامثال اور اسی قسم کے دوسرے جملوں میں اختصار کے خیال سے۔ جیسے ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔

خبر (مقدم) ذیل اجزائے کلام ہو سکتے ہیں

(۱) فعل، جیسے: میں کہتا ہوں۔
(۲) اسم یا ضمیر، فاعلی یا اضافی وغیرہ میں۔ جیسے، اس کا نام احمد ہے۔ وہ ملک کا بیٹا ہے۔ وہ چھت پر ہے۔ یہ گھر کس کا ہے یہ رعب داب کس کا نہیں۔
(۳) صفت۔ جیسے، وہ شخص بڑا جری اور دلیر ہے
(۴) عدد۔ جیسے، میرا نمبر سولہ ہے۔

(۵) کوئی لفظ یا فقرہ جو بطور اسم استعمال کیا جائے۔ جیسے، میں شاہ ایران کا بھیجا ہوا ہوں۔

بعض اوقات فعل جو بطور خبر کے آتا ہے، محذوف ہوتا ہے جیسے، وہ جہاں جہاں گیا لوگوں نے سر اور آنکھوں پر بٹھایا، کسی نے مذہبی پیشوا سمجھ کر اور کسی نے محب وطن مان کر۔ تیرے سر پر خاک۔

فعل ناقص بھی جسے بعض قواعد نویسوں نے رابطہ سے بھی تعبیر کیا ہے، کبھی کبھی محذوف ہوتا ہے۔

(الف) منفرد بیان میں جہاں اس کا حذف آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے جیسے اُسے نہ کسی کے نفع سے غرض نہ ضرر سے کام۔ تیرے سر پر خاک۔ ایک کا نام احمد دوسرے کا نام محمود۔

(ب) مقابلے میں بھی اکثر محذوف ہوتا ہے۔ جیسے، ایسی بنی سنوری جیسے دلہن۔

(ج) منفی جملوں میں۔ جیسے اسے خبر نہیں۔

(د) ایسے جملوں میں فعل ناقص کا حذف صرف بظاہر ہے کیوں کہ 'نہیں' جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے، نہ اور فعل ناقص کی قدیم صورت 'آہیں' سے مرکب ہے۔

ضرب الامثال وغیرہ میں عموماً محذوف ہوتا ہے۔ جیسے غریب کی جورو سب کی بھابی۔ چھری کا گڑ میٹھا۔

(ھ) نظم میں بھی عموماً محذوف ہوتا ہے

ہونا اگرچہ فعل ناقص ہے لیکن کبھی کبھی بطور فعل لازم یعنی فعل صحیح بھی آتا ہے جیسے، خدا ہے، اس فعل کا تمام زبانوں میں یہی حال ہے، اور اس لیے اس کا

ان دو صورتوں میں امتیاز کرنا ضرور ہے

جیسا کہ اور زبانوں میں ہے اسی طرح اردو میں بھی مبتدا اور خبر کی توسیع مختلف الفاظ کے اضافے سے ہوتی ہے۔ یہ الفاظ از روئے قواعد ان کے متعلقات ہوتے ہیں۔ جس طرح ان کی توسیع ہوتی ہے اسی طرح الفاظ کے اضافے سے بعض اوقات کے معنی محدود بھی ہو جاتے ہیں۔

مبتدا کی توسیع

۱۔ اسم سے یا ایسے اسم سے جو بطور بدل کے آتا ہے، ہوتی ہے مثلاً

(الف) دہلی شہر بہت قدیم ہے۔ ڈاکٹر شفیقی پرنسپل کلیۂ جامعۂ عثمانیہ تشریف لائے۔

(ب) سب گھر والے کیا چھوٹے کیا بڑے اس سے محبت کرتے ہیں یہاں "کیا" محاورے میں توضیح و توسیع کے لئے استعمال ہوا ہے۔

(ج) میں آپ کا ادنیٰ غلام، ہر وقت آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ یہاں "میں" کا بدل "آپ کا ادنیٰ غلام" ہے۔

۲۔ مبتدا کی توسیع صفت سے بھی ہوتی ہے۔ اس صورت میں ہمیں صفت کی دونوں صورتیں (جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) یعنی توصیفی اور خبری میں امتیاز کرنا ضروری ہے

(ا) توصیفی صورت میں صفت اسم کے قبل آتی ہے اور دونوں مل کر ایک خیال قائم کرتے ہیں۔ جیسے یہ خوبصورت تصویر ملکہ ہے

(ب) خبری صورت میں صفت اسم کے بعد آتی ہے اور اسم سے الگ خیال کی جاتی ہے، گویا جملے کی خبر ہے۔ جیسے وہ گمراہ ہو گیا ہے اس کا بھائی بڑا

طاقتور ہے

۳۔ مبتدا کی توسیع ایسی ضمیر سے بھی ہوتی ہے جو بطور صفت کے آتی ہے، جیسے یہ بچہ بڑا شریر ہے۔ جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

۴۔ اعداد سے۔ جیسے، دو سو آدمی آ کھڑے ہوئے۔ اتنے میں دونوں بھائی آ پہنچے۔

۵۔ اضافی حالت سے۔ جیسے اب میرے دل کا ارمان نکلا۔ مدرسے کے سارے لڑکے حاضر کیے گئے۔

بعض اوقات مضاف الیہ محذوف بھی ہوتا ہے۔ جیسے، بڑی فکر تھی کہ اتنی تھوڑی تنخواہ میں تمھاری گزر کیسے ہوگی (یعنی) اس کی بڑی فکر تھی،

۶۔ حالیہ سے، جیسے، اجڑا گاؤں۔ اڑتا ہوا پرندہ۔ مرا ہوا جانور۔ بعض اوقات اس کا استعمال بھی بطور خبر کے ہوتا ہے۔ جیسے، سڑک پر ایک جانور سسکتا ہوا پڑا ہے۔

خبر کی توسیع

۱۔ اسم، ضمیر یا کسی لفظ یا فقرے سے جو بطور اسم کے استعمال ہو۔

(ا) مفعول قریب سے۔ جیسے تم میری بات سنو۔ اس نے کچھ نہ کہا۔

بعض اوقات فقرہ یا جملہ بھی مفعول ہوتا ہے، مثلاً حالیہ معطوفہ کیساتھ جیسے وہ مال و اسباب لٹتا دیکھ کر جان سلامت لے گیا۔ شہزادے کو قریب آتے دیکھ کر استقبال کیلئے چلا۔ جس طرح مبتدا کی توسیع ہوتی ہے اسی طرح مفعول کی بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً آپ میرے کپڑوں کو ہاتھ نہ لگایئے انکو گھر میں اکیلا نہ چھوڑیے۔

(ب) مفعول بعید سے۔ جیسے اس نے بیٹے کو پیغام کہلا بھیجا۔

(ج) اسم یا ضمیر کی حالت سے، جس سے خبر کی بلحاظ وقت، مقام، طریقہ وغیرہ

توسیع ہوتی ہو۔ جیسے، اس کے دا رسے سب کو درت رفع ہوگئی۔ اس نے یہودی کو مسجد میں آنے دیا۔ وہ درخت کی پھننگ تک چڑھ گیا۔

(۵) بعض اوقات فاعل یا مفعول خبر کی توسیع ہوتا ہے۔ جیسے اس کا چھوٹا بھائی تیرا معاون ہوگا

۲۔ خبر کی توسیع صفت سے بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے، اس صراحی کا پانی ٹھنڈا کیجئے۔ میرے کپڑے صاف کر دو۔

جب خبر اسم ہوتی ہے تو اعداد سے توسیع ہو سکتی ہے، جیسے، احمد نے چار آم کھائے۔ یہ مکان ۱۶ فٹ اونچا ہے

۳۔ حالیہ معطوفہ سے

جیسے اس نے پریشان ہو کر گھر چھوڑ دیا

۴۔ حالیہ

جیسے، اُسے شہر میں رہتے ہوئے کئی سال گذر گئے، حامد ہنستے ہوئے پہنچا۔ وہ کھیلتا کودتا گھر پہنچ گیا۔

۵۔ حرف ربط مع اس کے اسم کے

جیسے، سب کے سب کوتوال کے پاس حاضر ہوئے۔

۶۔ تمیز فعل سے

جیسے وہ بہت ناراض ہوا۔ وہ سچ سچ چلتا ہے۔ میں نے جلدی جلدی لکھ دیا۔

مطابقت

مطابقت تین قسم کی ہے۔

۱۔ صفت کی (جو توصیفی ہو) اپنے اسم سے

۱۔ صفت (توصیفی) کی مطابقت موصوف سے پہلے بیان ہو چکی ہے۔ سوائے ان صفات کے جن کے آخر میں (ہ) تا ہے اور جن میں تبدیلی تغیر ہوتی ہے (مونث میں حرف ایک ہی صورت ہوتی ہے) باقی تمام صفات ہر حالت میں ویسی ہی رہتی ہیں اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی اور صفت موصوف کے مطابق ہوتی ہے اس طرح حرف اضافت کی تذکیر و تانیث، وحدت و جمع عموماً مضاف کے مطابق ہوتی ہے لیکن جب ایک صفت کئی مختلف الجنس اسما کی تعریف کرے یا ان کے ساتھ آئے تو مطابقت میں اختلاف ہوتا ہے

(۱) صفت (یا مضاف) جنس میں قریب کے اسم سے مطابق ہوتا ہے جیسے اس کی بہو اور بیٹے۔ تمہارا نام اور ننگ ڈوباؤں۔ مجھے اس کی چھچھوری باتوں اور کاموں سے کچھ غرض نہیں۔

(۲) بعض اوقات اگرچہ قریب تر کا اسم مونث ہوتا ہے چونکہ مذکر کی شان بڑی سمجھی جاتی ہے، اس لئے مطابقت مذکر سے ہوتی ہے۔ جیسے اس کے بی بی بچے آگئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں "بی بی بچے" مل کر ایک کلمے کا کام دیتے ہیں۔

۲۔ لیکن صفت جب اسم کے ساتھ بطور خبر کے آئے، بشرطیکہ اسم کے ساتھ علامت مفعول موجود ہو، تو اسم بلا لحاظ جنس و تعداد واحد استعمال ہوگا جیسے میں نے ان لوگوں کو بہت کالا پایا۔ اگر "کو" نہ ہوتا تو صفت جمع آتی، جیسے میں نے یہاں کے آم میٹھے دیکھے۔ یہاں کے لوگ کالے پائے میں نے یہاں کی عورتیں کالی پائیں۔ میں نے یہاں کی عورتوں کو کالا پایا۔

صفت جو تمیز کے طور پر ہوتی ہے اس کا اثر فعل کی تذکیر و تانیث پر نہیں ہوتا۔ جیسے، تم نے اچھا کیا۔ تم نے خوب کیا۔ یہاں خوب، اور اچھا کی تذکیر و تانیث سے کچھ بحث نہیں ہے

تم نے مجھ نحیف کو کیوں دکھ دے رکھا ہے

لیکن یہاں نحیف مجھ کا بدل ہے اور بدل جملے کی ترکیب سے متاثر نہیں ہو سکتا اور یہی وجہ ہے کہ جملے کی باقی حالت میں فرق نہیں آیا اور فعل حسب معمول واحد مذکر ہے۔ لیکن خبر کی حالت دوسری ہے جو بیان ہو چکی ہے

حالیہ کی مطابقت کے متعلق اس سے پہلے حالیہ کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے

۳ - خبر بہ فعل یا اسم جہاں جہاں ممکن ہو جنس و تعداد میں مبتدا کے مطابق ہونا چاہئے۔ جیسے، سب دولت ڈھونڈھتے ہیں، لکھنے پڑھنے کا سامان نہیں ہے، علم اور نیک چلنی یہ دونوں انسان کا درجہ بڑھا دیتے ہیں۔

ان متعدی افعال کی جن کے افعال ماضی کے ساتھ، نے، آتا ہے دوسری حالت ہے۔ اس کا ذکر پہلے مفصل ہو چکا ہے

جب کسی فعل کا مبتدا جملہ یا جزو جملہ ہوتا ہے تو خبر ہمیشہ واحد ہوتی ہے جیسے سانچ کو آنچ نہیں، بالکل صحیح ہے۔ اسے دیکھ کر میری زبان سے بے اختیار کل طبلی احمق نکل جاتا ہے۔

جب مبتدا تعظیمی ضمیر، تعظیمی جمع یا تعظیمی لفظ ہو، اگرچہ مقصود اس سے فرد واحد ہے، خبر نیز تمام توصیفی کلمے جمع ہی ہوں گے۔ جیسے آپ کب تک قیام فرمائیں گے۔ یہی مولوی صاحب ہیں جن کا میں نے ذکر کیا تھا، ہمارے پیر و مرشد یہاں نہیں ہیں۔

جب فاعل ضمیر ہو اور مذکر و مونث دونوں کی طرف راجع ہو، تو خبر مذکر

ہوگی۔ جیسے، زینب نے اپنے شوہر سے کہا اب یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔ اس نے میاں بیوی سے صاف کہہ دیا کہ اب تم چلے جاؤ۔

جب مبتدا دو سے زائد اسما یا ضمائر مختلف الجنس پر مشتمل ہو تو خبر عموماً سب سے قریب کے اسم سے مطابق ہوگی۔ جیسے، آدمی کے دو کان، دو آنکھیں اور ایک منہ ہے۔

اگر سب کے سب واحد اور ایک جنس کے ہیں تو خبر ان لفظوں کی جنس کی تابع ہوگی۔ جیسے، اس سے کم ہمتی اور بزدلی پیدا ہوتی ہے۔ ایسی باتوں سے رعب اور وقار جاتا رہتا ہے۔

لیکن اگر ان میں سے کوئی ایک یا ایک سے زیادہ جمع ہیں تو خبر جمع ہوگی (ایسی حالت میں جمع خبر کے متصل ہونی چاہیے) جیسے اس کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ میز اور کرسیاں گر پڑیں۔

(۵) لیکن جب دو اسم ہوں اور آخر میں لفظ دونوں یا دونوں کے دونوں آئیں تو فعل جمع آئے گا۔ جیسے، ماں اور بچہ دونوں مر گئے یا دونوں کے دونوں مر گئے۔

مگر جب دو یا دو سے زائد اسما فاعل یا مبتدا ہوں اور آخر میں سب آئے تو فعل جنس و تعداد میں آخر اسم کے مطابق ہوگا۔ جیسے، اس کا مال اسباب، جاگیر، مکانات سب بک گئے، اس کا مال و اسباب گھر بار سب بک گیا۔

مگر جب، سب، کا تکرار حرف اضافت، کے، ساتھ ہو تو سب کا سب واحد، سب کے سب جمع مذکر اور سب کی سب مونث واحد و جمع کے لیے ہوگا

لیکن جب "سب کچھ" آخر میں آئے تو فعل ہر حالت میں واحد ہوگا جیسے، مال و اسباب، جاگیر، مکانات سب کچھ بک گیا۔

آخر میں جب کوئی یا کچھ ہو تو بھی فعل واحد مذکر ہوگا۔ جیسے، باپ بیٹا جورو بھائی بہن کوئی ساتھ نہ جائے گا۔ مال اسباب باغ و جاگیر کچھ نہ رہا۔

(۶) عام طور پر فعل جنس و تعداد میں مبتدا کے مطابق ہوتا ہے۔ جیسے، یہ آلات اور کتابیں میری ساری پونجی ہیں۔

(۷) جب مبتدا دو یا زائد ایسی ضمیروں پر مشتمل ہو جن کی نوعیت الگ الگ ہو یعنی کوئی متکلم ہو کوئی مخاطب اور کوئی غائب تو خبر جمع ہوگی، جیسے ہم تم وہاں گئے تھے۔ وہ اندر میں راستہ بھول گئے۔ میں اور تم وہاں مل چلیں گے۔ میں اور وہ ساتھ ساتھ آئے۔

ایسی صورت میں جہاں تک ممکن ہو ضمیر جمع آخر میں لانی چاہیے۔

(۸) جب مبتدا اسم جمع ہو تو خبر واحد ہوگی۔ فوج جا رہی ہے۔ وغیرہ۔

(۹) کتابوں، اخباروں اور رسالوں کے نام گو جمع ہوں مگر وہ مثل واحد کے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے تعزیرات ہند چھپ گئی (کتاب چونکہ مونث ہے اس لئے فعل مونث آیا) میں نے قصص ہند ختم کر دی۔

(۱۰) افعال ناقص میں جب مبتدا اور خبر دونوں اسم ہوں تو فعل مبتدا کے مطابق ہونا چاہیے۔ اگرچہ بعض اساتذہ نے اس کے خلاف بھی کیا ہے لیکن وہ قابل تقلید نہیں۔ جیسے:-

"ظلمت عصیاں سے میرے بن گیا شب روز حشر"

یہاں روز حشر بن گئی کہنا صحیح نہ ہوگا۔ اگرچہ اسی استاد نے دوسری جگہ فرمایا ہے۔

"تیغ خمیدہ یار کی لوہے کا پل ہوا"

مگر اس کی تقلید درست نہیں ہے۔ قاعدہ یہی ہے کہ فعل مبتدا کے مطابق

ہوگا۔

(۱۱) بعض اوقات دو واحد اسم ہم جنس یا مختلف الجنس بلا حرفِ عطف مل کر جمع کی حالت پیدا کرتے ہیں، تو ایسی حالت میں فعل جمع مذکر آئے گا۔ جیسے:
میاں بیوی ہنسی خوشی بسر کرتے ہیں۔ اب تو دن رات چین سے گذر رہے ہیں گھوڑا گھوڑی کلیلیں کر رہے ہیں۔ باپ بیٹا جا رہے ہیں۔

(۱۲) بعض صورتوں میں جب دو لفظ بلا حرفِ عطف مل کر آتے ہیں اور ایک کلمہ کا حکم رکھتے ہیں تو فعل واحد آتا ہے اور گویا تذکیر و تانیث آخری لفظ کے لحاظ سے قرار دی جاتی ہے۔ جیسے:
گھوڑا گاڑی بک گئی۔ قلم دوات رکھی ہے۔ دوات قلم رکھا ہے لیکن کبھی کبھی اس کے خلاف بھی آتا ہے۔ جیسے، تمہارے کھانے میں نمک مرچ زیادہ ہوتا ہے۔

فارسی میں ایسے لفظوں کے درمیان حرفِ عطف و آتا ہے۔ جیسے کھانے میں آب و نمک ٹھیک ہے۔

لیکن نشو و نما اور آب و گل مذکر اور مؤنث دونوں طرح مستعمل ہیں جیسے

خاکساری نے اُسی دن روشنی پائی تھی ذوق
آدمِ خاکی کا جس دم آب و گل پیدا ہوا

✣ ✣ ✣

" شرافت تھی جو آب و گل میں اس کی

✣ ✣ ✣

" چشم پر آب سے ہے نشو و نما ساون کی " (وزیر)

✣ ✣ ✣

"خط کو روئے یار پر نشو و نما ہوتا نہیں" (ناسخ)

لیل و نہار (زمانے کے معنوں میں) واحد اور جمع دونوں طرح مستعمل ہے۔

اگر یہی لیل و نہار ہے۔ یا اگر یہی لیل و نہار ہیں۔ مگر واحد کو ترجیح ہے نیز۔ رات، روز و شب جمع استعمال ہوتے ہیں۔

(۱۳) ایک صورت خاص رشتہ داروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی رشتے کے دو اسم بلا حرف عطف آتے ہیں، ہوتے دونوں واحد ہیں، مگر چوں کہ دو کے ملنے سے جمع کی صورت پیدا ہوتی ہے دوسرا لفظ باوجود واحد ہونے کے جمع کی صورت میں آتا ہے اور فعل کو بھی اس کی مطابقت لازم ہوتی ہے۔ گویا یہ دونوں مل کر ایک لفظ ہیں جس کی جمع بنائی گئی ہے۔ جیسے، ماموں بھانجے لڑ پڑے۔ چچا بھتیجے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ یہ باپ بیٹے ذرا سی بات پہاڑ بنیٹھے ہیں۔ مدت ہوئی باپ بیٹوں کا انتقال ہو گیا۔

جب آخر میں دونوں کا لفظ آتا ہے تو واحد یا جمع دونوں صورتیں جائز ہیں۔ جیسے مدت ہوئی باپ بیٹا دونوں مر گئے یا باپ بیٹے دونوں مر گئے۔

ایک دقت یہ ہے کہ جمع کی حالت میں بھی یوں ہی بولتے ہیں اور اس لئے واحد اور جمع میں تمیز کرنا دشوار ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ "چچا بھتیجے بیٹھے حقہ پی رہے ہیں"، تو اگر ایک بھتیجا ہے تو بھی یہی کہیں گے اور ایک زیادہ ہیں تو بھی یوں ہی، مگر عام طور پر واحد ہی مقصود ہوتا ہے۔

ہمارے رائے میں جب مراد جمع ہو تو حرف عطف 'اور' لانا چاہیے۔ مثلاً جب کہیں "چچا بھتیجے بیٹھے حقہ پی رہے تھے" تو اس سے مراد واحد ہو۔ لیکن جب تخصیص کے ساتھ بھتیجوں کا جتانا مقصود ہو تو یوں کہنا چاہیئے کہ "چچا اور

بھتیجے بیٹھے حقہ پی رہے ہیں"۔ اس میں کسی قدر تکلف تو ہے مگر ضرورت پوری ہوسکتی ہے۔

(۱۴) جب خبر مصدر ہو اور مبتدا مؤنث تو مصدر کا الف یائے معروف سے بدل جاتا ہے اور اگر مبتدا مذکر ہے تو الف قائم رہتا ہے۔ متاخرین لکھنؤ ہر حالت میں مصدر کو اصلی ہی صورت میں رکھتے ہیں اگرچہ اساتذہ لکھنؤ اس کے پابند نہیں۔ جیسے،

جانا یہ زلف کف میں لینی
ہے سانپ کے منہ میں انگلی دینی (نسیم لکھنوی)

سرشک دیدہ ہائے تر سے دھو ڈالوں گا عصیاں کو
انھیں چشموں سے اے دل آبروئے محشر میں پانی ہے (امانت)

خواب میں وہ آنے کا کیوں نہ اب کرے وعدہ
یعنی کب جدائی میں مجھ کو نیند آتی ہے (ناسخ)

اب تو میرے حال پر لطف و کرم فرمایئے
ہوچکی ہونی جو تھی جور و جفا دو چار دن (صبا)

---

(۱۵) بعض عربی اسما ہندی مصادر کے ساتھ اس طرح مل کر آتے ہیں کہ وہ بالکل ان کا جز ہو جاتے ہیں لہٰذا ان اسما کو فعل کی تذکیر و تانیث میں مطلق دخل نہیں ہوتا، فعل مبتدا کے مطابق ہوگا اور اگر خبر (یا مفعول)

موجود ہے تو خبر (یا مفعول) کے مطابق ہوگا۔ جیسے ، یہ قرار پایا، یہ بات قرار پائی، یہ امر قرار پایا (میں) نے یہ امر تجویز کیا۔ میں نے یہ بات تجویز کی، میں نے یہ عرض کیا۔ میں نے یہ بات عرض کی، یہ امر طے پایا، یہ بات طے پائی۔ یہ طے پایا۔

ان مثالوں میں تجویز، قرار، طے، عرض کو فعل کی تذکیر و تانیث میں کوئی دخل نہیں۔

اسی طرح مثلاً یاد کرنا ایسا مصدر ہے جو اردو کا ٹھیٹ مصدر ہوگیا ہے اور اس کا استعمال بھی ہندی مصادر کی طرح ہوتا ہے۔ میں نے اُسے یاد کیا، ہم نے ان کو یاد کیا، تم نے سبق یاد کیا، اس نے کہانی یاد کی۔ یہاں یاد کا فعل کی تذکیر و تانیث پر کچھ اثر نہیں۔

لیکن تدبیر کرنا، تاخیر کرنا، فریاد کرنا، صبر کرنا، تعمیل کرنا، شور مچانا، ہدایت کرنا، سزا دینا وغیرہ مصادر میں جزو اوّل الگ لفظ ہے اور اسی لحاظ سے فعل کی تذکیر و تانیث آتی ہے، کیوں کہ یہ لفظ یہاں خود مفعول واقع ہوئے ہیں۔

(۱۶) جس طرح افعال ناقصہ میں فعل مبتدا کے مطابق ہوتا ہے، اسی طرح افعال قلوب میں بھی فعل مبتدا کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کے مفعول یا خبر کو فعل کی تاکیر و تانیث میں کچھ دخل نہیں۔ جیسے

میں اس عورت کو بھیڑا سمجھا۔ میں نے اُسے بیوقوف خیال کیا۔ کیوں کہ ان افعال کے مفعول کے ساتھ ہمیشہ کو آتا ہے / یا مفعولی ضمیر آتی ہے، اس مبتدا کا فعل پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔

(۱۷) کبھی مبتدا مذکور نہیں ہوتا، قرینے سے معلوم ہو جاتا ہے، لہٰذا خبر

اس لحاظ سے تعداد و جنس میں محذوف مبتدا کے مطابق ہوتی ہے، جیسے
اب تو آرام سے گزرتی ہے (یعنی زندگی)، کب آئے ؟ (یعنی آپ یا وہ)

مرکب جملے

جب دو یا دو سے زیادہ جملے مل کر کسی ایک مفہوم یا خیال کو ادا کریں تو وہ مرکب جملہ کہلائے گا

اگر یہ جملے نحوی لحاظ سے جداگانہ اور برابر کی حیثیت رکھتے ہوں تو ایسے جملوں کو "ہم رتبہ" جملے کہیں گے۔

اگر کوئی جملہ دوسرے جملے کے مقابلے میں برابر کی حیثیت نہیں رکھتا ہے بلکہ دوسرے کے تحت میں ہے تو ایسے جملے کو "تابع" کہیں گے۔

۱۔ ہم رتبہ جملے

ہم رتبہ جملے حروف عطف کے ذریعے سے باہم ملے ہوتے ہیں۔ اُردو میں مثل دوسری زبانوں کے ان کی چار قسمیں ہو سکتی ہیں۔

وصلی، تردیدی، استدراکی اور سلبی

۱۔ وصلی جملے۔ دو ہم رتبہ جملوں کو باہم وصل کرنے کے لئے حروف عطف "اور" آتا ہے۔ ان میں سے ہر جملہ برابر کی حیثیت کا اور ایک دوسرے سے آزاد ہوتا ہے۔

جیسے، میں آیا اور وہ چلا گیا۔ سورج صبح کو نکلتا اور شام کو غروب ہو جاتا ہے۔

بعض اوقات "پھر" بھی یہ کام دیتا ہے۔ جیسے، پہلے تو وہ اسباب

جمع کرتا رہا، پھر چل دیا۔

۲ ۔ تردیدی جملے ۔ یہ وصلی جملوں کی ضد ہیں، یعنی یہاں حرفِ تردید دو جملوں کو معناً جدا کرتا ہے۔ اس کے لئے عموماً حرف "یا" استعمال ہوتا ہے۔ اُسے گھر بھیج دو یا باہر نکال دو۔

کبھی "کہ" ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، تم نے کچھ دیا کہ نہیں، وہ گیا کہ نہیں۔

کبھی "نہیں تو" اور "ورنہ" بھی حروف تردید کا کام دیتے ہیں۔ جیسے، حاکم ہمدرد ہونا چاہیئے۔ ورنہ رعایا تباہ ہو جائے گی۔ اُسے جلدی چھوڑ دو، نہیں تو بہت مشکل پڑے گی۔

بعض اوقات خواہ..... خواہ اور چاہے ..... چاہے بھی تردید کے لئے آتے ہیں۔ جیسے، چاہے رہے چاہے جائے۔ خواہ خود آ جائیں، خواہ مجھے بلا لیں۔

نہ ..... نہ بھی تردید کے لئے آتے ہیں، جیسے، نہ خود گیا نہ مجھے جانے دیا۔

اس قسم کے جملوں میں عموماً پہلا "نہ" محذوف ہوتا ہے۔ جیسے خود گیا نہ مجھے جانے دیا۔ وہاں آقا تھا۔ نہ نوکر۔

۳ ۔ استدراکی جملے ۔ ہم رتبہ استدراکی جملوں میں دو بیانات کا باہم مقابلہ ہوتا ہے۔ یہ جملے تین قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) دوسرا بیان پہلے بیان کے مخالف یا اس سے خارج ہو

(۲) دوسرا بیان پہلے بیان کو صرف مقید یا محدود کرتا ہو۔

(۳) یا پہلے بیان کی توسیع یا ترقی ہو۔

ان کیلئے عموماً حروف ، لیکن ، مگر ، پر ، سو ، بلکہ ، استعمال ہوتے ہیں ۔مثالیں اُسی ترتیب سے دی گئی ہیں ، جس ترتیب سے تقسیم کی گئی ہے

(۱) چکور اور شہباز سب اوج پر ہیں
مگر ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں

وہ تمھارے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہے ، مگر تم چاہو کہ روپیہ ہاتھ آئے تو اس سے دھو رکھو ۔

(۲) وہ وعدے تو بہت کرتا ہے ، لیکن یاد نہیں رکھتا ۔ وہ ساتھی تو ہے پر مصیبت کا ساتھی نہیں ۔ دوست ہے مگر وقت پر کام نہیں آتا ۔

(۳) خوشامد سے ایک دنیا ہی نہیں ملتی ، بلکہ خدا بھی اس سے ملتا ہے ۔
یہ ایک کیا بلکہ ایسے سو ہوں تو مار بھگاؤں ۔
اس نے صرف طوطا چشمی ہی نہیں کی بلکہ طرح طرح کی تکلیفیں بھی پہنچائیں

ان مثالوں سے مگر ، لیکن (پر) اور بلکہ کے استعمال میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے اور قابل لحاظ ہے کیوں کہ ان کے استعمال میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے
نظم میں پَر کی بجائے پہ بھی استعمال ہوتا ہے ۔ کبھی سو کبھی ان معنوں میں آتا ہے مگر بہت کم جیسے ؛

ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

بعض اوقات ، اور ، بھی محاورے میں مگر کے معنی دے جاتا ہے ۔

لہ پر سنسکرت کے پران سے بنا ہے اور پہ پر کا مخفف ہے ۔ اہل لکھنؤ بالفتح بولتے اور لکھتے ہیں ، لیکن صحیح زیر سے ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ برج بھاشا میں بالکسر ہی آتا ہے ۔

جیسے، ایسا نا غسل اور نکما، اتنا بڑا باکمال اور اس قدر تنگ دل۔

بعض اوقات مگر اور لیکن، گو اور اگرچہ کے جواب میں آتے ہیں۔ جیسے اگرچہ وہ بہت بڑا دولت مند ہے، لیکن دل کا چھوٹا ہے

۴۔ سببی جملے۔ ان جملوں کے ایک جز میں دوسرے جز کے سبب، وجہ، نتیجے کا ذکر ہوتا ہے۔ جو جملہ کی علت یا سبب کو ظاہر کرتا ہے وہ عموماً کیوں کہ، اس لئے کہ، اس واسطے کہ سے شروع ہوتا ہے۔ جیسے میں ان کا ساتھ دوں گا کیوں کہ (اس لئے کہ یا اس واسطے کہ) مصیبت کے وقت انھوں نے میرا ساتھ دیا تھا۔

جو جملہ نتیجے یا اثر کو ظاہر کرتا ہے اس کے شروع میں اس لئے، پس یا عربی کا لہٰذا آتا ہے۔ جیسے، اس نے میرا کہنا نہ مانا اس لئے (لہٰذا) میں اس سے قطع تعلق کرتا ہوں۔

ایسے مرکب جملے میں جز اوّل کے ساتھ عموماً چوں کہ استعمال ہوتا ہے جیسے، چوں کہ وہ بہت شریر اور نااہل ہے اس لئے میں اسے منہ نہیں لگاتا۔

کبھی پس بھی ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، چونکہ اس نے بلا اجازت ایسا کام کیا ہے پس (یا لہٰذا) اسے سزا بھگتنی چاہیے۔

تابع جملے

تابع جملوں کی تین قسمیں ہیں

۱۔ اسمی،

۲۔ وصفی

۳۔ تمیزی،

اصل جملے کو خاص اور اس کے ماتحت جملے کو تابع جملہ کہیں گے۔

۱ . اسمی جملہ ۔ اسمی جملے سے ہماری مراد ایسا جملہ ہے جو بجائے خود ایک اسم کا کام دے اور جملے کی ترکیب میں بجائے ایک اسم کے ہو، جیسے، میرا ایمان ہے کہ خدا ایک ہے. یہاں "خدا ایک ہے" بجائے ایک اسم کے ہے. یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ توحید میرا ایمان ہے ۔

اسمی جملہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو اصل جملے کے فعل سے مبتدا کا تعلق رکھتا ہو یا جو مبتدا کا بدل ہو۔ دوسرا وہ جو اصل جملے کے فعل کو یا خبر کے کسی تابع کو محدود کرے یا اس پر اثر ڈالے ۔

تمام اسمی جملوں کی ابتدا عموماً حرف "کہ" سے ہوتی ہے۔ جیسے، اس نے کہا کہ میں بیمار ہوں۔ کون نہیں جانتا کہ میرا نام احمد ہے وہاں وہ چہل پہل تھی کہ بیان سے باہر ہے (یہاں تابع جملہ خاص جملے کے مبتدا سے متعلق ہے) یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ اس کا کام نہیں ہے (یہاں تابع مبتدا "یہ" کا بدل ہے)

جب خاص جملے میں الفاظ مناسب ہے، لازم ہے، چاہیے وغیرہ آئیں اور فرض و واجبیت وغیرہ ظاہر کریں تو تابع جملے میں مضارع آئے گا۔ جیسے، مناسب ہے کہ آپ خود چلے جائیں ۔ لازم تو یہ ہے کہ خود آکر معافی مانگے ان کو چاہیے کہ ابھی بھیج دیں وغیرہ ۔

اسمی جملہ جس کا تعلق خبر سے ہوتا ہے وہ جملے کے فعل کا مفعول واقع ہوتا ہے ۔ جیسے، اس نے کہا تم گھبراؤ نہیں ۔ وہ گلی گلی کہتا پھرتا آگ لگی رے آگ لگی ۔ تم دیکھ کر آؤ کہ سامنے کون چلا آرہا ہے ۔

کبھی کبھی اور خاص کر چھوٹے چھوٹے فقروں اور مقولوں کے قبل "کہ" محذوف ہو جاتا ہے میں نے کہا جاؤ اب نہ آنا ، اس نے کہا دوست

یہاں آؤ۔

کبھی تابع جملہ خاص جملے سے قبل بھی آجاتا ہے۔ جیسے "چلو مدینے چلو مدینے" ہر طرف سے یہی صدا آرہی تھی۔

کبھی 'جو' بھی 'کہ' کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اپنے باوا سے کیوں نہیں کہتے جو تمہیں بھجوا دیں۔

کبھی 'کہ' خاص جملے کے فعل کی وجہ یا مقصد کے اظہار کے لئے آتا ہے جیسے، میں تمہیں اس لئے پہلے بھیجتا ہوں کہ تم ان سے مل سکو۔ ایسے موقع پر کہ، تاکہ کے معنوں میں آتا ہے۔ اظہار مقصد کے لئے اس لئے اور کیوں کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے، وہ اس لڑکے سے محبت کرتا ہے اس لئے کہ وہ اس کا اکلوتا بیٹا ہے وہاں جاتے ہوئے ڈرتا ہوں کیونکہ وہ میرا جانی دشمن ہے۔

بعض اوقات منفی فقرہ 'ایسا نہ ہو' کے ساتھ اظہار غرض کے لئے آتا ہے جیسے، ان سے زیادہ باتیں نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ وہ خفا ہو جائیں۔

جب اسمی جملہ کسی نتیجے کو ظاہر کرتا ہے تو

(۱) توقع، تمنا یا دعا کے اظہار کے موقع پر فعل مضارع آتا ہے۔ جیسے ایسی تقریر کرنا کہ ہزاروں کا چندہ ہو جائے۔ خدا کرے کہ وہ کامیاب ہو جائے میں نہیں چاہتا کہ وہ یہاں آئے۔

(۲) ناممکن یا محال کا اظہار ہوتا ہے تو زمانۂ حال کے لئے مضارع اور زمانۂ گزشتہ کے لئے ماضی شرطیہ (یا تمنائی) آتی ہے۔

جیسے، اس کی کیا طاقت ہے جو یہاں ایسا کرے۔ اس کی کیا طاقت تھی جو ایسا کرتا۔

۲۔ وصفی جملے۔ وصفی جملہ وہ ہے جو صفت کا کام دے اور خاص جملے

کے کسی لفظ یا فقرے کی تعریف کرے ۔ جیسے، اس نے انھیں لڑکوں کے نام پکارے جو کتاب میں درج تھے۔ یہاں جو کے بعد کا جملہ "کتاب میں درج تھے۔" نام کی تعریف کرتا ہے ۔

تمام وصفی جملے موصولہ یا اشاری ضمیروں کے ساتھ آتے ہیں جیسے، وہ کام جو آپ سے نہ ہو سکا میں کیسے کر سکتا ہوں ۔

جب تاکید یا زور دینا مقصود ہوتا ہے تو اس اسم کو جس کی تعریف جملہ وصفیہ کرتا ہے بہ تکرار استعمال کیا جاتا ہے ۔ جیسے، جو کام آپ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آخر وہی کام آپ کو کرنا پڑا ۔

وصفی جملوں کے ساتھ عموماً ضمیر موصولہ یا اشارہ آتی ہے اور اس کے جواب میں دوسرے جملے میں دوسری ضمیر آتی ہے جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے۔ لیکن بعض اوقات خاص کر نظم میں دوسری ضمیر محذوف ہو جاتی ہے جیسے، جو مجھ پر گزرتی ہے، تم کیا جانو ۔

بعض اوقات وصفی خاص جملوں میں اسم مذکور نہیں ہوتا، جب کہ کسی خاص شخص سے مراد ہو یا اشارہ ایسی جانب ہو جو معروف ہو جیسے، دل اسی سے ملتا ہے جو اس کے قابل ہوتا ہے، اس مصیبت سے وہی نجات دے گا جو سب کا نگہبان ہے ۔

بعض اوقات ضمیر موصولہ محذوف ہوتی ہے ۔ جیسے ذرا سوچ لو، جو سو جو تم کرو گے سو اچھا ہی کرو گے ۔

کبھی مرجع اور ضمیر موصولہ دونوں محذوف ہوتے ہیں، جیسے خوب سانپ مارا ۔

ایسا عموماً بول چال کے فقروں اور نظم میں ہوتا ہے ۔

بعض اوقات اس حالت میں جہاں تعلق صاف ظاہر ہے، دونوں ضمیریں محذوف ہو جاتی ہیں۔ جیسے اچھا کیا نفس مارا۔

جب اظہار واقعہ صاف طور پر ہوتا ہے تو افعال مطلق آتے ہیں جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے مگر دوسری حالتوں میں مضارع یا افعال احتمالی وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔

(۱) مثلاً جب وصفی جملہ کسی فعل کے مقصد، غرض یا نتیجے کو ظاہر کرے۔ جیسے،
یہ درخت اتنا مضبوط نہیں ہے جو وہ آسانی سے اس پر چڑھ جائے۔
وہ شریف نہیں ہے جو میں اسے منہ لگاؤں۔

(۲) جہاں تعداد، کیفیت و کمیت کی تعیین نہ ہو اور خاص افراد مقصود نہ ہوں۔ جیسے وہ کتابیں جن میں اس مضمون کی پوری تشریح ہو۔
ایسا پانی جس میں نام کو غلاظت نہ ہو۔ ایسی تدبیر کرو۔ جب سب کو مار رکھے۔
ایسا واعظ بلاؤ جو سب کو تڑپا دے۔

کبھی تابع جملے میں بھی اسی قدر ضمیریں ہوتی ہیں جتنی خاص جملے میں جیسے، جو جسے پسند آئے وہ ویسا ہی کرے۔

کبھی "جہاں" بجائے اسم یا ضمیر کے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے،
مبارک ہے وہ شہر جہاں سے تم آئے۔

کبھی "کہ" بجائے "جو" کے وصفی جملے کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے، ایسی چیز تو میرے پاس ایک بھی نہیں کہ آپ پسند فرمائیں۔ یہ ایسا آدمی نہیں ہے کہ میں اس پر اعتماد کر سکوں۔

(۳) تمیزی جملے۔ تمیزی جملہ درحقیقت تمیز کی طولانی صورت ہے۔ یہ خاص جملے کی خبر کی بلحاظ وقت و مقام طور طریقہ کے تعریف کرتا ہے۔ یا کسی دوسری

تمیز کی۔

وقت کے لئے جو تمیزی جملے آتے ہیں ان کی ابتدا میں جو یا جب آتے ہیں اور ان کے جواب میں تو (یا کبھی تب)

جیسے، جب میں ہی نہ رہا تو مجھے اس سے کیا۔ جب تک میں ہوں تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔

کبھی وقت کے تمیزی الفاظ کے ساتھ بعض اوقات 'سے'، اور 'تک'، مل کر بھی آتے ہیں۔ جیسے، جب تک۔ کب سے وغیرہ۔

بعض دوسرے اسم مثلاً وقت، دم، دن وغیرہ جو وقت کو ظاہر کرتے ہیں ان ضمائر موصولہ کے ساتھ جملے میں آتے ہیں اور ان کا جواب خاص جملے میں ہوتا ہے۔ جیسے، جس وقت وہ پہنچا اس وقت میں سو رہا تھا۔

کبھی کبھی ایسا تمیزی جملہ "کہ" سے شروع ہوتا ہے۔ جیسے وہ بہت اداس بیٹھا تھا کہ یہ خوش خبری پہنچی، کبھی 'جو' ان معنوں میں آتا ہے۔ جیسے، سب سوچ میں بیٹھے تھے جو اس نے یہ کہا

(یہاں جو کے معنے 'کہ اتنے میں' کے ہیں)

بعض اوقات تمیز زمانی محذوف ہوتی ہے، جیسے، سب نے چیخنا چلانا شروع کیا تو بھاگ گیا۔

تمیزی جملہ مکانی، جہاں اور جدھر کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے، جہاں وہ جاتا ہے وہیں تم جاتے ہو۔ جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے۔

کبھی جوابی 'وہاں'، یا 'ادھر' محذوف بھی ہوتے ہیں۔ جیسے، جہاں سینگ سمائیں چل دو۔

تمیزی جملہ کبھی طور و طریقہ کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے ساتھ جو نہیں یا جیسے

آتا ہے ۔ مثلاً ، جو نہیں وہ دروازے سے نکلا تھا کہ میں پہنچا پہلے، جو نہیں کے جواب" وہیں"۔ استعمال ہوتا تھا مگر آج کل متروک ہے ۔ اگر ایسی ہی ضرورت ہوتی ہے تو 'کہ' یا 'جو' لے آتے ہیں ۔ اور جیسے کے جواب میں ویسے ۔ مثلاً ، جیسے آپ مجھ پر مہربانی فرماتے ہیں ویسے اس پر بھی نظر کرم رکھئے گا ۔

اکثر ویسے محذوف ہوتا ہے مثلاً جیسے آپ کہیں ، میں کرنے کو تیار ہوں ۔ جیسے بنے انھیں ساتھ لیتے آؤ ۔

بعض اوقات جوں جوں اور جیسے جیسے بھی استعمال ہوتے ہیں اور ان کے جواب میں دوں دوں تو شاذ و نادر اور ویسے ویسے بہت کم آتے ہیں ۔ جیسے ۔

" مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی "

جیسے جیسے وہ خط پڑھتا جاتا تھا اس کا رنگ متغیر ہوجاتا تھا ۔

جوں جوں اور جیسے جیسے والے تمیزی جملوں میں جب کہ گذشتہ زمانہ ہو ہمیشہ افعال ماضی ناتمام کی کوئی نہ کوئی صورت استعمال ہوتی ہے مثلاً جوں جوں میں اسے سمجھاتا تھا وہ اور بگڑتا تھا ۔ جیسے جیسے وہ قریب آتا گیا میں دور ہوتا گیا وغیرہ وغیرہ

جب ، جیسے اور ایسے محض تشبیہاً استعمال ہوتے ہیں اور تشبیہ خیالی اور فرضی ہو تو فعل مضارع استعمال ہوگا ۔ جیسے ، یہ حرف تو ایسا لکھا ہے ، جیسے انگوٹھی میں نگینہ جڑا ہو ۔ وہ اس طرح دفعتاً اس پر آ گرا جیسے آسمان سے بجلی گرے ۔

لیکن تشبیہ حقیقی ہو تو فعل خبریہ آتا ہے ۔ جیسے ، یکایک اس طرح تیر برسنے لگے ، جیسے ساون میں مینھ برستا ہے ۔ یہ استعمال زیادہ تر بولنے

یا لکھنے والے کی مرضی یا طرزِ بیان پر منحصر ہوتا ہے) ۔

تمیزی جملہ سببی ، خاص جملے کی علت یا وجہ کو ظاہر کرتا ہے اس کی ابتدا عموماً ،جو، سے ہوتی ہے ،جس کے معنی چوں کہ ہوتے ہیں اور اس کا جواب ،تو، یا سو، سے ہوتا ہے ۔ جیسے ، ہم جو اس تکلیف اور مصیبت میں ہیں تو ہماری بات نہیں پوچھتا ۔

بعض اوقات تمیزی جملہ سببی شرط کو بھی ظاہر کرتا ہے ۔ خاص جملہ، شرط اور جملہ تابع، جزا کہلاتا ہے ۔ شرطی جملے میں جو یا اگر اور جزا میں تو آتا ہے ۔ جیسے ، جو حال یہ ہے تو خدا ہی حافظ ہے ۔

شرطی جملوں کے ساتھ افعال کے استعمال میں احتیاط لازم ہے ،شرط میں تین حالتیں پائی جاتی ہیں ۔

۱ - امکانی
۲ - حقیقی
۳ - غیر امکانی

۱ ۔ صورت امکانی ۔ بعض اوقات ممکن ہے کہ شرط ذہن میں امکانی صورت رکھتی ہو لیکن واقعے کے مطابق نہ ہو ۔ ایسی حالت میں فعل مضارع یا افعال احتمالی استعمال کیے جائیں گے ۔

لیکن جب علت یا نتیجہ یقینی ہو تو اس وقت خاص جملے کا فعل مطلق ہو گا جیسے اگر وہ کل آگیا تو میں کیا کر لوں گا ۔ وہ تمہارے ہی پاس رہے تو اچھا ہے

مگر جب نتیجہ امکانی صورت رکھتا ہے تو فعل مضارع یا کوئی فعل احتمالی استعمال ہو گا ۔ جیسے ، میں سوچ لوں تو جواب دوں (یہاں شرط اور جزا دونوں میں فعل مضارع استعمال کیا گیا ہے) ۔ اگر آپ اس سے پیچھا چھڑانا ہی چاہتے

ہیں تو ایک تدبیر عرض کردوں۔

۲۔ جب صورت شرط واقعی ہے یعنی مستقبل یا گزشتہ یا زمانۂ حال میں جیسی وقوع کی صورت ہو، تب شرطی جملے میں فعل مستقبل ہوگا یا کوئی اور فعل مطلق لیکن جزا میں حسب حالات مذکورہ فعل مضارع یا احتمالی یا مطلق آئے گا۔ جیسے۔

جو تم اُسے چھیڑو گے تو خفا ہو جائے گا۔ میں اگر اُسے مارتا ہوں تو بھاگ جائے گا۔ جو تم ہی نہ آئے تو پھر کون آئے گا۔ تم نے نہیں کہا تو اور کس نے کہا۔

۳۔ تیسری صورت جب کہ شرط اور جزا دونوں خلاف واقعہ اور ناممکن الوقوع ہوں۔

شرطی فقرے میں ایسی شرط کا اظہار ہوتا ہے جو وقوع میں نہیں آئی۔ مگر جزا میں اس نتیجے کا اظہار ہوتا ہے جو شرط کے قاصر رہنے کی وجہ سے واقع نہیں ہونے پایا۔ ایسی صورت میں عموماً فعل ماضی شرطیہ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، اگر میں ان سے پوچھتا تو وہ مجھ سے کہہ دیتے۔ اگر وہ مر جاتا تو سارا پاپ کٹ جاتا۔

بعض اوقات ایسے موقع پر خبر میں ماضی بعید بھی استعمال ہوتی ہے۔ جیسے وہ چاہتا تو آسکتا تھا۔ کبھی "تھا"، یا "ہوتا"، بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے، وہ آجاتا تو اچھا تھا یا اچھا ہوتا۔

حرف شرط عموماً محذوف بھی ہوتا ہے۔ جیسے، وہ آئے تو میں چلوں۔ وہ کہتا تو میں مرمٹ جاتا۔

اس موقع پر "ہو تو ہو"، محاورے کا بھی خیال رہے جو محض تاکید کے لئے آتا ہے۔ جیسے،

" غسل میت ہی ہمارا غسل صحت ہو تو ہو "

جو جملے، نہیں تو " ما " ورنہ " کے ساتھ آتے ہیں ان میں پورا فقرہ شرطیہ محذوف ہوتا ہے۔ مجھے اس کے حکم کی تعمیل ضرور ہے ورنہ خدا جانے وہ کیا کر بیٹھے (یعنی اگر میں نے اس کے حکم کی تعمیل نہ کی تو . . . .) اگر آپ نے قبول کیا تو بہتر، ورنہ مجھے اس کے پاس جانا پڑے گا (یعنی اگر آپ نے قبول نہ کیا تو . . . . .)

بعض اوقات تمیزی جملہ امکانی اور شرطی دونوں ہوتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ شرطی جملہ 'جب' سے شروع ہوتا ہے اور جزا میں 'تو' آتا ہے۔ جیسے وہی نہیں آتا تو میں کیوں جاؤں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حرف شرط 'جب' جملے میں محذوف ہوتا ہے اور حرف 'تو' سے ظاہر ہوتا ہے کہ جملہ شرطیہ ہے، جیسے، میں چلنے لگا تو رو رو کر مجھے لپٹنے لگے۔

کبھی حرف جزا 'تو' بھی محذوف ہو جاتا ہے۔ جیسے کیا ہوا اگر ہم نہ گئے۔

استدراکی جملہ بھی ایک قسم کا شرطی جملہ ہوتا ہے اور افعال کے استعمال میں اس پر بھی وہی قواعد جاری ہیں جو شرطیہ جملے پر۔ جملۂ تابع کے ساتھ الفاظ تو بھی، پر، تاہم، لیکن اور مگر آتے ہیں۔ جیسے، اگرچہ یوں تو وہ بے وقوف ہے مگر اپنے مطلب میں بہت ہوشیار ہے۔ اگرچہ وہ بہت متحمل ہے تاہم انسان ہے، غصہ آ ہی جاتا ہے اگرچہ میری اس سے اچھی ملاقات ہے تو بھی ایسی فرمائش کرتے ہوئے تامل ہوتا ہے۔ گو اس وقت نہ مانے مگر آخر ایک روز ماننا پڑے گا۔

بعض اوقات 'خواہ'، 'یا چاہے' شرطی جملے میں شرطی حرف عطف کے بجائے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے، خواہ اس نے نیک نیتی ہی سے کیا ہو مگر کیا بہت برا، چاہے نہ کچھ ہی کہے، پر مجھے یقین نہیں آتا۔

٭ ٭ ٭

جملے میں الفاظ کی ترتیب

۱ ۔ عموماً جملے کے تین حصے ہوتے ہیں

۱ ۔ مبتدا ،

۲ ۔ خبر

۳ ۔ فعل رابط

جیسے ، احمد ہوشیار ہے ۔

لیکن متعدی افعال کی صورت میں اول مبتدا (یا فاعل) اس کے بعد مفعول اور اس کے بعد فعل خبر ہوتا ہے ۔

۲ ۔ اردو میں یہ ترتیب اکثر قائم نہیں رہتی اور کبھی تاکید اور زور دینے کی خاطر، کبھی تعجب و افسوس یا خوشی کے لئے اور کبھی محض قافیے کے خیال سے اس ترتیب میں تغیر و تبدیل واقع ہو جاتا ہے ۔ جیسے ، ایسے ہوتے ہیں قوم کے سردار اور محسن ۔ حیف ہے تجھ پر ۔ کون ہے جو تمھیں نہیں جانتا ؟ لعنت ہے ۔ ایسی حرکات پر ۔ وغیرہ وغیرہ

۳ ۔ فعل متعدی کا مفعول اس کے بالکل متصل قبل آتا ہے ، جیسے ، میں نے اُسے بلایا ۔ لیکن جب زور دینا مقصود ہوتا ہے تو مفعول جملے کے شروع میں آتا ہے ۔ جیسے ، اس عیار سے میں کیوں کر نبھا سکوں گا ۔ خود فعل جب شروع میں آتا ہے تو اس کا زور ظاہر ہوتا ہے ۔

جیسے ، ماروں کیا میں تجھے ؟ دوں ایک تھپڑ ؟

جب مفعول دو ہوں تو مفعول قریب جو (عموماً اشیا کے متعلق ہوتا ہے) فعل کے متصل آتا ہے۔ جیسے، میں تمھیں انعام دوں گا۔ نیز جو الفاظ فعل کی غرض و غایت ظاہر کرتے ہیں وہ ہمیشہ فعل کے متصل آتے ہیں۔ جیسے، میں تمھیں سمجھانے آیا ہوں۔ لیکن جب زور مقصود ہوتا ہے تو یہ الفاظ بھی فعل کے بعد آتے ہیں۔ جیسے، یہ شخص اتنی دور سے آیا ہے صرف تمھاری ہدایت کے لیے۔

۴۔ بعض اوقات بلالحاظ زور و تاکید کے مفعول اول آجاتا ہے۔ جیسے آدمی کو آدمی کھائے جاتا ہے۔ جب ہونا سے مشتق افعال آتے ہیں۔ تو خبر اول آتی ہے۔ جیسے، ناصح کو سودا ہوا ہے۔ خصوصاً ظرفی حالتیں۔ جیسے گھر میں کوئی شخص نہیں۔ حامد کے پاس طوطا ہے۔

لیکن مفصلہ ذیل امثلہ میں مفعول زور دینے کی غرض سے اول آیا ہے۔

ان چیزوں کو تم کہاں لئے جاتے ہو؟
یہ کاغذ میرے کام کے نہیں۔
جو تم کہو گے وہی کروں گا۔

۵۔ جہاں دو چیزوں کا مقابلہ ہوتا ہے وہاں زور اور تاکید کا ایک لفظ جملے کے پہلے حصّے کے شروع میں آتا ہے اور دوسرا لفظ دوسرے حصّے کے شروع میں۔ جیسے، کمائیں میاں خان خاناں اور لٹائیں میاں فہیم۔ دکھ میرے لئے ہے اور سکھ تمھارے لئے۔ محنت میں کروں اور چین وہ کرے۔

۶۔ فجائیہ جملوں میں بھی اظہار نفرت، تعجب و افسوس وغیرہ کے لئے

ترتیب بدل جاتی ہے اور الفاظ تعجب و افسوس وغیرہ جملے کے شروع میں آتے ہیں۔ جیسے لعنت ہے ایسے کام پر۔ افسوس تمھاری حالت پر۔ ایسے جملوں میں فعل ربط اکثر محذوف ہوتا ہے۔

۷۔ لفظ ندا عموماً اول آتا ہے لیکن زور دینے کے لئے آخر میں آجاتا ہے جیسے، تونے ایسا کیا کیوں ظالم! تیری یہی سزا ہے کم بخت!

۸۔ جب ضمائر شخصی ہر سہ قسم ایک جگہ جمع ہو جائیں تو ترتیب حسب ذیل ہوگی۔

اوّل ضمیر متکلم دوم ضمیر مخاطب اور سوم غائب، جیسے:-
ہم تم مل کے چلیں گے۔ ہمیں تمھیں وہ ایک ہی سمجھتے ہیں۔ ضمیر موصولہ ہمیشہ اوّل آتی ہے۔ جیسے، جو تم کہو وہی کروں گا۔

۹۔ ہر قسم کی صفات ان اسماء سے قبل آئیں گی جن کی وہ صفت بیان کرتی ہیں لیکن جس وقت وہ بعد میں آتی ہیں تو عموماً خبر کے طور پر استعمال ہوتی ہیں یا زور دینے یا خصوصیت ظاہر کرنے کی غرض سے جیسے
یہ بڑا غدار شہر ہے۔ اس اجڑے گاؤں میں کیوں چلے گئے۔ وعدہ پکا کرو وہ ہمیشہ کا دکھیا ہے۔ وہ کچھ ہو بھی گئے ہیں مغرور۔
بعض اوقات زور دینے کے لیے صفت کو اسم سے علاحدہ کرکے جملے کے آخر میں لاتے ہیں۔ جیسے، یہ جنگ ہے بڑی خوفناک اور خوں ریز۔ چلتے چلتے ایک بڑا پہاڑ ملا۔ ہرا بھرا اور بہت اونچا۔

۱۰۔ اردو، میں بدل مبدل منہ بطور صفت موصوف کے ہوتے ہیں۔ یعنی بدل اول آتا ہے۔ مبدل منہ سے جس کی وہ ایک قسم کی صفت ہے جیسے کلو چمار آیا تھا۔ حاجی کا بیٹا شمو گیا۔ کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے۔

جیسے تمھارا بھائی احمد کہاں ہے ؛

۱۱ ۔ ترکیب اضافی میں بعض اوقات ترتیب بدل جاتی ہے اور یہ فارسی کا اثر ہے جیسے، یہ قلم آپ کا ہے یہ کتاب میری ہے ۔

بعض اوقات مضاف الیہ اور مضاف میں فصل پڑ جاتا ہے ۔ جیسے

یہاں تیرا کیا کام ہے ۔ تمھارا کیوں نہ دم بھر دل ۔

لیکن یہ فصل وہیں تک جائز ہے کہ مطلب مبہم نہ ہو جائے ۔

۱۲ ۔ تمیزی الفاظ یا فقرے ۔ جیسے جلدی چلو ۔ وہ شہر میں رہتا ہے، وہ مجھے ہر روز ستاتا ہے ۔ عموماً ان الفاظ کے قبل آتے ہیں جن سے ان کا تعلق ہوتا ہے ۔ بعض اوقات وہ فعل اور اس کے مفعول کے درمیان آجاتے ہیں ۔ عام طور پر یوں سمجھنا چاہیے کہ جوں جوں وہ ایسے الفاظ کو دور ہو جاتے ہیں ویسے ہی زور زیادہ بڑھ جاتا ہے ۔ انھیں الفاظ متعلقہ کے بعد یا افعال کے دو اجزا کے درمیان لانے سے زور پیدا کیا جاتا ہے ۔ جیسے اس کا مزاج چڑچڑا بہت ہے ۔ یہ کہو تم آؤ گے کب ۔ اب تمھیں چھوڑ کر جاؤں کہاں ۔

لیکن جب تمیز کا تعلق کل جملے سے ہوتا ہے تو جملے کے اول آتی ہے جیسے ، دفعتاً وہ چھت پر سے گر پڑا ۔

۱۳ ۔ ہی، جو تمیز کے طور پر استعمال ہوتا ہے ۔ اس کا استعمال اُردو میں بہت کثرت سے ہے اور اسم ، ضمیر ، صفت ، فعل کے ساتھ آتا ہے ۔ جیسے گھر ہی میں رہو ۔ آپ ہی چلیں ۔ خوب ہی برسا ۔ کسی طرح جانا ہی نہیں ۔ وہ سنتے ہی چل دیا ۔

ہے ، کے بعد جب ہی آتا ہے تو اس کا تلفظ اس طرح ادا ہوتا ہے گویا

" " "نہیں ہے اور ہے کے بعد ایک ی اضافہ کردی گئی ہے۔ یعنی نہی۔
(ہی ہی) اب دوسرے کی فکر کرو۔

جہاں فعل کے دو جز ہوتے ہیں۔ وہاں یہ ان کے درمیان آتا ہے۔
جیسے، میں تو کر دوں ہی گا۔ میں تو تیار ہوں پر وہ کسی طرح چلتا ہی نہیں۔

جب فعل کے ساتھ حالیہ معطوفہ ہو تو "ہی" ان دونوں کے درمیان
آتا ہے۔ جیسے آدمی کچھ کھو کر ہی سیکھتا ہے اس نے مجھے سمجھ کر ہی کہا۔

۱۴۔ فعل جب مفرد ہوتا ہے تو حرف نفی ہمیشہ اول آتا ہے، مگر مرکب
ہونے کی حالت میں فعل کے اول نیز ہر دو جز کے درمیان دونوں طرح
جائز ہے۔ جیسے میں نہیں جا سکا۔ میں جا نہیں سکتا۔ اُسے نہ جانے دو۔ اسے
جانے نہ دو۔ اس کا حال کہا نہیں جاتا۔ اس کا حال نہیں کہا جاتا۔

مفرد فعل کے ساتھ بھی نہیں کبھی بعد میں آ جاتا ہے۔ جیسے۔
مانتا نہیں۔ اُٹھو مت۔ اس میں کسی قدر تاکید پائی جاتی ہے۔

فعل مجہول میں بھی جب حرف نفی امدادی فعل کے متصل آتا ہے تو اس
میں بھی نفی کی تاکید مقصود ہوتی ہے جیسے، مجھ سے یہ الفاظ سُنے نہیں جاتے۔

مرکب افعال کے اجزا میں زور اور تاکید کی غرض سے صرف حرف نفی سے
فصل نہیں ہوتا بلکہ دوسرے الفاظ سے بھی اسی غرض کے لئے فصل آتا ہے
جیسے، ہوں تو میں ایسا ہی۔ وہ ہو تو ایسا ہی گیا ہے

۱۵۔ ہی، کی طرح بھی، بھی انھیں الفاظ کے متصل آتا ہے جن پر زور دینا
مقصود ہوتا ہے۔ جیسے میرا بھی ایک بھائی وہاں نوکر تھا یہاں صرف
بھائی کی ملازمت کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا مقصود ہے اسی
طرح میرا ایک بھائی نوکر بھی تھا۔ (یہاں صرف ملازمت پر بے کاری کے

مقابلے میں زور دینا مقصود ہے)۔

۱۶۔ "تو" بھی زور دینے کے لئے آتا ہے اور ہمیشہ اس لفظ کے بعد استعمال ہوتا ہے جس پر زور دینا مقصود ہے۔ وہ تو ضرور آئے گا۔

مگر جب یہ لفظ شرط کے جواب میں آتا ہے تو وہاں صرف جزا کے لئے آتا ہے اگر وہ آج آجائے تو بہت اچھا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو جاؤں۔

۱۷۔ حروف عطف اور، کہ، یا، پر، لیکن، مگر، جو، اگرچہ جملے کے شروع میں آتے ہیں، لیکن زور کے مقام پر زور دینے کے الفاظ ان سے اوّل ہوجاتے ہیں، جیسے وہ شخص اگر آیا بھی تو میں اسے مُنہ نہ لگاؤں گا، وہ اگرچہ بڑا عالم فاضل ہے مگر تمیز چھو کے نہیں گئی۔

۱۸۔ مرکب جملوں میں بھی ایسا ہوتا ہے کہ زور دینے کی غرض سے مابعد کا جملہ ماقبل ہوجاتا ہے، جیسے، اس کا دل بڑا ہی سخت ہو گا جس نے ایسی سزا اس غریب کو دی ہے۔

شرط کا جملہ ہمیشہ جزا سے قبل آتا ہے، اسی طرح وہ تمیزی جملے جو زمان ومکان اور حالت ظاہر کرنے میں خاص جملے سے قبل آتے ہیں، لیکن اگر زور خاص جملے پر ہے تو وہ اوّل آتا ہے۔ جیسے، یہ تو ہم اسی وقت سمجھ گئے تھے جب اس نے ایسی حرکت کی تھی، ہمیں یہ کام اسی حد تک کرنا چاہیے جہاں تک ہمارے اختیار میں ہے۔

نظم میں جملے کی معمولی ترتیب قائم نہیں رہتی، ضرورت شعری کسی ترتیب کے تابع نہیں۔

رموز و اوقاف (PUNCTUATION)

اوقاف، یا وقفے ان علامتوں کو کہتے ہیں، جو ایک جملے کو دوسرے جملے سے، یا کسی جملے کے ایک حصے کو دوسرے حصوں سے علاحدہ کریں۔ ان اوقاف کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اوّل تو ان کی وجہ سے نظر کو سکون ملتا ہے اور وہ تھکنے نہیں پاتی، دوسری بڑی بات یہ ہے کہ ذہن ہر جملے یا جزو جملہ کی اصلی اہمیت کو پہچان لیتا ہے اور مطلب سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

جو علامتیں وقفوں کے اظہار کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔ ان کے نام اور شکلیں حسب ذیل ہیں:۔

علامت	اردو نام	انگریزی نام
،	سکتہ	COMMA چھوٹا ٹھہراؤ۔
؛	وقفہ	SEMICOLON ٹھہراؤ۔
:	رابطہ	COLON ملاؤ۔ (یعنی مجمل سے مفصل کو ملانے والا)
:-	تفصیلیہ	COLON AND DASH رابطہ اور خط تفصیل بتانے والا
۔	ختمہ	FUL STOP
؟	سوالیہ	NOTE OF INTERROGATION
!	فجائیہ ندائیہ	NOTE OF EXCLAMATION
( ) یا [ ]	قوسین	BRACKETS
—	خط	DASH
" "	واوین	INVERTED COMMAS
٧	زنجیرہ	HYPHEN

علامتوں کا محل استعمال

سکتہ (،)

یہ سب سے چھوٹا وقفہ ہوتا ہے ، یہ حسب ذیل موقعوں پر استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ ایسے اسمار یا ضمائر کے بیچ ہیں جو ایک دوسرے کے بدل کا کام دیتے ہوں جیسے :۔ جہاں گیر، ابن اکبر، شاہنشاہ ہندوستان نے جب ۔۔۔۔۔

۲۔ ایک ہی قسم کے کلمہ کے ان تین یا تین سے زائد لفظوں کے بیچ ہیں جو ساتھ ساتھ استعمال کئے گئے ہوں ۔ (اس حالت میں جب کہ یا تو صرف آخری دو لفظوں کے درمیان حرف عطف یعنی و ، یا اور یا حرف تردید یعنی یا آئے)۔

(ا) حیدرآباد ، میسور اور ٹراونکور جنوبی ہند کی ریاستیں ہیں - (اس میں تینوں الفاظ اسم ہیں)۔

(ب) چوری کرنا مذہباً ، اخلاقاً اور رسماً برا سمجھا جاتا ہے - اس کا ارتکاب عملِ غائبانہ جاہلانہ ، اور سفیہانہ ہے (ان میں تینوں الفاظ متعلقات فعل ہیں)

(ج) اکبر بہت عقلمند ، وسیع النظر ، ہمدرد اور مدبر بادشاہ تھا ، (یہاں الفاظ صفات ہیں)۔

۳۔ ندائیہ لفظوں کے بعد جیسے :۔

(ا) جناب صدر ، خواتین وحضرات } (یہاں تینوں اسم منادی ہیں)
(ب) اے ماؤ ، بہنو ، بیٹیو ، ۔ ۔ ۔

(ج) جناب من، تسلیم۔
(د) میرے محبّ صادق، وعلیکم السلام۔
(ہ) عزیز من، بہت بہت دعا۔

۴۔ جب ایک ہی درجے یا رتبے کے لفظ جوڑوں میں استعمال ہوں، تو ایک جوڑے اور دوسرے جوڑے کے درمیان سکتہ دیتے ہیں:۔ دن ہو کہ رات، سفر ہو کہ حضر، خلوت ہو کہ جلوت، انسان کو چاہیے کہ خدا کو نہ بھولے۔

۵۔ ایسے اجزائے جملہ کے درمیان جو تشریحی ہوں، سکتہ آتا ہے:۔
یہ چبوترا ۳۰ فٹ لمبا، ۲۰ فٹ چوڑا، ۵ فٹ اونچا ہے۔

۶۔ دو یا زیادہ ایک ہی درجے کے ایسے چھوٹے جملوں کے بیچ میں جو ایک بڑے جملے کے جز ہوں:۔
(الف) میں گھر سے بازار گیا، بازار سے مدرسے آیا، اب مدرسے سے گھر واپس جاتا ہوں۔
(ب) کھیلنے کے وقت کھیلو، پڑھنے کے وقت پڑھو۔
(ج) وہ کھیل کے آیا، نہایا، کپڑے بدلے، چائے پی اور سیر کو چلا گیا۔
(د) زباں بگڑی سو بگڑی تھی، خبر لیجیے دہن بگڑا۔
(ہ) نہ نو من تیل ہوگا، نہ رادھا ناچے گی۔

۷۔ شرط اور جزا یا صلے اور موصول کو بیان کرنے والے } سادہ جملوں کے بیچ میں:۔
(الف) اگر ہم جانتے داغ جدائی، نہ کرتے اتنی الفت تم سے بھائی۔
(ب) اس کے منہ جو کوئی لگا، ذلیل ہی ہوا۔

(ج) جب مطلع صاف ہو گیا اور سورج نکل آیا، تو میں اپنے گھر سے نکلا

(د) جس شخص نے مجھ سے، آپ سے کل باتیں کیں، وہ زید تھا۔

۸۔ ایسے سادہ جملوں کے بیچ میں جو مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کا بیان کریں۔

(ا) وہ شخص ایماندار ہے، لیکن سست۔

(ب) سارا زمانہ آیا، پر نہ زید نہ آیا۔

۹۔ جب ایک سادہ جملہ دوسرے کی توجیہ کرے، تو دونوں کے بیچ میں سکتہ آتا ہے :-

(ا) میں نہیں گیا، اس لئے کہ وہ خود ہی میرے ہاں آپہنچا۔

(ب) اسے گھر بیٹھے نوکری مل گئی، پھر باہر کیوں جاتا ؟۔

(ج) خوب دوڑا کرو، جس سے بھوک اچھی طرح لگا کرے۔

۱۰۔ جب کسی فعل کے بعد "کر" یا "کے" مقدر ہو تو سکتہ لگانا ضروری ہے۔

(ا) وہ چھڑی ہاتھ میں لے، نکل کھڑا ہوا۔

(ب) وہ یہ جا، وہ جا، چمپت ہو گئی۔

۱۱۔ جب مبتدا اور خبر کے بیچ میں کوئی حجاب نہ ہو، تو سکتہ ضرور ڈال دیتے ہیں:-

(ا) یہی مجموعہ یا انتخاب مضامین، مطبوعہ رسالے کا نہایت عمدہ اشتہار بھی بن گیا۔

(ب) حالی، مسدس حالی کے مصنف ہیں۔

(ج) مسدس، حالی کی سب سے ممتاز تصنیف ہے۔

(د) نذیر احمد کی سب سے عام پسند کتاب، "مرآۃ العروس" ہے

۱۲۔ عبارت اور خصوصاً شعر کی تعقید کو دور کرنے کے لئے بھی سکتہ لگاتے ہیں:-

(ا) اس زمانے میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں، کتنے پہلوؤں کی

رسموں کو پکڑے ہیں۔ کتنے قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں، اور کتنے مولویوں کی باتوں کو جو انھوں نے اپنے ذہن کی تیزی سے نکالی ہیں، سند پکڑتے ہیں اور کتنے، اپنی عقل کو دخل دیتے ہیں۔

(ب) سب رقیبوں سے ہوں ناخوش، پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش، کہ محوِ ماہ کنعاں ہو گئیں

(ج) تارِ ریشم کا نہیں، ہے یہ رگِ ابرِ بہار

(د) کروں بیدادِ ذوقِ پر فشانی، عرض، کیا قدرت؟

(ہ) دیوار بارِ منّتِ مزدور سے، ہے خم۔

(و) نہ لے مشکل، ہے یہ حکمت، دل میں سوزِ غم چھپانے کی۔

(ز) نہیں بہار کو فرصت، نہ ہو، بہار تو ہے۔
"طراوتِ چمن و خوبی ہوا کہیے"

- اور، یا وغیرہ سے پہلے تب ہی سکتہ لگاتے ہیں کہ لفظوں پر خاص طور پر زور دینا منظور ہو۔

مشق

ان جملوں میں حسبِ ضرورت سکتہ لگاؤ،

زید عمر اور بکر تینوں بازار گئے۔ تعریف کرنا تو درکنار وہ اور اُلٹا مجھ پر خفا ہوئے، چونکہ دیر بہت ہو گئی تھی اور دھوپ لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جاتی تھی اس لیے ہم نے واپس ہونا ہی مناسب سمجھا، دنیا اور اس کے مناظر پہاڑ دریا نیلا آسمان دمکتے ہوئے تارے چمکتا ہوا سورج یہ سب شاعری کے موضوع ہو سکتے ہیں۔ جو کرے سو جانے۔ اے ماؤ بہنو بیٹیو دنیا کی زینت تم سے ہے۔ جسے زندگی کہتے ہیں وہ صرف کھانے پینے رہنے سہنے اٹھنے بیٹھنے شادی کرنے کا نام نہیں ہے

وہ تندرستی کی تصویر تھا بالا قامت چمکتی ہوئی آنکھیں فراخ سینہ بھرے بھرے بازو۔ اس میں شک نہیں کہ جو شخص دامے درمے قدمے اپنے ابنائے وطن کی مدد کرے ہر طرح سے لائق تحسین ہے لیکن جو بچارا علمی ہمدردی کے ذرائع نہیں رکھتا اور صرف ایک ہمدرد دل رکھتا ہے وہ بھی کچھ کم مستحق ستائش نہیں ہے۔

وقفہ (؛)

جب سکتے سے زیادہ ٹھیراؤ کی ضرورت پڑے، تو وقفہ استعمال کرتے ہیں۔ اس کا استعمال حسب ذیل موقعوں پر ہوتا ہے

۱۔ جملوں کے لمبے لمبے اجزا کو ایک دوسرے سے علاحدہ کرنے کے لئے۔ (یہاں سکتوں کے علاوہ وقفوں کا استعمال اس وجہ سے ضروری ہے کہ خلط مبحث نہ ہو جائے)

جیسے :-

حق یہ ہے کہ اس زمانے میں، جب کہ قومی تپش نما کا پارہ ہر گھڑی گھٹتا بڑھتا رہتا ہے؛ جب کہ باوجود تعلیمی کاموں کی کثرت کے، قومی تعلیم کا کوئی صحیح خاکہ ہمارے سامنے نہیں ہے؛ جب کہ سیاسی تار و پود سارے ملک میں پھیلا ہوا ہے مگر کوئی طریقہ قومی فلاح کا ایسا نہیں ہے، جس پر تمام جماعتیں متفق ہو سکیں؛ جب کہ مصلحت اور اصول، اچھائی اور صداقت، تلون اور استقامت میں اکثر مغالطہ ہو جاتا ہے؛ جب کہ باوجود سادگی کے ادعا کے، عیش پرستی کے بہت سے چور دروازے کھلے ہوئے ہیں؛ جب کہ باوجود ایثار و قربانی کے دعووں کے، حقیقی ایثار نفس اور ضبط نفس بہت کم نظر آتا ہے، نواب وقار الملک کی سیرت ایک بڑی نعمت ہے۔

۲۔ جہاں جملوں کے مختلف اجزا پر زیادہ تاکید دینا منظور ہوتا ہے وہاں بھی رابطے استعمال ہوتے ہیں۔

(ا) جو کرے گا، سو پائے گا، جو بوئے گا، سو کاٹے گا،

(ب) آنا، تو خفا آنا، جانا، تو رلا جانا۔

آنا ہے تو کیا آنا، جانا ہے، تو کیا جانا۔

(ج) تم روئے اور ہمارا دل بے چین ہوا، تمھاری انگلی دکھی، تو ہمارے دل پر چوٹ لگی، مصیبتیں ہم نے بھریں، تکلیفیں ہم نے اٹھائیں، راتوں کو اٹھ اٹھ کر ہم بیٹھے، کندھے سے لگایا، چمکارا، لوریاں سنائیں، غرض کہ جان، مال، آرام سب تمہارے لئے تج دیا۔ کیا اس کا یہی صلہ ہے؟

۳۔ جن جملوں کے بڑے بڑے اجزار کے درمیان ورنہ، اس لئے، لہذا، اگرچہ چہ جائیکہ، درانحالیکہ، لیکن، اور اسی قسم کے ربط دینے والے الفاظ آئیں، وہاں ذہن کو سمجھنے کا موقع دینے کے لئے ان لفظوں سے پہلے وقفے کی علامت لگاتے ہیں:۔

واضح رہے کہ جب مذکورہ بالا الفاظ چھوٹے چھوٹے جملوں کو ملاتے ہوں تو یہ علامت نہ لگائی جائے گی بلکہ سکتہ ہی کافی ہوگا۔

(ا) اگرچہ آجکل نقادان فن اس بات کو مذموم سمجھتے ہیں کہ کسی خاص غرض کو پیش نظر رکھ کر، یا کسی خیال یا رائے کی اشاعت کے لئے کوئی ڈراما لکھا جائے، لیکن ہندوستان جیسے ملک میں، جہاں زندگی کا ہر پہلو قابل اصلاح ہے اور معاشرت کے ہر شعبے میں تذبذب اور انتشار بپا ہے۔ فن کی بعض نازک اور خیالی خوبیوں کو قربان کر سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ سلیقے سے لکھا جائے۔

(ب) چونکہ نکاح سے پہلے ہی نسبت توڑ دی گئی اور لڑکی چچا سے علاحدہ کر دی گئی، اس لئے ایسی شادی سے جو مذموم اور دردناک نتائج پیدا ہوتے

ہیں ان کا موقع ہی نہیں آیا۔

۴۔ جن صورتوں میں سکتہ لاتے ہیں ان میں صرف ایسی حالت میں لائیں گے جب جملوں کے بعض ایسے حصوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنا پڑے جن میں اندرونی طور پر سکتہ موجود ہے۔

(ا) حیدر آباد، میسور، اور ٹراونکور، جنوبی ہند کی؛ بھوپال، گوالیار اور اندور وسط ہند کی بڑی ریاستیں ہیں۔

(ب) حالی کی مسدس، یادگار غالب، حیات جاوید، نذیر احمد کی مراۃ العروس، توبۃ النصوح، محصنات، ایامی؛ شبلی کی الفاروق، موازنہ، سیرت النبی با پڑھنے اور بار بار پڑھنے کے قابل ہیں۔

رابطہ (:)

اس کا ٹھہراؤ وقفے کے ٹھہراؤ سے زیادہ ہوتا ہے۔

(ا) عام طور سے اس کا استعمال وہاں کیا جاتا ہے، جب جملے کے کسی سابقہ خیال یا بات کی تشریح یا تصدیق کی جاتی ہے۔

۱۔ سفر ہو یا حضر، دن ہو یا رات، کام ہو یا تفریح، ہمیشہ اور ہر جگہ اپنی صحت کا خیال رکھو: اگر کوئی نعمت ہے تو یہی ہے۔

(ب) کیا خوب سودا نقد ہے۔ اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

(ج) یہ خاموشی کہاں تک؟ لذت فریاد پیدا کر۔
زمیں پر تو ہو، اور تیری صدا ہو آسمانوں میں۔
یہی آئین قدرت ہے، یہی اسلوب فطرت ہے

(د) کاو کاو سخت جانی، ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا:

(ھ) کسی کلیے کے رسالے کے لئے یہی کافی نہیں ہے کہ وہ متفرق اور مختلف معلومات کی ایک کھتونی ہو۔ اس کا بڑا لوازمہ تحریکی قوت ہے۔ ذوق جستجو کو اشتعال دینا، جودت طبع کو اکسانا یہی اس کا مہا کارج ہے؛ اس کی کامیابی کی جانچ اسی کسوٹی پر ہوتی ہے۔

(و) انسان کو بعضے کاموں کی قدرت ہے، بعضے کی نہیں: وہ چل سکتا ہے؛ دوڑ سکتا ہے؛ مگر اڑ نہیں سکتا۔

۲۔ جب کسی مختصر مقولے یا کہاوت وغیرہ کو بیان کرنا ہو، تو تمہیدی جملے اور اصل جملے کے بیچ میں نیم وقفہ یا رابطہ لاتے ہیں۔

(ا) کسی حکیم کا قول ہے: آپ کاج مہا کاج۔

(ب) بقول شاعر: عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیئے۔

(ج) سچ ہے: گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔

۳۔ ایسے دو جملوں کے بیچ میں رابطہ لاتے ہیں جو آپس میں متقابل یا ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ اور دونوں مل کر ایک پورے خیال کو ظاہر کریں۔ من چلتا ہے: ٹٹو نہیں چلتا۔

۴)۔ جب دو جملوں میں سے ایک، دوسرے کی توضیح کرے مگر کوئی حرف توجیہ ان کے بیچ میں نہ ہو، اور دونوں ان کے درمیان میں رابطہ لاتے ہیں، جیسے: بچوں کو تنہائی میں نصیحت کرنا چاہیئے، سب کے سامنے نصیحت کرنے کا الٹا اثر ہوتا ہے۔

تفصیلیہ:-

یہ علامت عام طور پر "حسب ذیل" کی جگہ کرتی ہے۔ اس کے استعمال کے موقعے یہ ہیں:-

۱۔ کسی طویل اقتباس کو یا کسی فہرست کو پیش کرتے وقت:

(ا) مرزا غالب فرماتے ہیں:۔

(ب) ہندوستان کے بڑے شہر یہ ہیں:۔ ۱۔ بمبئی ۲۔ کلکتہ ۳۔ حیدرآباد ۴۔ مدراس.....

۲۔ کسی جملے کے ساتھ اجزار کا اعادہ کرتے وقت، یہ علامت "حاصل کلام یہ ہے" یا "مختصر یہ ہے" یا "غرض کہ" کا کام دیتی ہے۔

سورج بادلوں سے نکل آیا تھا، گھاس پر شبنم کے قطرے ایسے معلوم ہوتے تھے، گویا سبز مخمل کے فرش میں ستارے جڑے ہوئے ہوں، دھوپ نکھری ہوئی تھی، پہاڑوں کا رنگ بھی دھل کر نیلے ابر کا سا ہو گیا تھا: الغرض مناظر کا لطف اٹھاتے ہوئے ہم اپنی گاڑی میں سوار چلے جا رہے تھے،

۳۔ جب ایک ہی جملے میں کئی کئی باتیں مسلسل پیش کرنا ہوں تو اس علامت کا استعمال کرتے ہیں۔

کچھ میری روزانہ زندگی کا حال سنو:۔ علی الصباح اٹھا، ضروریات سے فارغ ہو کر، نہا دھو کر ناشتہ کیا، ڈاک دیکھی، اگر موسم خوشگوار ہو گیا، تو چھڑی لے کر ٹہلنے چلا گیا، ورنہ گھر ہی میں رہا،

ناریل کے فوائد بے شمار ہیں:۔ اس کا تیل جلاتے ہیں، کھانے میں ڈالتے ہیں، خول سے ڈونگے بنتے ہیں، ریشہ رسیوں کے بٹنے کے کام آتا ہے، کچا ہو تو اس کا پانی پیتے ہیں۔

۴۔ کسی اصول یا قاعدے کی مثال پیش کرتے وقت، جب کہ ایسے موقع پر "مثلاً" یا "جیسے" کا لفظ ترک کر دیا گیا ہو۔

(ا) اسم نام ہے کسی چیز یا شخص کا:۔ زید، کرسی، عمر، بکر،

(ب) صرف دولت کا ہونا خوشی کی دلیل نہیں ہے :- قارون ہی کو دیکھیے۔

مشق

ان عبارتوں میں حسب ضرورت سکتے، وقفے، رابطے، اور تفصیلیے لگاؤ

۱۔ ٹھنڈے دل سے سوچنے کا موقع ہے کہ اس پچاس سال میں ہم نے کیا کیا کیا ہم کیا تھے اور اب کیا ہو گئے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس پچاس میں ایک مدرسہ یونیورسٹی ہو گیا جس کی ابتدا چند طالب علموں سے ہوئی تھی۔ اور اب نوبت ہزاروں تک پہنچ گئی ہے، جہاں چند مکان تھے وہاں اب عالیشان عمارتوں کا سلسلہ ہے۔ ایک ویران کھنڈر لہلہاتا ہوا باغ ہے، ایک غیر معروف مقام علم و فضل کا مرکز بن گیا ہے جس پر تمام مسلمانوں کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں۔

۲۔ اگر تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ شہر بھی عجیب و غریب نظر آتا ہے، زمانۂ قدیم سے محسود آفاق اور مرجع خلائق رہا کبھی راجاؤں مہاراجاؤں کی راج دھانی کبھی سلاطین اسلام کا دار الخلافہ کبھی طغیانی کی بار دولت بہہ کر خراب اور رفتہ رفتہ پھر آباد ہوا کبھی معرکہ جنگ و جدل و قتل عام ہے، کبھی گھر گھر دن عید اور رات شبرات ہے، کبھی مد نظر شاہان و مرجع کمال ہے، کبھی ایک مطلق العنان سودائی کی ٹک سے خاک اکھنڈر ہے کبھی مورد بلیات ہے کبھی منزل برکات و حیات غرض یہ نگری یوں ہی اجڑتی اور بنتی بستی اور بگڑتی رہی۔

۳۔ کسی سفر کے حالات لکھنا اور سفرنامے کو مفید دلچسپ بنانا دراصل ایسے آدمی کا کام ہے جو کافی علم اور وسیع معلومات رکھتا ہو اور اس میں ایسی

قابلیت موجود ہو کہ جو دلچسپ اور حیرت انگیز چیز اس کی نظر سے گذرے یا جو کچھ وہ سنے کامل غور کے بعد اس سے مفید تجربات و نتائج حاصل کر کے دلنشین انداز میں ادا کر سکے۔

۴۔ جان غالب تمہارا خط پہنچا غزل اصلاح کے بعد پہنچتی ہے ؏

ہر اک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے

مصرعہ بدل دینے سے شعر کس رتبے کا ہو گیا ہے۔ اے میر مہدی تجھے شرم نہیں آتی ؏ میاں یہ اہل دہلی کی زبان ہے۔ ارے اب اہل دہلی یا ہندو ہیں یا حرفہ ہیں یا خاکی ہیں یا پنجابی ہیں یا گورے ہیں۔ ان میں سے تو کس کی زبان کی تعریف کرتا ہے۔

۵۔ جب کبھی تم کسی کام کے کرنے سے ہچکچاؤ، کاہلی سبز باغ دکھائے آرام طلبی پر چائے تو کسی بزرگ کا مقولہ یاد کر لیا کرو، کار امروز بفردا مگذار

ختمہ (—)[1]

یہ علامت مکمل جملے کے خاتمے پر لگائی جاتی ہے جہاں ٹھیراؤ بھرپور ہوتا ہے؛ دنیا دارالعمل ہے۔ جب طبیعت خراب ہو تو کوئی کام نہیں ہو سکتا۔

مخففات کے بعد بھی یہ علامت لگا دیتے ہیں :۔

کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ بی۔ اے۔

---

[1] ایرانی تحریروں میں پورا وقفہ (FULL STOP) انگریزی کی طرح نقطے سے ظاہر کرتے ہیں لیکن جن زبانوں میں حروف منقوطہ کی کثرت ہو وہاں یہ علامت التباس پیدا کرتی ہے اس کے لئے چھوٹا خط (—) اردو میں بہت عرصے سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ انگریزی (DASH) کو ہم نے "خط" کہا ہے اور (FULLSTOP) کو "ختمہ"۔

حرف انگریزی کے مخففات کے بعد۔ عربی کے مخففات کے بعد اکثر نہیں لگاتے، ص، صلعم، ع، رض، یوں ہی لکھے جاتے ہیں۔ جب ایک سے زیادہ مخففات ایک ہی سلسلے میں لکھے جائیں تو ہر مخفف کے بعد سکتے کی علامت دینا چاہئے
ڈاکٹر محمد اقبال۔ ایم۔ اے، پی۔ ایچ ڈی، بیرسٹرایٹ لا۔ ہزاگزالٹڈ ہائی نس میر عثمان علی خاں بہادر، جی۔ سی۔ ایس۔ آئی، جی۔ سی۔ بی۔ ای۔

واوین " "

جب کوئی اقتباس دیا جاتا ہے، یا کسی کا قول اسی کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے، تو اس کے اوّل آخر یہ علامت لگائی جاتی ہے:۔
اس نے جواب دیا "میں کل دس بجے یہاں پہنچوں گا" مولانا حالی: میر صاحب کے اس شعر کے متعلق لکھتے ہیں:۔

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید ہی کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

"میر نے باوجود غایت درجے کی سادگی کے، ایسے متبذل اور پامال مضمون کو اچھوتے، نرالے اور دلکش اسلوب میں بیان کیا ہے"

فجائیہ (!)

یہ ان الفاظ یا جملوں کے بعد لگائی جاتی ہے، جن سے کوئی جذبہ ظاہر ہوتا ہے:۔ جیسے غصہ، حقارت، استعجاب، خوف وغیرہ۔ جذبے کی شدت کی مناسبت سے ایک سے زیادہ علامتیں بھی لگا دیتے ہیں۔

اوفوہ! سخت تکلیف ہے۔ معاذ اللہ! بس صاحب! بس!!۔ وہ اور رحم! اس کی امید فضول ہے۔
میں، اور بزم مے سے تشنہ کام آؤں!

سوالیہ (؟)

سوالیہ جملے کے آخر میں لگائی جاتی ہے:۔ کیا ہے؟ کس کی باری ہے؟
کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھ سے کل صبح باغ عامہ میں ملاقات کریں؟

خط (—)

۱۔ یہ علامت جملہ معترضہ کے پہلے اور آخر میں لگائی جاتی ہے:۔
میری رائے — اگرچہ میں کیا اور میری رائے کیا — تو یہ ہے کہ آپ اس سے دست بردار ہو جائیں۔
۲۔ جب کئی لفظ کسی سابقہ لفظ کی تشریح اور تبادلے میں لکھے جائیں، تو بھی یہ علامت لگاتے ہیں۔
سارا مکان — اینٹ، چونا، سامان، لکڑیاں — سب جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔
زید — نہ صرف زید بلکہ اس کا سارا خاندان — ان ہی بزرگ کا معتقد ہے۔

قوسین ( )

یہ علامتیں خط (—) کی طرح جملہ معترضہ کے پہلے اور آخر میں لگائی جاتی ہیں۔

میرا گھر (یعنی مکان کا وہ حصہ جس میں سکونت ہے) بوسیدہ ہوگیا ہے۔
(یہ لکھنے والے کی مرضی ہے کہ خواہ قوسین استعمال کرے، یا خط)۔

ھدایات:۔ قوسین کے استعمال کرنے میں اس بات کا بہت خیال رکھنا چاہیئے کہ ان کے بے جا لانے سے عبارت بے ربط نہ ہو جائے۔ بہت سے لکھنے والے اس کی پروا نہیں کرتے، اور آج کل ایسے اکھڑے ہوئے جملے بہت دیکھنے میں آتے ہیں۔

(ا) محمود علی صاحب (جن کے بڑے بھائی الہ آباد میں تحصیلدار ہیں) کو میں نے کل موٹر پر جاتے دیکھا۔
(ب) حکیم احمد حسین خاں صاحب (جو اردو محلے میں رہتے ہیں اور بڑے حاذق طبیب ہیں) سے میں نے رجوع کیا۔
(ج) مبارک علی میاں (جو کل آپ سے ملنے آئے تھے) کے پاس ایک اعلیٰ درجے کی بندوق ہے۔

ان جملوں میں قوسین کا استعمال اس طرح ہونا چاہیئے تھا:۔
(ا) محمود علی خاں صاحب کو (جن کے ...ہیں) میں نے ....
(ب) حکیم احمد حسین خاں صاحب سے (جو اردو محلے ......طبیب ہیں) میں نے رجوع کیا۔
(ج) مبارک علی میاں کے پاس (جو کل آپ سے ملنے آئے تھے) ایک بڑی اعلیٰ درجے کی بندوق ہے۔

زنجیرہ (۷)

یہ علامت ان مرکب الفاظ کے اجزا کے درمیان لگائی جاتی ہے، جن

کے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ بغیر اس علامت کے، وہ علاحدہ علاحدہ الفاظ سمجھے جائیں گے، خاص طور سے علوم کی مرکب اصطلاحوں میں اس کا لگانا ضروری ہے۔

اردو میں اور علامتیں، مثلاً سکتہ، وقفہ، سوالیہ، فجائیہ وغیرہ تو بہت عرصے سے استعمال کی جا رہی ہیں؛ لیکن زنجیرے کا استعمال اب تک نہیں کیا گیا حالانکہ مرکباتِ لفظی کے اظہار کے لئے اس کی بہت ضرورت ہے، خاص طور پر آجکل، جب کہ انگریزی علوم کا ترجمہ ہو رہا ہے۔ اور مرکب اصطلاحیں کثرت سے بن رہی ہیں؛ اس علامت کا اظہار بہت ضروری ہے، اب تک ہماری زبان کے مرکبات زیادہ تر سالم الاجزا ہوتے ہیں، مثلاً گل بدن، نازک خیال، رنگین بیان وغیرہ؛ یعنی ان کا ہر جزو ایک سالم لفظ ہوا کرتا تھا۔ لیکن آجکل ایسی علمی اصطلاحیں کثرت سے بن رہی ہیں۔ جن کا جزو اوّل سالم نہیں بلکہ اکثر مخفف ہوتا ہے، جیسے۔ نفس ۷ مرضیاتی (نفسی ۷ مرضیاتی) جو (PSYCHO-PATHOLOGICAL) کا ترجمہ ہے، یا جیسے ہند ۷ آریائی۔ (ہندی ۷ آریائی)، جو (INDO-ARYAN) کا ترجمہ ہے۔ انگریزی زبان میں بے شمار الفاظ اور اصطلاحات ایسی نظر آتی ہیں۔ جو اگر (HYPHEN) کا استعمال نہ ہوتا، تو نہ بن سکتیں۔ اگر اردو میں بھی اس کا استعمال عام ہو جائے، تو وضع اصطلاحات کی ایک بڑی دقت رفع ہو جائے۔ مثلاً ایک طبی اصطلاح PENUMO-GASTRIC لیجئے۔ PENUMO. بمعنی شش یونانی لفظ (PENUMONOS) سے لیا گیا ہے، اور GASTRIC یونانی لفظ GASTERROS کی صفت ہے۔ بہ معنی (متعلق بہ معدہ) ان دونوں کو ملا کر ایک نیا مرکب لفظ (PANUMO-GASTRIC) بنا لیا گیا، یعنی جو شش

اور معدے دونوں سے علاقہ رکھتی ہے، اردو میں اس کا ترجمہ "متعلق بہ شش و معدہ" کر سکتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ اصطلاح نہیں ہے، اگر ہم زنجیرے کا استعمال کریں، تو اسی اصطلاح کا ترجمہ "شش ٧ معدی" کر سکتے ہیں جس میں "متعلق بہ" کا مفہوم صرف ایک علامت سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوسری مرکب اصطلاحات جیسے (ANGLO-INDIAN, ELECTRO-MAGNETIC RUSSO-JAPANESE) وغیرہ سب اسی قول کے مصداق ہیں۔ ان کے ترجمے علی الترتیب انگریز ٧ ہندی، روسی ٧ جاپانی برق ٧ مقناطیسی ہوں گے۔ اگر یہ علامت استعمال نہ کی جائے، یا تو کوئی لفظ زنجیرے کی جگہ لے گا، یا مرکب کے اجزا علاحدہ علاحدہ الفاظ سمجھے جائیں گے، اور التباس ہوگا، ہمارا خیال ہے کہ صرف اسی ایک علامت کا صحیح استعمال وضع اصطلاحات کی ایک بڑی دقّت دور کر سکتا ہے۔ ہم نے اسے اس علامت سے (٧) اس لئے ظاہر کیا کہ وصل کا مفہوم واضح ہو جائے، دوسری بات یہ ہے کہ انگریزی (-) HYPHEN ہمارے یہاں پورے وقفے کے لئے استعمال ہوتا ہے؛ اس لئے کسی اور علامت کی ضرورت تھی۔

ہند ٧ آریائی زبانیں (یعنی وہ زبانیں جو ہندی اور آرین دونوں زبانوں سے بنی ہیں)

روسی ٧ جاپانی صلحنامہ (جو روس اور جاپان کے مابین ہوا ہے)

طبی ٧ نفسیاتی (جو علم طب اور نفسیات دونوں سے متعلق ہے)

حے ٧ نباتی (جو علم حیوانات اور نباتات دونوں سے متعلق ہے)

مق ٧ برقی (مقناطیسی + برقی)

مور ٧ پنکھیا (مور + پنکھ)

مشق

حسب ضرورت خط، قوسین، واوین اور زنجیرہ لگاؤ۔

انگریز ہندی قوم وہ قوم ہے جو ہندی اور انگریزی خون کے اختلاط سے پیدا ہوئی، یہ لوگ اس میں شک نہیں کہ ہندوستان میں رہتے ہوئے انھیں کئی قرن ہونے کو آئے اب تک زبان، اطوار اور عادات کے لحاظ سے خود کو باطناً نہیں تو ظاہراً ہی انگریزی الاصل سمجھتے ہیں۔

آدمی کو چاہیئے کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے، خواہ جان ہی کا زیاں کیوں نہ ہو لیکن صداقت پر قائم رہے۔ کسی فلسفی کا قول ہے "صداقت ہی انسان کا اعلیٰ ترین جوہر ہے۔"

تحت لسانی عصب وہ عصب ہوتا ہے جو ہماری زبان کے نیچے سے ہو کر گذرتا ہے۔

مشق

حسب ذیل عبارتوں میں اوقات کا استعمال کرو۔

۱۔ ناظرین کو معلوم ہے کہ میں نکتہ چیں ہوں مدح سرا نہیں میرا دستور العمل یہ ہے

قصیدہ کارِ ہوس پیشگاں بود عرفی
تو از قبیلۂ عشقی وظیفہ ات غزل است

حق گوئی کی راہ میں عموماً دو قوتیں مانع ہوتی ہیں دولت وطاقت اور ذاتی تعلقات و وابستگی اتنے زمانے میں احباب کم از کم اس کا تو اندازہ کر چکے ہیں کہ الحمد للہ دونوں پتھر میری راہ میں حائل نہیں ہو سکتے۔

ہم کعبہ و ہم بتکدہ سنگ رہ ما بود — رفتیم و صنم بر سر محراب شکستیم

دولت وطاقت وحکومت واقتدار کے مقابلے میں جو کچھ اپنا حال ہے محتاج بیان نہیں زبان نہیں زبان اور قلم دونوں اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ سہے ذاتی تعلقات تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ یونیورسٹی فونڈیشن کمیٹی کے لئے پچھلے اجلاس کے واقعات میرے لئے پرانہ اشکال تھے تاہم کچھ دنوں تک خاموش رہا اور پھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ تعلقات کا مسئلہ نہیں بلکہ عقیدے اور رائے کا سوال ہے، تعلقات کے ایسے تار دل کی کیا حقیقت ہے اس راہ میں تو زنجیریں بھی ٹوٹ جاتی ہیں پس جو کچھ میری ذاتی رائے تھی بلا تامل حوالۂ قلم کر دی، دوستی کیا چیز ہے ہمارے خون اور رشتہ داریوں کو بھی حق اور عقیدے کے سامنے ہیچ ہو جانا چاہیے۔ زمانہ پر آشوب ہے حق اور راستی کی مظلومی کس درجہ دردانگیز حد تک پہنچی ہوئی ہے کوئی نہیں جو خدا کی خوشنودی کی خاطر اس کے چند بندوں کا غصہ جھیل لے اور پھر کوئی نہیں جو اپنے قول کی عزت کے لئے اپنے عمل کو بھی قابلِ عزت بنائے ہر دعوی دلیل ہے محرم ہر قول عمل کا مخالف اور ہر سفیدی نمائش اور نفاق کی سیاہی سے آلودہ تعریف کی خواہش سے دماغ مخبوط ہو رہے ہیں حالانکہ جو لوگ دنیا سے بقول شاعر تعریف و مدح مانگتے ہیں اور ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں ان کو پہلے بتلانا چاہیئے کہ اس کے لئے انھوں نے کیا کھویا ہے۔

۲۔ برخوردار کا مگار میر مہدی قطعہ تم نے دیکھا سچ مچ میرا حلیہ ہے واہ اب کیا شاعری رہ گئی ہے جس وقت یہ قطعہ میں نے وہاں کے بھیجنے کے واسطے لکھا ارادہ تھا کہ خط بھی لکھوں لڑکوں نے ستایا کہ دادا جان چلو کھانا تیار ہے ہمیں بھوک لگی ہے تین خط اور لکھے ہوئے رکھے تھے میں نے کہا کہ اب کیا لکھوں اسی کاغذ کو لفافے میں رکھ ٹکٹ لگا سرنامہ لکھ کلیان کے حوالے

کر گھر میں چلا گیا اور ہاں ایک چھیڑ ملبھی تھی کہ دیکھوں میرا میر مہدی خفا ہو کے کیا باتیں بناتا ہے۔ سو وہی ہوا تم نے چلے پھپھولے پھوڑے تو اب بتاؤ کیا لکھوں۔

۳۔ ہیں سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہوں یعنی سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا پیر و مرشد خفا نہیں ہوا کرتے نے یوں سُنا مجھے باور نہ آیا یہاں تک تو میں مورد عتاب نہیں ہو سکتا جھگڑا استعجاب پر ہے محل استعجاب وہ ہے کہ آپ کا دوست کہتا ہے اولیا کا یہ حال ہے کہ وائے بر حال ہم اشقیا کی یہ حکایت ہے شکایت نہیں دنیا داری کے لباس میں فقیری کر رہا ہوں لیکن فقر آزادہ نہ شیاد کیا دستر برس کی عمر ہے بلا مبالغہ کہتا ہوں، ۷ ہزار آدمی نظر سے گذرے ہوں گے زمرۂ خواص میں سے عوام کا شمار نہیں دو مخلص صادق الولا دیکھے ایک مولوی سراج الدین دوسرا منشی غلام غوث۔

۴۔ دیکھنے کو آنکھ دی اور سننے کو یہ کان دیئے ناک بھی اونچی سب میں کر دی مورتوں کو جی دان دیئے مٹی کے باسن کو اتنی سکت کہاں جو اپنے کمہار کے کرتب کچھ بتا سکے سچ ہے جو بنایا ہوا ہو سو اپنے بنانے والے کو کیا سراہے اور کیا کہے یوں جس کا جی چاہے پڑا بکے سر سے لگا پاؤں تک جتنے رونگٹے ہیں جو سب کے سب بول اٹھیں اور سراہا کریں اور اتنے برسوں اسی دھیان میں رہیں جتنی ساری ندیوں میں ریت اور پھول پھلیاں کھیت میں ہیں تو بھی کچھ نہ ہو سکے۔

عروض

عروض وہ مشہور فن ہے جس سے اشعار کا وزن معلوم ہوتا ہے
عروض کا موجد عرب کا ایک عالم ادب خلیل ابن احمد مکی ہے۔ جس کی وفات ۱۷۵ھ میں ہوئی ہے۔ اس نے پندرہ وزن قرار دیئے اور ہر وزن کا نام بحر رکھا، اس کے بعد بحروں میں اضافہ ہوتا رہا۔

وزن

وزن عروضیوں کی اصطلاح میں دو کلموں کی اصطلاح و حرکات و سکنات برابر ہونے کا نام ہے۔ حرکات اور حروف کا اختلاف ہو تو حرج نہیں ہے جیسے احسان اور صندوق ہم وزن ہیں، یعنی جتنی حرکتیں اور سکون ایک میں ہیں اتنے ہی دوسرے میں ہیں۔ گو دونوں کی حرکتیں مختلف ہیں۔

بحر

بحر اُن چند موزوں کلموں کا نام ہے جن پر شعر کا وزن ٹھیک کرتے ہیں، شعر میں موسیقی اور ترنم جس قدر رہو اسی قدر بحر عمدہ ہوگی ورنہ بہت سی ایسی بحریں ہیں جو ان دونوں سے معرا ہیں، اس وجہ سے رائج و مقبول نہیں ہوئیں۔

ارکان بحر

بحر جن اجزا (ٹکڑوں) سے بنتی ہے ان کو ارکان یا افاعیل یا افتال کہتے ہیں، اور ہر جز کو " رکن "

تقطیع

کسی شعر کے اجزا کو بحر کے ارکان پر وزن کرنے کو کہتے ہیں۔ اسطرح

کہ ساکن کے مقابل ساکن اور متحرک کے مقابل متحرک حرف ہو، مثال آگے بیان ہوگی۔

اجزائے ارکان

ارکان (رکنوں) کے ٹکڑوں کو اجزا یا اصول کہتے ہیں۔ رکن جن اصول یا اجزا سے بنتا ہے وہ تین ہیں، سبب، وتد، فاصلہ۔ مگر سبب و وتد کافی ہیں، دوحرفی کا سبب اور تحرفی (سہ حرفی) کا نام وتد ہے۔ پہلا حرف متحرک اور دوسرا ساکن ہوگا جیسے سر، بر تو سبب خفیف ہے۔ اور دوسرا بھی حرکت دار ہے تو سبب ثقیل، جیسے سر، دل، اضافت کی حالت میں، ورنہ اردو میں متحرک الآخر لفظ نہیں ہوتا، پہلا اور دوسرا متحرک اور تیسرا ساکن ہے تو "وتد مجموع" ہے، جیسے قلم۔ اور درمیانی ساکن ہے تو "وتد مفروق" ہے جیسے مشق، اضافت کی حالت میں۔

ارکان

ان دونوں اصولوں سے سات ارکان بنتے ہیں۔ جنھیں افاعیل ہفتگانہ کہتے ہیں۔ دو پنج حرفی :۔

(۱) فعولن (۲) فاعلن، ایک کا جز اوّل سبب ہے، دوسرے کا وتد۔ وتد پہلے ہے تو فعولن ہوگا اور سبب پہلے ہے تو فاعلن۔

ست حرفی، یہ پانچ ہیں:۔ (۱) مستفعلن (۲) مفاعیلن ان دونوں میں ایک ایک وتد اور دو دو سبب خفیف ہیں۔ اول میں سبب مقدم اور وتد موخر ہے۔ دوسرے میں اس کے برعکس۔ (۳) فاعلاتن (۴) متفاعلن، (۵) مفعولات۔

فاعلاتن میں اول آخر سبب ہے اور بیچ میں وتد۔ پانچویں میں دو سبب

مقدم ہیں اور ایک سبب مفروق۔ چوتھے رکن میں اول سبب ثقیل، دوسرا جز سبب خفیف، تیسرا جز وتد مجموع۔

خلیل کا خیال ہے کہ انھیں بحروں میں تمام عروض منحصر ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ بحروں میں بہت اضافہ ہوا اور ہو سکتا ہے۔ افاعیل ہفتگانہ کے علاوہ ایک اور مشہور رکن مفاعلتن ہے مگر مروج نہیں۔

اسما و شمار بحور

کل مشہور بحریں جو ان ارکان سے بنتی ہیں، ان کو یاد رکھنے کے لئے یہ قطعہ بہتر ہے:-

" رجز، خفیف، رمل، منسرح، دگر مجتث بسیط و وافر و کامل، ہزل، طویل و مدید "

" مشاکل و متقارب، سریع و مقتضب است
مضارع و متدارک، قریب نیز جدید "

۱۔ رجز۔ مستفعلن	آٹھ	بار	سالم
۲۔ ہزج۔ مفاعیلن	"	"	"
۳۔ کامل۔ متفاعلن	"	"	"
۴۔ رمل۔ فاعلاتن	"	"	"
۵۔ متقارب۔ فعولن	"	"	"
۶۔ متدارک۔ فاعلن	"	"	"

یہ بحریں ایک رکن کی تکرار سے بنتی ہیں۔ وافر جو مفاعلتن کی تکرار سے بنتی ہے، ترک کی گئی کہ رائج نہیں ہے۔

یہ پانچ بحریں دو رکنوں کے مکرر لانے سے بنی ہیں:-

۱۔ خفیف :۔ فاعلاتن۔ مستفعلن۔ فاعلن } یہ دونوں مسدس ہی
۲۔ سریع :۔ مستفعلن۔ مستفعلن۔ مفعولات } مستعمل ہیں۔
۳۔ مجتث :۔ مستفعلن۔ فاعلاتن۔ مستفعلن۔ فاعلاتن۔
۴۔ مضارع :۔ مفاعیلن۔ فاعلاتن۔ مفاعیلن۔ فاعلاتن۔
۵۔ منسرح :۔ مستفعلن۔ مفعولات۔ مستفعلن۔ مفعولات

(یہ بحریں مسدس اور سالم مستعمل نہیں ہیں۔ کسی بحر میں چھ ارکان سے کم اور آٹھ سے زیادہ نہیں ہوتے۔ چھ والی کو مسدس (چھ رکنی) اور آٹھ رکن والی کو مثمن (آٹھ رکنی) کہتے ہیں۔ چھ رکنی بحر کا ایک مصرعہ تین رکن کا اور آٹھ رکنی کا ایک مصرعہ چار رکن کا ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ یہ قاعدہ اکثریہ ہے نہ کلیہ۔

زحاف

عروض کی اصطلاح میں زحاف اس تغیر کو کہتے ہیں جو شعر کے رکن یا ارکان میں ہو۔ ارکان اگر اشعار میں اپنی اصلی صورتوں پر ہیں تو بحر کو سالم کہیں گے، مگر سالم بحریں کم مروج ہیں اور جن کے کسی رکن یا ارکان میں تغیر ہوگا اسے "مزاحف" کہتے ہیں۔ یعنی "زحاف والی"

زحاف سے ارکان میں چودہ (۱۴) صورتیں پیدا ہوتی ہیں اور زحاف کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ اضافہ، یعنی کسی حرف کی زیادتی۔
۲۔ کمی، ایک یا ایک سے زیادہ حرفوں کا گرا دینا۔
۳۔ ساکن حرف کو متحرک کرنا۔

زحاف یوں تو چالیس اکتالیس ہیں، مگر مروجہ اردو میں لکھے

جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کئی رکنوں میں آتے ہیں۔ اور بعض صرف ایک رکن میں۔ ایک رکن میں آنے والے یہ چار ہیں :۔

خاص زحاف

۱۔ ثلم (بفتح ثا وسکون لام) فعولن سے (ف) کو گرانا، بس عولن رہ جاتا ہے۔ اس کی جگہ " فعلن" مستعمل ہے۔ ایسے ارکان کو اثلم کہیں گے۔

۲۔ خبب (بفتح ختم وتشدید بائے موحدہ) رکن کے آخر میں سے دو سبب خفیف گرانا جیسے مفاعیلن میں سے (عیلن) دور کیا تو " مفا" رہا۔ اس کی جگہ " فعل" لاتے ہیں۔ زحاف شدہ رکن " مجبوب" کہلاتا ہے

۳۔ خرم (بفتح خاء وسکون راء) مفاعیلن میں سے میم دور کرنا۔ پس فاعیلن رہا۔ اس کی جگہ مفعولن لاتے ہیں۔ اور رکن کا نام اخرم ہے۔ یہی زحاف فعولن میں ثلم ہے۔

۴۔ کشف، (بفتح کاف وسکون شین) مفعولات کی " ت" دور کرنا پس " مفعولا" رہا۔ اس کی جگہ مفعولن کہیں گے۔ خرم اور کشف دونوں کے بعد مفعولن رہتا ہے، یہ زحاف انھیں ارکان کے ساتھ مخصوص ہیں،

عام زحاف

جو زحاف کئی رکنوں میں آتے ہیں وہ گیارہ ہیں :۔

۱۔ اذالہ، (بکسر الف وذال مفتوح) رکن کے آخر میں وتد مجموع ہو تو آخری حرف سے پہلے الف زیادہ کرنا، جیسے مستفعلن سے مستفعلان۔ ایسے رکن یا بحر کو " مذال" کہتے ہیں۔

۲۔ تسبیغ، (اس کا نام ہم اردو میں اضافہ رکھتے ہیں کیوں کہ یہ لفظ بہت

ثقیل ہے) رکن کے آخر میں سبب خفیف ہو تو اس میں الف زیادہ کرنا (ازالہ
اور اضافہ دونوں ایک ہیں، مگر وہ وتد میں ہوتا ہے اور یہ سبب خفیف میں)
مثلاً فاعلاتن میں فاعلاتان، اس کی جگہ اس کا ہم وزن فاعلیان لاتے ہیں۔
اس رکن یا جزکو مسبغ کہتے ہیں اور ہم مضاف کہیں گے۔

نوٹ:۔ یہ دونوں زحاف مصرع کے آخری رکن میں آتے ہیں۔

۳۔ حذذ۔ (حا حطی و ذال معجمہ) وتد مجموع کو آخر رکن سے
گرانا جیسے فاعلن سے علن گرایا تو صرف "فا" رہا اس کی جگہ فع لاتے ہیں
اور رکن کو "احذ" (بہ تشدید ذال) کہتے ہیں۔

۴۔ حذف۔ (بفتح حا، و ذال معجمہ ساکن) آخر رکن سے ایک سبب خفیف دور کرنا۔
جیسے فعولن سے لن گرایا (فعو) رہا، اس کی جگہ "فعل" لائیں گے۔ اس
رکن یا جز کو محذوف کہیں گے،

۵۔ خبن۔ (خا مفتوح با ساکن) رکن کے اوّل میں سبب خفیف ہو تو اس کا
دوسرا حرف گرانا۔ جیسے فاعلن سے الف گرایا فعلن رہا۔ یہ رکن
"مخبون" ہوا۔

۶۔ طی، (طائے مفتوح و یائے تحتانی مشدد) رکن کے آخر میں دو سبب خفیف
ہوں تو چوتھا حرف گرانا۔ جیسے مستفعلن سے (ف) گرایا تو "مستعلن"
رہا۔ اس کی جگہ "مفتعلن" لاتے ہیں۔ اور یہ رکن "مطوی"
کہلاتا ہے

۷۔ قصر، (قاف مفتوح و صاد مہملہ ساکن) رکن کے آخر سبب خفیف میں سے
ساکن حرف کو دور اور ما قبل کو ساکن کرنا۔ جیسے مفاعیلن میں سے "ن"
گرایا اور "لام" کو ساکن کیا تو "مفاعیل" رہا۔ یہ رکن "مقصور" ہوا۔

۸۔ قطع۔ رکن کے آخر میں وتد مجموع ہو تو اس کے آخر حرف کو گرا کر ما قبل کو ساکن کرنا۔ جیسے فاعلن میں سے "ن" گرا کر "ل" کو ساکن کیا تو فاعل رہے گا اس کی جگہ فعلن لاتے ہیں اور رکن کو "مقطوع" کہتے ہیں۔

۹۔ قبض۔ (رکن مقبوض) پانچواں ساکن حرف سبب خفیف ہیں کا گرانا جیسے فعولن میں، سے "ن" گرا تو فعول رہا (بضم لام)

۱۰۔ کف، (کاف مفتوح، ف مشدد) اور رکن مکفوف، ساتویں ساکن حرف کو دور کرنا، جیسے، مفاعیلن میں سے "ن" گرایا تو مفاعیل رہا (بضم لام)

۱۱۔ وقف، (واؤ مفتوح قاف ساکن) اور رکن موقوف) آخر رکن میں وتد مفروق ہو تو اس کے آخری متحرک کو ساکن کرنا۔ جیسے "مفعولاتُ" کی "ت" کو ساکن کر دینا۔

ایک بحر اور ایک رکن میں کئی زحاف بھی واقع ہوتے ہیں، اس صورت میں ان کا نام دو تین ناموں سے مرکب ہوتا ہے، مثلاً ایک رکن میں خبن اور قطع ہے تو اسے مخبون و مقطوع کہیں گے۔

مرکب زحاف

عروضیوں نے رکن میں ایک سے زاید زحاف کے جمع ہونے کا بھی دوسرا نام رکھ لیا ہے۔ یہ مرکب زحاف حسب ذیل پانچ ہیں۔

۱۔ خرب، (خار مفتوح و را ساکن) مفاعیلن میں خرم اور کف کے اجتماع کا نام ہے۔ خرم کی وجہ سے میم اور کف کے سبب سے 'ن' گرایا، فاعیل، (بہ ضم لام) رہا، اس کی جگہ "مفعول لاتے ہیں اور ایسے رکن یا بحر کو "اخرب" کہتے ہیں۔

۲۔ شتر، (شین معجمہ مفتوح، تائے فوقانی ساکن) رکن اشتر، خرم اور قبض کے اجتماع کا نام ہے، مثلاً رکن مذکور میں خرم سے 'م' اور قبض سے 'ی' گر گئی، تو 'فاعلن' رہا۔

۳۔ شکل، (شین مفتوح، ک ساکن، رکن مشکول) کف اور خبن کے اجتماع کا نام ہے، مثلاً فاعلاتن میں سے دوسرا اور ساتواں حرف یعنی لام اور نون گرایا فعلات (بہ کسر عین وضم تار) رہا۔

۴۔ کسف، (کاف مفتوح وسین مہملہ ساکن، رکن مسکوف) وقف اور کف کا اجتماع کسف ہے، مثلاً مفعولات کی 'ت' کی حرکت وقف سے اور خود 'ت' کف کی وجہ سے دور ہو گی تو مفعولا رہے گا، اس کی جگہ مفعولن لاتے ہیں۔

۵۔ ہتم۔ (ہائے مہملہ مفتوح و تائے فوقانی ساکن رکن وبحر اہتم) یہ حذف اور قصر کے اجتماع کا نام ہے، مثلاً مفاعیلن میں سے پہلے تو حذف کی وجہ سے لن دور ہوا، مفاعی رہا، پھر قصر سے 'ی' دور اور 'ع' ساکن کیا گیا، تو "مفاع" رہا اس کی جگہ "فعول" بسکون لام بولیں گے، اردو شاعری کے لئے اتنے زحافات کا بیان کافی ہے۔

تقطیع

شعر کا موزوں اور غیر موزوں ہونا تقطیع ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ شعر کے اجزاء کو بحر کے ارکان پر وزن کرنے کا نام تقطیع ہے۔ اس کے اصل معنی پارہ پارہ کرنا ہیں، چونکہ ارکان بحر سے ہم وزن کرنے کے لئے الفاظ شعر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں۔ اس سبب سے یہ نام رکھا گیا، تقطیع

یں ساکن کے مقابل ساکن اور متحرک کے مقابل متحرک واقع ہونا ضروری ہے خواہ الفاظ کلمات ثابت رہیں یا نہ رہیں، تقطیع کے چند قاعدے ہیں جو لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ وزن کرنے میں سکون حرکات کا شمار اور جگہ برابر ہونی چاہیئے، خواہ حروف و حرکات مختلف ہوں جیسے بلبل اور طوطی کا وزن فعلن ہے۔ یعنی دو حرکتیں اور دو سکون ایک ہی جگہ واقع ہیں، یہ وزن عروضی ہے۔

۲۔ تقطیع میں حروف ملفوظ کا اعتبار ہے جو زبان سے ادا ہوتے ہیں اور مکتوبی جو کتابت میں تو ہوں مگر بولے نہ جائیں، وہ تقطیع سے خارج ہیں۔ مثلاً

(الف) الف، اس، اب وغیرہ کا یعنی وہ الف جو آغاز لفظ میں آتا ہے، اگر اس کے ماقبل کا حرف اس سے ملتا ہوا ہو تو وہ گرا دیا جا سکتا ہے (ع)
"اب اس داستاں کو سنا چاہیئے" تقطیع یہ ہو گی:۔
ابس دا، فعولن۔ سنا چا، فعولن۔ ہیئے، فعل۔

(ب) نون غنہ جو حرف علت کے بعد ہو جیسے زماں، زمیں وغیرہ میں جب تک کہ اس کا اعلان نہ ہو تقطیع سے خارج ہے اور اگر بیچ میں ہے اور دیگر الفاظ کے مانند ملفوظ تو تقطیع میں شمار ہو گا۔ ع۔
"بنام جہاں دار جاں آفریں" تقطیع: بنامے، فعولن۔ جہاں دا، فعولن۔ رجاںا، فعولن۔ فریں فعل۔

(ج) واو معدولہ، مثلاً خواب کی جگہ خاب لیا جائے گا۔ ع
"خواب میں خود ہی کوئی آیا ہے" تقطیع: خاب مے خد، فاعلاتن۔

ہکو ، مفاعلن ۔ یا ہے فعلن ۔

(د) ہائے مختفی، جو اظہار حرکت کے لئے لکھی جاتی ہے، جیسے نامہ اور جامہ کی "ہ" اگر وسط میں ہو اور عروض و ضرب میں ہو تو ساکن حرف کی جگہ متصور ہو گی، (عروض پہلے مصرعے کا آخری رکن ضرب، دوسرے مصرعے کا رکن آخر) جیسے: "نامہ آتا ہے نہ مدت سے پیام آتا ہے"
تقطیع: نام آتا، فاعلاتن۔ ہ ن مدت، فعلاتن۔ س پیاما، فعلاتن تا ہے، فعلن ۔

(ہ) ایسا واو عاطفہ، جس کے ماقبل کے حرف سے حرف ضمہ (پیش) ظاہر ہوتا ہے، جیسے :۔
"جان و دل سے عزیز ہے تجھ کو" تقطیع : جان دل سے، فاعلاتن۔ عزیز ہے، مفاعلن۔ تجھکو، فعلن ۔
جان و دل کا "واو" تقطیع سے ساقط اور اگر ضمۂ ماقبل دراز ہو۔ جیسے: "علم و ہنر و فضائل و کسب و کمال" تو یہ واو شمار ہو گی ۔
تقطیع : علمو ہ، مفعول ۔ نر و فضا، مفاعلن ۔ ئلو کسب، مفاعیل ۔ کمال فعول ۔ ابتدائے کلمہ کی واو کی مثال :

"ہے قدر کسی کی تو وطن میں ہے وگرنہ"

یہ داخل تقطیع ہے
تقطیع : ہے قدر، مفعول ۔ کسی کی ت، مفاعیل ۔ وطن میں ہ، مفاعیل وگرنہ، فعول ۔

(و) حرف مخلوط جو دوسرے سے مل کر ادا ہو، جیسے: کیا کی "ی" اور گھر کی "ھ"، کیا کی جگہ "کا" اور گھر کی جگہ "گر" تقطیع میں آئے گا۔ ع۔

"کیا کہا پھر تو کہئے اے حضرت" تقطیع: کا کہا پر، فاعلاتن۔ ت کہ لے اے، مفاعلن۔ حضرت، فعلن۔

(س) عربی کے الفاظ کا الف، جیسے: بالضرور، بالفعل۔ ان صورتوں کے علاوہ اور حرف اس طرح کا ہو تو وہ بھی تقطیع سے خارج ہو گا۔

۳۔ وسط مصرعہ میں دو ساکن ایک جگہ ہوں تو دوسرے کو متحرک کر لیتے ہیں۔ ع۔ "خیر تو ہے آپ کہاں جاتے ہیں" خیر کی "ر" کو متحرک کر لیا ہے "خیر تو ہے" مفتعلن سے تعبیر کریں گے، تقطیع: خیر ت ہے مفتعلن اا پ کہا مفتعلن۔ جات ہے، فاعلن۔

۴۔ آخر مصرعہ میں دو ساکن ایک جگہ آئیں تو بحال رہیں گے۔ وسط میں دو سے زیادہ حرف ساکن ہوں تو دوسرا متحرک اور تیسرا حذف ہو جائے گا، جیسے: "راست کہتا ہوں اس کو سچ مانو" راست کا سین متحرک کر دیا گیا،

تقطیع: راس کہتا، فاعلاتن۔ ہ اس ک سچ مفاعلن۔ جا نو، فعلن۔ اور آخر مصرعہ میں تین ساکن ہوں تو دو بحالت خود رہیں گے۔ تیسرا گرا دیا جائے گا غرض تین ساکن جمع نہیں ہوتے۔

۵۔ ایسے الفاظ جن کے تلفظ میں بعض حرف زبان سے نکلتے ہوں مگر مکتوب نہیں وہ تقطیع میں آئیں گے، جیسے لفظ آمد میں دو الف۔ مثال: آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجئے" تقطیع: اا تا ہ، مفعول۔ ت ہاتھ سے، مفاعلن۔ نہ دیجے، فعولن۔

اسی طرح وہ اضافت کا کسرہ جو دراز پڑھا جائے۔ اس کی جگہ "ی" ساکن متصور ہو گی۔ اس کو یائے باطنی کہتے ہیں، اور حروف مشدد

دو شمار ہوتے ہیں مثلاً : فرخ ، فررخ ۔ کسرۂ دراز اور مشدد حرف کی مثال : " نہ اتنا برشِ تیغِ جفا پر ناز فرماؤ " (غالب)

تقطیع : ن اِتنا بر، مفاعیلن ۔ رشے تیغ مفاعیلن ۔ جفا پر نا، مفاعیلن ز فرماؤ ، مفاعیلن ۔

(۶) حرف علت واؤ ، الف ، ی ، جو الفاظ کے آخر میں آتے ہیں جیسے : کو ، تھا ، سے ، وغیرہ ، بعض اشعار میں ان کا تلفظ بہت مختصر ہوتا ہے ، پس صرف ان کے ماقبل کا حرف شمار ہوتا ہے اور یہ حرف معدوم ۔ جیسے ع : " مجھ کو تھا اس شخص سے بس اتحاد " کو کا واؤ تھا کا الف ، کی کی ی کا تلفظ مختصر ہے اس لئے یہ داخل تقطیع نہیں تقطیع یہ ہے :۔

مج ک تا اس ، فاعلاتن ۔ شخص سے بس ، فاعلاتن ۔ ات ت حاد فاعلات ۔

(۷) بعض جگہ رکن میں سکون ہوتا ہے اور شعر میں اس جگہ حرف متحرک اسے بضرورت تقطیع ساکن کر لیتے ہیں ۔ جیسے ، ع : " تم نے بات نہ مانی میری " اس میں بات کی ت کو متحرک اور نہ کے نون کو ساکن کر دیا گیا ہے ۔ یعنے " بات نہ " کو ، باتن ، تقطیع کے وقت ایسے حروف کا جو خارج از تقطیع ہیں لکھنا نہ لکھنا برابر ہے ۔ مگر اصل صورت قائم رکھنے کے لئے لکھنا بہتر ہے ۔ تقطیع یہ ہے : تم نے ، فعلن ، باتن ، فعلن ، مانی ، فعلن ، میری ، فعلن ۔

بحریں

۱۔ بحر ہزج

۱۔ بحر ہزج سالم۔ مفاعیلن ایک مصرعے میں چار بار ع: "ستم ہو جائے تمہید کرم ایسا کبھی ہوتا ہے" تقطیع: ستم ہو جا مفاعیلن، ا تمہید سے مفاعیلن، کرم ایسا مفاعیلن، ب ہوتا ہے، مفاعیلن۔ کبھی کی ہ اور ی تلفظ مختصر ہونے کی وجہ سے خارج از تقطیع ہیں۔

۲۔ بحر ہزج مضاف[۱] آٹھ رکنی، (مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلان)

ع: "کئی نکلی ہیں لخت دل سے تارا شک کی لڑیاں"

تقطیع: کئی نکلی مفاعیلن، ہ لختے دل مفاعیلن، اس تارے اشکی، مفاعیلن، ک کی لڑیاں مفاعیلان۔ کسی شعر میں عروض مضاف اور ضرب سالم ہے۔ تو جائز ہے۔

۳۔ ہزج اخرب (مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن) ع: "یارب میری قسمت میں یہ غم نہ دیا ہوتا"۔

تقطیع: یارب م مفعول، ری قسمت می، مفاعیلن، یہ غم ن مفعول، دیا ہوتا، مفاعیلن۔

---

[۱] ہم نے تسبیغ کا نام اضافہ اور مسبغ کا مضاف رکھا ہے اور ہر جگہ یہی لکھیں گے۔

۴۔ اخرب مکفوف مقصور (مفعول مفاعیل مفاعیل مفاعیل) ع: "وہ مجھ کو جنوں جامہ دری کے لیے دے ہاتھ" تقطیع وہ مجھ ک مفعول، جنوجام مفاعیل دری کے ل مفاعیل ی دے ہات مفاعیل۔

۵۔ اخرب مکفوف محذوف (مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن)
ع: "دل لے ہی لیا ناز سے شوخی سے ہنسی سے"۔
تقطیع: دل لے ہ مفعول، لیا ناز مفاعیل، س شوخی س مفاعیل ہنسی سے فعولن۔
کسی شعر میں عروض بروزن مفاعیل اور ضرب بروزن فعولن ہے تو جائز ہے مگر سب جگہ یہ تفاوت نہ ہو۔

۶۔ ہزج اشتر مثمن (فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن) ع: "بزم غیر سے اُٹھنا یار کا تعجب ہے"۔
تقطیع: بزم غی فاعلن، رسے اُٹھنا مفاعیلن، یار کا فاعلن تعج جب ہے، مفاعیلن۔

۷۔ ہزج مقصور محذوف۔ (مفاعیل مفاعیل مفاعیل مفعولن) ع: "نہ کھینچ آہ نہ کھینچ آہ دل یار یہ نازک ہے" تقطیع: ن کیچاہ مفاعیل، ن کیچاہ مفاعیل، دلے یار مفاعیل، نازک ہے مفعولن۔

۸۔ ہزج مسدس محذوف۔ (مفاعیلن مفاعیلن فعولن) (دوبار)
ع، "گلے لپٹے ہیں وہ بجلی کے ڈر سے"۔
تقطیع: گلے لپٹے۔ مفاعیلن، ہ وہ بجلی، مفاعیلن، کڈر سے فعولن،

۹۔ ہزج مقصور۔ (مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل) ع:۔ "ہے سرمہ کا جو دنبالہ نمودار" تقطیع، ہ سرمے کا، مفاعیلن۔ جو دُنبالہ، مفاعیلن، نمودار، مفاعیل

۱۰۔ ہزج مسدس اخرب مقبوض یا محذوف (مفعول مفاعلن فعولن) یا
(مفاعیل) ع : "آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجیے"
تقطیع : آتا ہ مفعول، ت ہاتھ سے مفاعلن، ن دیجیے فعولن۔

۲۔ بحر رجز

۱۔ بحر رجز سالم مستفعلن چار بار۔ ایک مصرعے میں :۔
"ساغر مئے گل رنگ کے بھر کے مجھے دے ساقیا"
۲۔ بحر مذال۔ (مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلان) ع :
"ہر چند کہ ہیں ظاہر تری سب خلق میں بے باکیاں"
(ظفر شاہ)
۳۔ بحر رجز مطوی مخبون۔ (مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن) ع :۔
"عشق میں تیرے کوہ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو"
(شاہ نیاز)

۳۔ بحر رمل

۱۔ بحر رمل کا اصل وزن۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن ہے۔ مگر
سالم اُردو میں بہت کم کہتے ہیں بلکہ نہیں کہتے۔
۲۔ رمل مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات۔ ع :
اے مسیحا بچ نہیں سکتا ترا بیمار آج
۳۔ رمل محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن۔ فاعلاتن فاعلن۔
"دل نہ توڑ اے بدگمانی یوں کسی بیمار کا"
۴۔ مخبون مقصور۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات۔ ع :

دل ہی پہلو میں نہیں پھر ہے عبث رنج و ملال

۵۔ مخبوں محذوف۔ تمام ارکان مثل بالا، صرف بجائے فعلات،
فعلن یا فعلن (بکسر عین۔ بسکون عین) ع:

"کبھی چمکا نہ ستارا مری پیشانی کا"

ایک مصرعے میں فعلات، دوسرے میں فعلن یا فعلن؛ درست ہے۔

۶۔ مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن۔ (فعلن بسکون عین)
ع: "مرغ دل پہ ہدف تیر نظر کیا ہوگا"

۷۔ مشکول مثمن۔ فعلات فاعلاتن فعلات فاعلاتن ع:

"ترے تیر نیم کش کو کوئی میرے دل سے پوچھے"

۸۔ مسدس مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلات۔ ع:

"پھر ہوا اس کو مرے دل کا خیال"

۹۔ مسدس محذوف۔ فاعلاتن فعلاتن فاعلن ۔ ع:

"ہیں رقیب رُو سیہ کو کھل گیا"

ایک مصرعے میں فاعلات دوسرے میں فاعلن لانا درست ہے۔

۱۰۔ مسدس مخبون۔ مقطوع یا محذوف۔ فاعلاتن فعلاتن فعلات۔
(بسکون عین یا بحرکت عین)۔ ع:

لوگ نالہ کو رسا باندھتے ہیں"

۴۔ بحر کامل

۱۔ بحر کامل سالم۔ متفاعلن۔ متفاعلن متفاعلن متفاعلن (چار بار)
آٹھ بہ کئی آتی ہے۔ ع:

"دل زار نے یہ ستم کیا مجھے شام ہی سے جگا دیا"
اس بحر کے رکن پر ایک حرف زائد کر کے یوں بھی کہا گیا ہے،
"یہی کہنی تھی لیلیٰ پردہ نشیں نہیں کھاتی ادب سے خدا کی قسم"
بروزن: متفاعلتن متفاعلتن متفاعلتن متفاعلتن۔ بحر کامل میں شعر کم کہتے ہیں، مگر مروج ہے اور وہ بھی صرف سالم۔

۵۔ بحر متدارک

۱۔ متدارک سالم مثمن۔ آٹھ رکنی فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن (چار چار ایک مصرعے میں) ع: "سُن لیا، سُن لیا، مت کہو چپ رہو"
یہ سالم کم مروج ہے۔
۲۔ مخبون۔ فعلن فعلن فعلن فعلن ع: "نہ ہوا نہ ہوا نہ ہوا نہ ہوا"
۳۔ سالم مضاعف یعنے ایک شعر میں سولہ بار ع:۔
"ترے ہاتھوں سے کچھ مرے حق میں ذرا نہ بھلا ہی ہوا نہ بُرا ہی ہوا۔"
۴۔ مقطوع اعذ۔ فعلن فعلن فعلن فعلن (سکون عین کے ساتھ)
ع:۔ "دن بھر روتے دھوتے گزرا"

۶۔ بحر متقارب

۱۔ متقارب سالم، مضاعف۔ یعنے فعولن آٹھ بار ایک مصرعے میں (ذوق) ع:۔
"تمنا نہیں ہے کہ امداد دل کو تپش کا صلہ ہو کہ مرہم فلق ہو"

۲۔ سالم، مثمن۔ فعولن چار بار ایک مصرعے میں ع :۔

"بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے" (آتش)

۳۔ مقصور۔ فعولن فعولن فعولن فعول ع :۔

"الٰہی میں بندہ گنہگار ہوں"

۴۔ محذوف۔ فعولن فعولن فعولن فعل۔ ع :۔

"طلسم جہاں ہے تماشا عجیب"

فعل اور فعول اوّل اور دوسرے مصرعے میں لانا جائز ہے مگر ہر جگہ یہ تفاوت نہ ہو۔

۵۔ مقبوض (اثلم) فعول فعلن فعول، فعلن، یا فعلان ع :۔

"یہ عشق اب کیا بسا ہے دل میں"

۶۔ مقبوض اثلم (مضاعف) فعول فعلن (آٹھ بار) ع :۔

"پھبن، اکڑ، چھب، نگاہ، سج دھج، جمال و طور و خرام آٹھوں"

مقبوض۔ (ایک رکن مقبوض ایک سالم) فعل فعولن فعل فعولن ع :۔

"سرو خراماں ہے تیرے قد پر"

اور صورتیں اس بحر میں کم مستعمل ہیں۔

مرکب بحریں

۱۔ خفیف

اس کا وزن یہ ہے ۔ فاعلاتن مستفعلن فاعلاتن ۔ اور یہ مسدس مزاحف مستعمل ہے ۔

۱۔ بحر خفیف مخبون ۔ فاعلاتن ۔ مفاعلن فعلاتن (دوبار) ع :

"ایک میں ہوں کہ آج تک متحیر"

مستفعلن خبن سے مفاعلن اور فاعلاتن خبن سے فعلاتن ہوتا ہے ۔ کم مروج ہے ۔

۲۔ مخبون ، مقصور ۔ فاعلاتن مفاعلن فعلات ع :۔

"زہر کھانے کی جی میں ٹھانی آج"

فاعلاتن خبن اور قصر سے فعلات رہتا ہے باقی بیان اوپر گزرا ۔

۳۔ مخبون محذوف یا مقطوع ۔ فاعلاتن ۔ مفاعلن فعلن (فعلن بہ کسر عین یا لبسکون عین) ۔

ع ؛ دل کے ڈسنے کو ہے یہی کافی "

فاعلاتن خبن اور حذف سے فعلاتن ہو جاتا ہے ۔

۴۔ ان بحروں میں صدر و ابتدا (مصرعہ اول و دوم کے پہلے رکن) سالم ہیں ، اگر یہ مخبون ہوں مثلاً ، فعلاتن مفاعلن فعلات ، یا عروض و ضرب مخبون (مضاف) ہو یعنے ؛ فعلیان تو جائز ہے

فعلاتن مفاعلن فعلن اور فعلاتن مفاعلن فعلات بھی مستعمل ہے اور ان کا اجتماع جائز ہے۔

۲۔ بحر سریع

اس بحر کا اصل وزن یہ ہے: مستفعلن مفعولات۔ (بضم تا) مگر یہ سالم اور مثمن مروج نہیں ہے۔

۱۔ سریع، مطوی موقوف۔ مفتعلن مفتعلن فاعلان (دو بار) ع:-

"کیا کروں تشخیص کا اس کے بیان"

مستفعلن میں طے واقع ہونے سے مفتعلن ہوگا اور مفعولات میں طے و وقف سے فاعلان۔ اس کا بیان منسرح میں دیکھو۔

۲۔ سریع، مطوی، مکسوف (مفتعلن مفتعلن فاعلن)۔ (دو بار)

ع :- "شام سے ہیں وصل کی شب سو گیا" (مومن)

یہ اُردو میں بہت مروج ہے۔ مفعولات میں ُطے ُسے واؤ گر کر مفعلات ہوگا اور ُت ُکسف سے گر کر مفعلا، اس کی جگہ فاعلن رکھا گیا۔ عروض میں فاعلان ضرب میں فاعلن لا سکتے ہیں۔

۳۔ بحر مجتث

۱۔ اس بحر کا اصل وزن یہ ہے: مستفع لن۔ فاعلاتن مستفع لن فاعلاتن اس کے مسدس میں شعر نہیں کہا جاتا۔

۲۔ مجتث مخبون، مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلاتن (دو بار)

ع : "بھلا ہوا کہ نہ آئے نہیں تو جان گئی تھی"

بہ کم مروج ہے۔

۳۔ مخبون، مقصور (مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان) ع:

"وہ مست ہوں کہ مری خاک کا ہے مے سے خمیر"

۴۔ مخبون محذوف و مقطوع۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن (بکسر عین یا بسکون عین) ۔ع:

"او اسے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا" (قلق)

۴۔ مضارع

۱۔ اس کا اصل وزن مفاعیلن فاع لاتن مفاعیلن فاع لاتن ہے۔ مسدس اور سالم میں شعر نہیں کہتے۔ یہ بحر منسرح سے مشابہ ہے

۲۔ اخرب۔ (مفعول فاع لاتن مفعول فاع لاتن) چار بار) ع:

"دنیا میں قصر و ایوان بے فائدہ بنایا"

مفاعیلن کو اخرب کرنے سے مفعول آتا ہے یہاں چار رکن اخرب چار سالم ہیں۔

۳۔ اخرب (مضاف) ۔مفعول فاعلاتن مفعول فاعلیان ۔ع۔

"مرنے پہ بھی نہ چھوٹی نظارہ بازیاں ہیں"

فاعلاتن کو مضاف کرنے سے فاعلیان ہوگا۔

۴۔ اخرب مکفوف ۔مفعول فاعلات مفاعیل فاعلاتن ۔ع:

"اے دوست تیرے لطف کے انداز قہر ہوں گے"

۵۔ اخرب مکفوف مقصور، محذوف (مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات یا فاعلن) ۔ع:۔

ظاہر ہے اپنی سوزش دل سے کہ آفتاب
پینے کو اشک کھانے کو لخت جگر ملا

۵۔ منسرح

۱۔ اصل وزن یہ ہے:۔ مستفعلن مفعولات، مستفعلن مفعولات مگر سالم و مسدس مروج نہیں۔

۱۔ مطوی موقوف۔ مفتعلن فاعلات۔ مفتعلن فاعلان یا فاعلات۔ ع:
"حضرت دل ہم تجھیں کہتے نہ تھے بار بار"

۲۔ منسرح مطوی مکفوف۔ مفتعلن فاعلات مفتعلن فاعلات۔ ع:۔
"سننے سمجھنے کو بات خق نے دیے گوش ہوش"

واؤ مفعولات کو طے کیا تو مفعلات رہا اس کی جگہ فاعلات استعمال کیا۔ فاعلات کی جگہ فاعلن لانا بھی جائز ہے۔

۳۔ مطوی۔ مفتعلن فاعلات مفتعلن۔ مروج نہیں ہے

۶۔ بحر مقتضب

۱۔ اصل وزن اس کا یہ ہے: مفعولات مستفعلن مفعولات مستفعلن یعنی بحر منسرح کے بالکل برعکس۔ سالم اور مسدس رائج نہیں ہے، زیادہ تر یہ ایک وزن مروج ہے۔

۲۔ مطوی، منقطوع، مثمن۔ فاعلات مفعولن فاعلات مفعولن۔

ع: "واہ رے نصیب اپنے جس کی یہ تمنا ہے"

اَوزانِ رُباعی

رباعی کا وزن بحرِ ہزج کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس میں نو زحاف آتے ہیں، اس طرح چوبیس وزن ہو جاتے ہیں۔ پس جو چار مصرعے ان چوبیس وزنوں میں سے کسی وزن پر ہوں گے وہ رباعی ہے ورنہ ہر ایسے دو بیت جن کا پہلا، دوسرا، چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہو رباعی نہیں۔ چند اوزان لکھے جاتے ہیں۔

۱۔	مفعول	مفاعلن	مفاعیلن	فاع۔
۲۔	مفعول	مفاعیل	مفاعیلن	فاع۔
۳۔	مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعل
۴۔	مفعول	مفاعیلن	مفعولن	فاع
۵۔	مفعول	مفاعلن	مفاعیلن	فع
۶۔	مفعول	مفاعیل	مفاعلن	فع
۷۔	مفعول	مفاعیلن	مفعول	فعول
۸۔	مفعول	مفاعیلن	مفعولن	فع
۹۔	مفعول	مفاعیلن	مفعول	فعل
۱۰۔	مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعول
۱۱۔	مفعول	مفاعلن	مفاعیل	فعول

ان کو اوزان شجرۂ اخرب کہتے ہیں۔ دوسرے اوزان شجرہ اخرم

کے یہ ہیں :-

۱۔ مفعولن فاعلن مفاعیلن فاع
۲۔ مفعولن مفعول مفاعیلن فاع
۳۔ مفعولن مفعولن مفعولن فاع
۴۔ مفعولن مفعولن مفعولن فع
۵۔ مفعولن فاعلن مفاعیلن فاع
۶۔ مفعولن مفعول مفاعیلن فع
۷۔ مفعولن مفعول مفاعیلن فع
۸۔ مفعولن مفعولن مفعول فعل
۹۔ مفعولن مفعول مفاعیل فعل
۱۰۔ مفعولن مفعول مفاعیل فعول
۱۱۔ مفعولن مفعولن مفعول فعل
۱۲۔ مفعولن فاعلن مفاعیل فعل

۵
۶
۷ -
۸ •
۹ -
۱۰ •
۱۱ •
ان کا